U109
Ur6A

اردو مرثیہ
کے
پانچسو سال

مرتبہ: عبدالرؤف عروج

اردو مرثیہ

کے

پانچسو سال

(تاریخ — تدوین — انتخاب)

تالیف

عبدالرؤف عروج

شارق پبلیکیشنز اردو بازار کراچی

جملہ حقوق محفوظ

ناشر
چوہدری شارق اقبال گاہندری
مالک
شارق پبلیکیشنز اردو بازار کراچی

نام کتاب :	________	اردو مرثیہ کے پانچسو سال
تالیف :	________	عبدالرؤف عروج
ناشر :	________	شارق پبلیکیشنز۔ کراچی
ضخامت:	________	۴۰۰ صفحات
ٹیلیفون:	________	۲۱۳۳۰۳

Rs. 90/=
...SHMIR UNIVERSITY
Iqbal Library
Acc. No 863527
Dated 15-12-97
ST-01
RGU

احمد برادرز پرنٹرز۔ ناظم آباد۔ کراچی

عرضِ ناشر

یہ کتاب جس کا عنوان "اُردو مرثیہ کے پانچ سو سال" تجویز کیا گیا ہے۔ آج سے ۲۶ سال پہلے ۱۹۶۱ء میں مرتب کی گئی تھی، جس وقت یہ مرتب کی گئی، یہ خیال رکھا گیا تھا کہ اس کے ذریعہ اُردو کے تمام معلومہ مرثیوں، سلاموں نوحوں اور رثائی تحریروں کا انتخاب سامنے آجائے جن سے اس صنف کے عہد بہ عہد ارتقاء پر روشنی پڑتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ مرثیہ کن کن مراحل سے گزر کر ہمارے دور تک آیا ہے۔ اس سے پہلے نہ اس طرح کا کوئی انتخاب کیا گیا تھا اور نہ اس کی ضرورت سمجھی گئی تھی، اس لئے اس کو نہ صرف قبول عام حاصل ہوا بلکہ ان حلقوں میں بھی یہ بہت پسند کی گئی جو رثائی ادب سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اس کتاب کے ابتدا میں چند عربی مرثیہ بھی نمونے کے طور پر دیئے گئے ہیں ان کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ ان سے اس صنف کی قدامت کا صحیح اندازہ ہوسکے۔

مرثیہ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلا مرثیہ ہابیل کے قتل پر کہا گیا تھا۔ اس سے قطع نظر عربوں میں جاہلیت کے زمانے میں بھی اپنے خاندان کے افراد کے بارے میں مرثیہ کہنے کا رواج عام تھا لیکن واقعہ کربلا کے بعد یہ صنف صرف شہیدان کربلا اور ان کے واقعات اور ان کے مدح و فضائل تک محدود ہو کر رہ گئی اور مرثیہ کا نام آتے ہی ذہن خود بخود امام حسینؓ اور ان کے رفقاء کی طرف رجوع ہو جاتا ہے۔ عربی کے بعد فارسی میں شہدائے کربلا کے مرثیہ عام طور پر ایران میں پڑھے جاتے تھے۔ مقبل نے سندھ میں فارسی مرثیوں کو فروغ دیا۔ پنجاب میں زماں شیرازی، ثاقب بردہ، غلام، فدوی اور مایل جیسے شعرا نے اس صنف کے ارتقاء میں حصّہ لیا۔ چونکہ اس کتاب کا اصل موضوع اُردو مرثیہ ہے اس لئے ہم اس نقطۂ نگاہ سے اس پر غور کریں گے۔

اُردو مرثیہ کی ابتدا، دکن سے ہوئی اور یہ واقعہ ہے کہ دکنی زبان کے آغاز کے ساتھ ہی وہاں مرثیہ نگاری کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی واقعات کربلا کے حوالے سے نثر میں بھی کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چونکہ وہاں کی بہمنی سلطنت اور اس کے بعد قائم ہونے والی نظام شاہی، برید شاہی، قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتیں ایران کے کلچر اور ثقافت سے بہت قریب تھیں اور ایران کے علماء اور اُدبا اور شعراء بکثرت وہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ اس کے نتیجے میں وہاں ذکر شہدائے کربلا کو بڑی اہمیت دی جانے لگی۔ اس کے ساتھ ہی عزاخانوں کا قیام عمل آیا۔ دکنی حکمران ان عزاخانوں میں باقاعدہ طور پر جاتے تھے، اور مجالس میں شرکت کرتے تھے، بعض اوقات ان کی کہی ہوئی دکنی اور فارسی نظمیں جو مدح امام مظلوم میں ہوتی تھیں پڑھی جاتی تھیں، اس کا یہ اثر نکلا کہ ان کے درباری شاعروں اور دوسرے بہت سے شاعروں نے مرثیوں کی طرف توجہ کی۔ یہ دکنی میں لکھے جانے والے مرثیوں ہی کو اوّلیت حاصل ہے کہ انہوں نے اس صنف کو ترقی تک پہنچانے کے راستے اور خطوط وضع کیے۔ چنانچہ جب کہ شمالی ہندوستان میں اُردو مرثیہ تو کیا، اُردو شاعری کا رواج نہیں تھا، دکن میں سلاموں، نوحوں کے علاوہ مربع مخمس اور مسدس میں مرثیہ لکھے جانے لگے۔ اگرچہ مربع، مخمس اور مسدس میں لکھے جانے والے مرثیوں کا انداز نوحوں کا سا تھا لیکن یہ لوگوں کے جذبات کو متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ تھے۔ اگر ہم دکن میں لکھے جانے والے مرثیوں ہی کی تاریخ مرتب کریں تو اس کے لئے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔ جن لوگوں نے مرثیہ نگاری کے رجحان کو فروغ دیا اور خود بھی مرثیہ کہے ان میں سلطان قلی قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، عادل شاہ، نصرتی، ہاشمی، ہاشم علی گجراتی اور اسی طرح کے کئی نام لے جا سکتے ہیں ان کے مراثی کا بڑا حصہ، ایڈنبرا یونیورسٹی اور برٹش میوزیم کی کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ جس پر بہت کم توجہ دی گئی ہے، اگر ان کتب خانوں میں موجود مخطوطوں سے استفادہ کیا جائے تو بلا شبہ اردو مرثیہ کی ابتدا کے بارے میں بہت سا ایسا مواد سامنے آئے گا جس کو اس صنف میں اضافہ کہا جا سکے گا۔ اس کتاب میں اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ دکن میں کہے جانے والے ابتدائی مرثیوں کے نمونے شامل کر دیئے جائیں جہاں اس سے اس کے آغاز اور اس کی ہیئت ترکیبی پر روشنی پڑتی ہے، وہیں اس امر کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مرثیہ رقت اور گریہ کی کیفیات پیدا کرنے میں کس قدر موثر طاقت تھے:-

دکنی مرثیوں سے قطع نظر شمالی ہند میں مرثیہ نگاری کی ابتدا، بہت بعد کی بات ہے۔ دکن کے مقابلے میں جہاں ہندوستان میں اُردو دیر سے پہنچی وہیں مرثیہ نگاری کا آغاز تاخیر ہی سے ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں

دہلی اور اس کے ملحقہ علاقوں میں مرثیہ بہ حیثیت صنف بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ البتہ کچھ شعرا امام حسین اور اہل بیت کی محبت کے اظہار کے طور پر کہہ لیا کرتے تھے، اگر شمالی ہندوستان میں کہیں مرثیہ نگاری نظر آجاتی ہے تو اسے محمد شاہ کے دورِ حکومت سے عبارت خیال کرنا چاہیئے کیونکہ اس کے دور میں لاہور کا ایک شاعر سکندر پنجابی دہلی —— پہنچا اور اس نے لوگوں کو اپنا مشہور مرثیہ جو حضرت صغرا کے حال میں لکھا گیا تھا، سنایا، اور اس نے عوام میں اتنی مقبولیت حاصل کی کہ لوگ سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اسی دور میں درگاہ قلی خان کی ایک تصنیف "مرقع دہلی" سے پتہ چلتا ہے کہ دہلی کے تین شاعروں نے جو غمگیں حزیں اور مسکین تخلص کرتے تھے بسدس اور مربع میں بعض مرثیہ کہے اور مختلف لوگوں کو سنائے، ان کے زیر اثر دوسرے لوگوں نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی، جس وقت یہ تینوں شاعر اپنے مرثیوں سے رثائی ادب میں اضافہ کر رہے تھے۔ دہلی تصوف کے تین مکاتیب فکر میں منقسم تھا۔ ایک شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کا خاندان، دوسرا مرزا مظہر جان جاناں اور ان کے خلفا، تیسرے مولانا فخر الدین دہلوی اور ان کے مریدین، دہلی کے تمام ہی ادیب اور شاعران میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ وابستہ تھے، اس لئے ان کو اس کی فرصت نہیں ملتی تھی کہ وہ اس صنف کی جانب توجہ دیں یہ بھی غنیمت تھا لیکن بعد میں ہوا یہ کہ بعض ادیبوں اور شاعروں نے مرثیہ نگاری اور مجالس عزا کے خلاف تقریری اور تحریری مہم بھی چلائی، اس کے نتیجے میں اس عہد کا سب سے اہم حادثہ مرزا مظہر جان جاناں کی شہادت ہے جو عزاداری اور ماتم کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان محرکات اور اسباب نے شمالی ہند میں بڑی حد تک مرثیہ کے فروغ کو روک دیا، اگر مسکین اور ان کے بعد دو تین شاعروں کے مراثی کے نمونے ملتے ہیں تو وہ ایسے نہیں کہ ان سے کسی مرثیہ کی کسی تاریخ کا رخ متعین کیا جائے اس کتاب کے مرتب نے اس امر کا بھی خیال رکھا کہ دہلی اور اس کے مضافات میں کہے جانے والوں مرثیوں کو بھی سمیٹ لیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ سخت ترین، حالات اور دشواریوں کے باوجود بعض شعرا نے دہلی میں مرثیے کہے۔ اور اس صنف کے ارتقا میں کسی نہ کسی حد تک ہاتھ بٹایا ہے۔

عہد محمد شاہ ہی میں دہلی کے ایک ایرانی نژاد صوبہ دار برہان الملک نے اودھ میں اپنی صوبہ داری قائم کی، اور اس کے اودھ میں آباد ہونے کے بعد دہلی کے ایرانی امیر اور ان کے زیر اثر افراد بڑی تعداد میں اودھ میں جا کر آباد ہو گئے۔ ان کی آبادی میں اضافہ کے ساتھ ایک نئے معاشرہ، کلچر اور تہذیب کی بنیاد پڑی، یہ تہذیب دہلی اور اس کے ملحقہ علاقوں سے بڑی حد تک مختلف تھی۔ چونکہ اس تہذیب اور معاشرہ

کو پروان چڑھانے والے حکمراں شیعہ تھے ان کا ذہن میلان ، محبت اہل بیت سے عبارت تھا انہوں نے ذکر حسین کو دینی فریضہ کے طور پر رواج دیا ۔ جگہ جگہ عزا خانے اور امام باڑہ تعمیر کیے ۔ ضریحیں بنائیں تعزیے نکالے شبیہیں نکالیں ۔ علم ایستادہ کیے اور ایسے ادیبوں اور شاعروں کی قدر افزائی کی جو ذکر حسین کو دوسری اصناف پر مقدم سمجھتے تھے ۔ اس طرح جہاں علم کو فروغ ملا وہیں مرثیہ نے بھی ترقی کی ، میر تقی میر رفیع السودا ، میر ضاحک ، میر حسن اور اسی طرح کے دوسرے شعرا کو اس صنف میں اپنے جوہر دکھانے کا خوب موقع ملا اور پھر اودھ میں مرثیہ نے اتنی ترقی کی اس زبان و بیان اور ہیت ترکیبی میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ اب اسے اردو ادب سے خارج نہیں جا سکتا ۔ اس کتاب میں آپ دیکھیں گے کہ اس کے مرتب نے اودھ میں تمام ہی مرثیہ نگاروں کے مراثی اور سلاموں کے نمونے شامل کیے ہیں ، جہاں میر تقی میر ، سودا ، مجذوب ، میر حسن اور ان کے خاندان کی رثائی تحریریں شامل کی گئی ہیں وہیں ان کے بعد کے لکھنے والوں کی کاوشوں کا انتخاب ہے ۔ اس طرح اس کتاب کے ذریعہ مرثیہ کی ابتدا ، نشو و نما اور ترقی کی پوری داستان نظری طور پر ہی سہی ، سامنے آجاتی ہے ۔

ہمارے دور میں مرثیہ نئی جہتوں سے آشنا ہوا ۔ جوش ملیح آبادی نے اس کے تناظر میں اپنے دور اور اس کے تقاضوں کو دیکھا اور اس کے ذریعہ سیاسی ، سماجی ، تہذیبی اور معاشرتی بیداری کا کام لیا ۔ اور یہ ثابت کیا کہ یہ صنف مردہ صنف نہیں ہے بلکہ اس کی مسیحا نفسی سے منجمد اور بے حس اذہان میں زندگی کی نئی رو تید گی پیدا کی جا سکتی ہے جوش صاحب کی طرح ، ان کے معاصرین اور ان کے بعد لکھنے والے بہت سے مرثیہ گو شعرا نے بھی اس بات کو سوچا اور ان کے مرثیوں میں ان کے اپنے دور کی سچائیاں اور حقائق راہ پانے لگے ۔ یہ مرثیہ نگاری کے لئے ایک نیک فال ہے ۔

مجھے امید ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ ، مندرجہ بالا گزارشات کی روشنی میں کیا جائے گا ۔ اور یہ کتاب مرثیہ نگاری کے ارتقا اور ترقی کے صحیح خدوخال مرتب کرنے میں مدد دے گی ۔

شارق اقبال گاھندری

ترتیب

تاریخ مرثیہ

چند نادر مرثیے

سلام

مناقب

مناجات

مراثی

نوحے

قصائد

چوبولا

الوداع

جنگ خیبر

رباعیات و قطعات

○

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

مولانا محمد علی جوہرؔ

معروضات

مجھے اس کتاب کی حسرتِ تالیف ایک مدت سے تھی۔ جس وقت میں نے اسے شروع کیا سمجھتا تھا کہ کئی لوگ دستِ اعانت بڑھائیں گے۔ لیکن تمام توقعات سراب نکلیں۔ میں نے جو کچھ مواد بہم کیا تھا مجبوراً اسی پر قناعت کر کے "اردو مرثیہ کے پانچسو سال" کے عنوان سے پیش کر رہا ہوں۔

مجھے اعتراف ہے کہ میری یہ کوشش قابل ستائش نہیں۔ اس کے باوجود مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ یہ اپنی نوعیت کی ایسی پہلی تالیف ہے جس میں عہد بہ عہد مرثیوں کے مختلف، مطبوعہ، غیر مطبوعہ، اور نایاب نمونے مکمل صورت میں جمع کئے گئے ہیں۔

مرثیہ گوئی کو مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ گمراہی سمجھتا ہے اس لئے میں نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ زہرہؑ، فرزدق اور بنت عقیل کے مرثیوں کی شمولیت ضروری سمجھی۔ میں نے اس تالیف میں مرثیہ گو شعراء کے علاوہ ان لوگوں کے بھی مرثیے اور سلام شامل کئے ہیں جو بنیادی طور پر غزل یا قصیدہ کے شاعر ہیں۔ ان کے مرثیوں اور سلاموں کی موجودگی اس بات کا ادعا ہے کہ انہوں نے غیر راست طریقہ پر مرثیہ کی ترقی میں کس قدر حصہ لیا ہے۔

اس تالیف کی ترتیب و تدوین میں مجھے جتنی کچھ اذیت اور صعوبت برداشت کرنی پڑی، اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ہمارے سرکاری اور غیر سرکاری کتب خانوں میں مراثی انیس و دبیر کی جلدوں کے علاوہ اور کسی کے مراثی نہیں ہیں۔ مجھے شاد عظیم آبادی کا مرثیہ ہنوز نہیں مل سکا۔

اگرچہ میں اس انتخاب سے مطمئن نہیں ہوں پھر بھی میں نے کوشش کی ہے کہ مرثیہ نگاری کی تاریخ کے ساتھ ساتھ، اس کے ارتقا کا مکمل خاکہ آپ کے سامنے آجائے۔ حالات نے اجازت دی تو آئندہ سال اسے دوسری مکمل صورت میں پیش کروں گا۔

مرتب

○

مرثیہ کیا ہے؟

مرثیہ کا مفہوم عام بھی ہے اور وسیع بھی۔ اس لئے بعض لوگ سعدی کی زوال بغداد کو بھی اسی تعریف میں لے آتے ہیں۔ مرثیہ دراصل اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی خوبیاں بیان کر کے اس کی موت پر اظہارِ غم کیا جائے۔ عارف کی موت پر غالب کی غزل، غالب کے انتقال پر حالی کا نوحہ، داغ کی وفات پر اقبال کی نظم، ان سب کو مرثیہ ہی کہا جاتا ہے لیکن اصطلاحی طور پر مرثیہ واقعاتِ کربلا کے غم انگیز پیرایۂ اظہار ہی سے عبارت ہے۔ چنانچہ جب بھی مرثیہ کا ذکر ہو، مراد ایسی ہی نظم سے ہوتی ہے جس میں واقعاتِ کربلا غم انگیز پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

ابتداء میں مرثیہ کی وہ ہیئت نہیں تھی جو آج ہے۔ اس وقت مراثی بہت مختصر ہوتے تھے۔ ان کا کوئی اسلوب تھا نہ معیار۔ بعد میں مرثیوں کو مربع اور مثلث کی شکل میں لکھا جانے لگا۔ پھر دبیر اور انیس کے عہد سے کچھ ہی پہلے مرثیوں نے مسدس کی صورت اختیار کر لی۔ اور یہی سانچہ واقعاتِ کربلا کے اظہار کے لئے مختص ہو کر رہ گیا۔

واقعاتِ کربلا اپنے موضوع میں شروع سے آخر تک رزمیہ عناصر رکھتے ہیں، اس لئے ان کو پیش کرنے کے لئے مرثیہ میں ان ہی اجزائے ترکیبی کی ضرورت ہوتی ہے جن کو فردوسی نے شاہ نامہ اور نظامی نے سکندر نامہ میں استعمال کیا ہے۔

حالی نے رزم، بزم، فخر، خود ستائی، سراپا، تمہید، گھوڑے اور تلوار کی تعریف کو مرثیہ کے تقاضوں کے منافی بتایا ہے۔ حالی کی یہ رائے موضوع مرثیہ پر غور کرنے کے بعد غلط ہو جاتی ہے۔ غالباً واقعہ کربلا کو وہ ایپک (EPIC) کی بجائے ٹریجڈی خیال کرتے ہیں، یا ان کے نزدیک مرثیہ کا وہی تصور رہا ہے جو افراد کی موت کا پابند محض ہے

شبلی کا نظریہ اس کے برعکس ہے۔ انہوں نے موازنۂ انیس و دبیر میں مرثیہ کو چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت، بین اور اسی طرح کے دوسرے مختلف اجزا میں تقسیم کر کے دیکھا ہے۔ شبلی کی یہ اختراع مرثیہ کی صحیح اقدار کا تعین کرنے کے لیے اہم ہے۔ اس سے مرثیہ کی خصوصیات کا احاطہ ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ بلحاظِ موضوع زبان و بیان کے مختلف اسالیب بھی سامنے آتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ مرثیہ کے اجزائے ترکیبی پر غور کر لیا جائے۔

چہرہ ——— یہ مرثیہ کا افتتاحیہ ہوتا ہے یا تمہید، اس کے ذریعہ صبح کا منظر، رات کا سماں، دنیا کی بے ثباتی، باہمی تعلقات، سفر، تعلی، ہجر، اسکے علاوہ اس میں نعت یا مناجات بھی کہی جاتی ہے اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی صورت کشی کی جاتی ہے۔

سراپا ——— یہ مرثیہ کے بنیادی کردار کے عادات و خصائل، قد و قامت، خال و خط و سیرت و کردار اور اسی طرح کے صفاتی اور اضافی موضوعات کی صراحت کرتا ہے۔

رخصت ——— یہ مرثیہ کا اہم اور جامع حصہ ہے۔ اس میں رفقائے حسینؑ کا امام حسینؑ سے جنگ کی اجازت لے کر میدان میں جانے تک کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

آمد ——— مرثیہ کا یہ حصہ، شہادت علی اصغر کے قطع نظر، تمام تر رزمیہ ہے۔ اس میں افرادِ مرثیہ کے میدانِ جنگ میں شان و شوکت سے آنے کے واقعات دُہرائے جاتے ہیں۔ اسی حصہ میں گھوڑے اور تلوار کی بھی تعریف کی جاتی ہے۔

رجز ——— رجز خوانی عربوں کی خصوصیات میں سے ہے۔ یہ مبالغہ بھی ہو سکتا ہے اور حقیقت بھی، تعلی بھی ہو سکتا ہے اور واقعہ بھی۔ اس حصہ میں افراد مرثیہ سے ان کے حسب نسب کی تعریف، آباؤ اجداد کے کارنامے بیان کروائے جاتے ہیں۔ بعض مرثیہ نگاروں نے حرب و ضرب کی مہارت کے اظہار کو بھی اسی ضمن میں شامل کیا ہے

جنگ ——— مرثیہ کا یہ موضوع رزمیہ اور ایپک سے بہت قریب ہے۔ اس میں افرادِ مرثیہ کو نام آور پہلوانوں یا دشمن کی فوجوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ بعض مرثیہ نگاروں نے اس کے ساتھ تلوار اور گھوڑے کی تعریف کو جائز رکھا ہے۔

شہادت ——— مرثیہ کا یہ حصہ زیادہ دردناک اور رقت آور ہوتا ہے۔ اس میں افرادِ مرثیہ کو گھوڑے سے گرتے، زخمی ہوتے اور دم توڑتے دکھایا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کی بالیں پر امام حسینؑ کی موجودگی بھی ناگزیر خیال کی جاتی ہے۔

بین ——— یہ مرثیہ کا اختتامیہ ہے۔ اس میں افرادِ مرثیہ کی لاش خیمہ میں آتی ہوئی دکھائی جاتی ہے اس کے عزیز و اقربا کے رونے اور ماتم کرنے کے مناظر پیش کئے جاتے ہیں۔ ان مناظر میں زینب و کلثوم کی بھی

گریہ و زاری کی تخصیص نہیں ہے۔

ساقی نامہ:۔۔۔۔ مرثیہ میں ساقی نامہ انیس و دبیر کے بعد کی اختراع ہے۔ تعشق کے مرثیوں میں پہلی مرتبہ ساقی نامہ شامل ملتے ہیں۔ ساقی نامہ میں بالعموم حبِ اہلِ بیت، تولائے علی، ذکرِ ساقی کوثر اور فضائل ائمہ خود کو "مینوش" تصور کرتے ہوئے لکھے جاتے ہیں۔

مرثیہ کا یہ خاص معیار اور مفہوم سمجھ لینے کے بعد، مرثیہ کو اُردو شاعری میں ایک خاص قسم کی ایجاد سمجھنا غلط ہے۔ اردو شاعری میں یہ ترقی براہ راست مرثیہ ہی کی ترقی تھی، کیوں کہ اس کے تمام موضوعات ایسے ہی واقعات کے پابند ہیں جو رزم، بزم، فخر، خودستائی، سراپا، تمہید، گھوڑے اور تلوار کی تعریف سے عبارت ہوتے ہیں۔

مرثیہ کا موضوع

بنو ہاشم کے خاندان کے ایک شخص (آں حضرت صلعم) نے اپنے مبعوث ہونے کا اعلان کیا تو اس کے حریف قبیلہ بنی اُمیہ کو اپنے تحفظ کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اسے بنو ہاشم کے مذہبی اقتدار کے سامنے اپنی بساط الٹتی ہوئی نظر آرہی تھی چنانچہ اموی خاندان کے ایک فرد ابوسفیان نے آں حضرت صلعم کے خلاف علمِ جنگ بلند کیا۔ نتیجہ میں تمام مشرکانِ عرب، اسلام کے خلاف صف ایستادہ ہوگئے۔ اور اتنی شورشیں پیدا کیں کہ آں حضرت صلعم کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔

آں حضرت صلعم کو مدینہ میں بھی سکون نہیں مل سکا۔ دشمنانِ حق نے وہاں بھی ہنگامے بپا کئے۔ ان ہنگاموں نے ان لڑائیوں کو جنم دیا جن میں خود انہیں پے بہ پے شکستیں ملیں۔ ان تمام جنگوں کا فیصلہ مکہ میں ہونے والی جنگ تھی۔ اس جنگ نے نہ صرف بنی امیہ کی طاقت کا قلعہ قمع کر دیا بلکہ وہ ایک طرح سے اسلام قبول کرنے پر بھی مجبور ہوئے۔

آں حضرت صلعم کے انتقال کے بعد جب عنانِ خلافت مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ عمر کے ہاتھوں میں آئی تو غیر راست طریقہ سے بنی اُمیہ کو سر اٹھانے کا موقع ملا۔ ابوسفیان کا بڑا لڑکا یزید امیر شام مقرر کیا گیا۔ اس کے انتقال پر شام کی امارت اس کے بھائی معاویہ کو ملی۔ یہ معاویہ ہی کی حکمتِ عملی کا نتیجہ تھا کہ ایک بار پھر بنی امیہ اپنے عروج کے خواب دیکھنے لگے تیسرے خلیفہ عثمان کے زمانے میں ان کو اپنی خوابوں کی تعبیر بھی مل گئی۔ اور پھر اس طرح ان کا ستارۂ اقبال چمک اُٹھا۔

مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ اور پہلے امام علی وارثِ خلافت سمجھے گئے تو بنی امیہ کو اپنی سطوت اور جبروت کا چراغ بجھتا ہوا دکھائی دیا۔ سردارانِ عرب کو جو بے کار وظائف دیئے جارہے تھے وہ سب کے سب موقوف کر دیئے نتیجہ میں بنی امیہ کو شورشیں پیدا کرنے کا اچھا موقع ملا۔ اور انہوں نے حاکمِ شام امیر معاویہ کی سرکردگی میں علی سے کئی لڑائیاں لڑیں، لیکن قرعۂ فال ہمیشہ علی ہی کے نام نکلا۔ امیر معاویہ کی تلوار علی کے مقابل آکر کند ہوگئی تھی۔ انہوں نے

عیاریوں اور مکاریوں سے۔ کام لیا۔ اور علی مسجد کوفہ میں نماز صبح کے وقت ابن ملجم کے ہاتھوں شہید کروائے گئے۔

علی کی شہادت بنی امیہ کی نجات کا پروانہ تھی لیکن ان کی خواہشوں کے برعکس عوام نے علی کے بڑے صاحبزادہ امام حسن کو اپنا خلیفہ برحق تسلیم کیا۔ اس صورت میں بنی امیہ میں حسد کی چنگاریوں کا بھڑک اٹھنا ناگزیر امر تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ بنو ہاشم کے افراد طاقت کے بل بوتے پر زیر نہیں کیے جا سکتے۔ اس لئے انھوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ امام حسن کو صلح کا پیغام بھیجا جائے۔ امام حسن نہیں چاہتے تھے کہ محض خلافت کے نام پر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں ٹکرا جائیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو جنگ و قتل سے بچانے کے لئے صلح نامہ پر نہ صرف دستخط کر دیئے بلکہ حکومت سے بے دخلی بھی اختیار کر لی۔ بنی امیہ کی رگوں میں مفسد خون دوڑ رہا تھا۔ انھوں نے مختلف رسوخ اور اثرات استعمال کر کے امام حسن کو زہر سے شہید کروا دیا۔

امام حسن اور امیر معاویہ کے درمیان جو صلح نامہ ہوا تھا، امیر معاویہ نے اپنے لڑکے یزید کو اپنا جانشین مقرر کر کے اس کی نہ صرف خلاف ورزی کی، بلکہ وہ سانحہ عظیم پیدا کر دیا جو واقعہ کربلا کے نام سے مشہور ہے۔

یزید کی جانشینی اور دینی پیشوائی کے لئے بیعت لی گئی تو امام حسن کے چھوٹے بھائی امام حسین نے انکار کر دیا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اسلام کی تقدیس خطرہ میں ہے، خلافت کو بادشاہت میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ عوام کی آزادی رائے پر ڈاکہ زنی ہے۔ اس طرح آئین اسلامی ہی کی رسوائی نہیں ہوتی ہے بلکہ مردانِ حق کی ناموس پر بھی حرف آتا ہے۔

امیر معاویہ کے انتقال کے بعد ان کے حسب وصیت ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا۔ امیر معاویہ نے اپنی سیاسی گٹھ جوڑ کے ذریعہ اس کے لئے بڑی حد تک میدان ہموار کر دیا تھا۔ چند ہی لوگ ایسے رہ گئے تھے جنھوں نے امیر معاویہ کے مطالبہ بیعت کو ٹھکرا کر یزید کو خلیفہ وقت تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا۔ یزید دینی اور دنیوی قیادت دونوں کا مدعی تھا۔ اس کی بدکاریوں کی حد تھی نہ انتہا۔ شراب، کباب، رقص، غنا اور زنا اس کی سرشت میں رچ بس گئے تھے۔ اس کی ان ہی بے ہودگیوں کے باعث اہلِ کوفہ نے امام حسین سے ہدایت چاہی اور مسلسل نامے لکھے۔ یزید ان ناموں اور اہلِ کوفہ کی خواہش سے بے خبر نہیں تھا۔ اس نے اپنے جلوس کے پہلے سال حاکم مدینہ کو ایک فرمان کے ذریعہ پابند کیا کہ وہ بہر طور امام حسین سے بیعت لے۔ امام حسین نے حسب سابق انکار کر کے مدینہ کی طرف سفر کیا۔ ۶۱ھ رجب کا مہینہ تھا۔ امام حسین نے اپنے مقصد کا اعلان کیا، ضریح رسالت پناہ تھام کر معبودِ حقیقی سے عرض کی ــــــ

یہ تیرے نبی محمد کی قبر ہے اور میں تیرے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ وہ وقت آ گیا ہے جس کا تجھے علم ہے میرے پروردگار مجھے منتخب کر لے اس مقصد اور آدرش کے لئے جس میں تیری، اور تیرے رسول کی خوشنودی ہے۔

اور جب مدینہ سے نکلے تو اعلان فرمایا ــــــ

"میں فتنہ وفساد کے لئے گھر نہیں چھوڑ رہا ہوں، میں اپنے سے جا رہا ہوں، فقط اس لئے کہ امت جد کی اصلاح کروں۔"

امام حسین مدینہ سے نکلے، کوفہ کے سفر کا ارادہ کیا حضرت علی نے کوفہ ہی میں شہادت پائی تھی، اس لئے کوفیوں پر اعتماد مشکل تھا۔ پہلے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے کوفہ بھیجا۔

حج کا زمانہ قریب تھا۔ تمام عالم اسلام مکہ کی جانب کھنچ رہا تھا، پھر بھی امام حسین نے طے کر لیا کہ مدینہ کو چھوڑ دیا جائے۔ مسلمان سمجھتے رہے، امام مکہ سے نکلے، مدینہ میں قیام کریں گے، حج کے فرائض امام کے ساتھ ادا ہوں گے۔ لیکن کعبہ کی حرمت کے خیال نے اس پناہ گاہ کو بھی چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لوگ پوچھتے تھے، حج کے زمانے میں آپ مکہ سے کہاں اور کیوں جاتے ہیں۔ ۷ ذی الحجہ کو آپ نے ایسے ہی سوالوں کا جواب دیتے ہوئے خطبہ پڑھا ____

میں دیکھ رہا ہوں کہ موت کے درندے عراق کی سرزمین پر میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں۔ اس سے مفر نہیں اور گریز نہیں۔ بس فیصلہ یہ ہے کہ ہم اہل بیت کی وہی مرضی ہے جو خدا کی مرضی ہے۔

ادھر مسلم بن عقیل کوفہ پہنچ چکے تھے۔ کوفیوں نے ان کی بڑی عزت وتعظیم کی۔ اور ان کے ہاتھ پر جوق در جوق امام حسین کی بیعت بھی کرنے لگے۔ اموی حکمراں، اپنی موجودگی میں ایسا ہوتا ہوا کب دیکھ سکتے تھے۔ انہوں نے ایک شقی القلب اور دشمن ناموس رسول یعنی عبداللہ ابن زیاد کو شام کا گورنر مقرر کر کے کوفہ بھیجا۔ چنانچہ اس درندہ صفت کی سازشوں نے مسلم بن عقیل کو قتل کروا دیا اور ان کے دونوں لڑکے بھی شہید کر دیئے گئے۔ ابن زیاد کی فوجوں نے نہ صرف کوفہ کا احاطہ کر لیا تھا بلکہ اس کے تمام دروازوں پر پہرے بھی جما لئے تھے۔ حر کی سرکردگی میں ایک فوجی دستہ امام حسین کی تلاش کر رہا تھا۔

۸ ذی الحجہ کو امام حسین مکہ سے نکل چکے تھے۔ ساتھ میں چند کمسن بچے، چند بی بیاں اور کچھ نوجوان تھے اور بس،

۹ ذی الحجہ کو امام حسین کی طرف سے پہلی قربانی کوفہ کے ایک قصبہ دارا و رمارہ میں دی گئی۔ عید کے دن مسلم بن عقیل نے جام شہادت نوش کیا۔ غرض امام حسین کربلا کی سمت بڑھ رہے تھے۔ حکومت کی فوجوں نے ایک ایک راستہ بند کر دیا تھا۔ فرات کے کنارے غاضریہ سے متصل، کربلا کی زمین پر امام حسین نے اپنے خیام نصب کئے محرم کی دوسری تاریخ تھی۔ ابن زیاد کا بھیجا ہوا لشکر عمر بن سعد کی سرکردگی میں کربلا پہنچ گیا۔ اس کے بعد ہی یزیدی افواج کی آمد شروع ہو گئی۔ ان کا ہر بار یہی مطالبہ تھا کہ بیعت یزید قبول کریں۔ مدینہ کا ملک یا شام کی سرزمین وجہ نزاع نہیں تھی، سارا سوال بیعت کا تھا۔ امام حسین نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ نتیجہ میں فرات کے کنارے سے خیام جبراً ہٹوائے گئے۔ ساتویں محرم سے پانی بھی بند کر دیا۔ پانی کی روک تھام کے لئے کئی ہزار فوج فرات پر متعین تھی۔

گرمی کا مہینہ تھا۔ بچوں کی پیاس، اعدا کی کثرت، عزیزوں کی کمی، شہادت کا یقین، ان سب چیزوں نے

پائے استقلال متزلزل کرنے کی بجائے ثباتِ حسین کو مستحکم تر کر دیا۔

آٹھویں محرم کو عمر بن سعد نے بیعت کا دوبارہ اصرار کیا۔ امام حسین نے انکار کیا اور کہا یا تو مجھے مکہ جانے دو۔ یا اجازت دو کہ میں کسی اور ملک کی سمت نکل جاؤں۔ یہ نہ کر سکو تو پھر مجھ کو یزید ہی کے پاس لے چلو۔ ابن زیاد نے کوئی بات بھی منظور نہیں کی۔ ۹ر تاریخ کو امام حسین اشقیا میں گھر گئے، ۹ر کی شام آئی۔ ایک رات کی مہلت عبادت کے لئے مانگی۔ اور اپنے رفقا سے کہا میں بخوشی اجازت دیتا ہوں، اس رات کی تاریکی میں جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اب میں اپنے ساتھ تمہاری زندگی کو خطرہ میں نہیں رکھنا چاہتا۔ چند لوگ رخصت ہو گئے، لیکن ان لوگوں کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش پیدا نہیں ہوئی جو واقعی قربانی کے اہل تھے۔

دس محرم کی صبح طلوع ہوئی۔ یزید کا طاغوتی لشکر اپنی صفیں جما چکا۔ امام حسین نے راہ راست پر لانے کے لئے آخری مرتبہ تقریر کی نتیجہ میں یزید کی فوجوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق ایک ایک شخص نے مبارزت طلب کی۔ اور یوں اس معرکہ عظیم کی ابتدا ہوئی۔ یہ معرکہ عظیم، ایسا معرکہ نہیں کہ تاریخ اسے دہرا سکے کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، تیرہ سو برس کے بعد بھی اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔

لشکر مخالفت سے عمر بن سعد نے پہلا تیر چلایا۔ ہزاروں تیر ساتھ چھوٹے امام حسین کے ۳۲ ساتھی اسی وقت شہید ہو گئے۔ پھر رفیقوں کی باری آئی۔ ایک ایک نے دادِ شجاعت دی۔ ضعیف رجز خواں ہوئے، جوان مبارز طلب ہوئے بچے یتیم بلا ہوئے۔ اس طرح خود کو فدیۂ حق بنا کر پیش کرنا آسان نہیں تھا۔ اٹھارہ بنی ہاشم تڑپ کر مر گئے۔ جعفر طیار کے پوتوں اور علی مرتضیٰ کے نواسوں یعنی عون و محمد نے مسکرا کر جانیں دیں۔ حسن کی یادگار قاسم نے شہادت پائی علی مرتضیٰ کے دوسرے بیٹے مارے گئے۔ عباس نے ترائی میں دم توڑا۔ علی اکبر ابن نمیر کے تیر سے فرس سے گر پڑے اصغر نے حرملہ کا تیر کھایا۔

امام حسین نے سب کی لاشیں اٹھائیں، سب کا ماتم کیا، سب پر آنسو بہائے۔ اور پھر میدان میں قدم رکھا۔ اس دل دوز منظر کو کون بیان کر سکتا ہے، محمد کا نواسہ، علی کا بیٹا، فاطمہ کا نور عین انبوہِ اشقیا میں گھرا ہوا اشاعتِ حق کر رہا ہے۔ میں یزید کی بیعت نہیں کر سکتا میں اسلام کو بچاؤں گا۔ میرا سر حاضر ہے۔

محرم کی دس تاریخ تھی عصر کا وقت تھا، امام سر سے پاؤں تک زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے۔ عصر کی نماز ادا کی۔ خدا کے حضور میں اٹھنے والے ہاتھ بیعت کے لئے نہ اٹھ سکتے تھے نہ اٹھے سجدۂ معبود میں جبین جھکی ـــ اور پھر فتح کے باجوں کے ہجوم میں شمر کے نیزہ پر ڈوبتے ہوئے سورج نے امام حسین کے سر کو بلند ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔

شہیدوں کی لاشیں گھوڑوں سے پامال کر دی گئیں۔ عورتوں کی ردائیں اور بچوں کی بالیاں اتار لی گئیں۔ سید سجاد کو رسن بستہ کیا گیا خیام جلا دیئے گئے۔ رسول کی حرمت بے مقنع، اونٹوں کی ننگی پیٹھ پر شام اور کوفہ کے بازاروں

میں چلایا گیا۔ اس ذلت و رسوائی کے ساتھ اہلِ بیت دمشق پہنچے تو ان کو یزید کے حکم سے ایک تاریک ترین کمرہ میں قید کر دیا گیا۔

بنی امد کے قبیلہ نے چند دنوں بعد امام اور ان کے شہدا کی تمام لاشیں ایک ہی جگہ دفن کر دیں۔

اہلِ بیت ایک سال قید و بند میں رہے۔ اپنی بیوی ہندہ کی سفارش پر یزید نے اہلِ بیت کو رہا کر کے مدینہ پہنچا دیا۔ جب ان لٹے ہوئے افراد کا قافلہ مدینہ میں پہنچا تو ایک کہرام برپا ہو گیا۔ ہر گھر سے ماتم کی صدائیں آنے لگیں۔

واقعۂ کربلا اہلِ بصیرت کے لئے ایک نمونہ ہے۔ نیک و بد، کذب و صدق، خلوص و ریا اور حق و باطل کی پیکار کی عظیم ترین مثال ہے۔ ایسی مثال جسے تاریخ کبھی دہرا نہیں سکتی۔ جو لوگ اسے امام حسین کے خروج، بغاوت یا سرکشی سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے دلوں پر خدا نے ذلالت اور گمراہی کی مہریں لگا دی ہیں۔

مرثیہ کے کردار

واقعۂ کربلا تاریخِ عالم کا عظیم ترین المیہ ہے۔ حق و باطل کی ایسی فیصلہ کن جنگ ہے جس میں ایک طرف لاکھوں منکرانِ حق اور دوسری طرف صرف ۷۲ خدا شناس نفوس موجود تھے۔ ان سب کے حالات و کوائف کا احاطۂ تحقیق بے حد مشکل کام ہے میں ان میں سے بعض افراد کے نام اور ضروری تفصیل پیش کر رہا ہوں۔ ان میں سے بیشتر سے وقف اس اعتبار سے ضروری ہے کہ مرثیوں میں ان کا نام بار بار آیا ہے ——

آں حضرت صلعم	خدا کے آخری رسول اور بانی اسلام۔
علی	آں حضرت صلعم کے چچا زاد بھائی اور داماد، ابو طالب کے لڑکے، فوجِ رسول کے علمبردار۔
حمزہ	آں حضرت صلعم کے عمِ محترم، شجیع اور دلیر۔
جعفر طیار	فوجِ رسول کے علمبردار، ماہرِ حرب و ضرب، نڈر سپاہی۔
علی	
فاطمہ	آں حضرت صلعم کی صاحبزادی، حسن اور حسین کی والدہ، علی کی زوجہ۔
حسن	فاطمہ اور علی کے بڑے صاحبزادے، امام ثانی زہر سے شہید کئے گئے۔
حسین	فاطمہ اور علی کے دوسرے صاحبزادے، شہید کربلا۔
عباس	علی کے چھوٹے صاحبزادے حسن اور حسین کے مختلف البطن بھائی، فوجِ حسینی کے علمبردار۔
مسلم بن عقیل	حسین کے چچا زاد بھائی، اور پہلے قاصدِ حسین۔

عابد	حسین کے بڑے صاحبزادہ، بیمار کربلا، اسیرہ کمان شام۔
علی اکبر	حسین کے منجھلے صاحبزادہ، مشابہ رسول، شہید کربلا۔
علی اصغر	حسین کے چھوٹے صاحبزادہ، چھ ماہ کی عمر، شہید کربلا۔
قاسم	حسن کے بڑے صاحبزادہ، دامادِ حسین، شہید کربلا۔
عبداللہ	حسن کے چھوٹے صاحبزادہ، صغیر سن،
عون و محمد	زینب کے صاحبزادگان، جعفر طیار کے پوتے۔
زینب	حسن اور حسین کی بہن، فاطمہ کی صاحبزادی، دلیری اور شجاعت میں یکتا۔
ام کلثوم	حسن اور حسین کی چھوٹی بہن۔
فاطمہ کبریٰ	حسین کی بڑی صاحبزادی، زوجۂ قاسم۔
فاطمہ صغریٰ	حسین کی چھوٹی صاحبزادی، بیمار، مدینہ ہی میں مقیم۔
سکینہ	حسین کی سب سے چھوٹی صاحبزادی، صغیر سن، زندان شام میں وفات۔
ام سلمہ	آں حضرت صلعم کی زوجہ، مدینہ میں مقیم۔
ام لیلی	حسین کی زوجہ، علی اکبر کی والدہ۔
شہر بانو	بزدجرد سوم شاہ ایران کی صاحبزادی حسین کی زوجہ، علی اصغر کی والدہ۔
ام البنین	عباس کی والدہ، فاطمہ صغریٰ کی محافظ۔
حر	لشکر یزید کا سردار، حسین کا رفیق۔
حبیب ابن مظاہر	حسین کا بچپن کا ساتھی اور دوست۔
رباب	حسین کی زوجہ، سکینہ کی والدہ۔
جون	علی کا غلام، حسین کا وفادار۔
علی ابن طفان محاربی	حر کا دوست اور وفادار ساتھی۔
فضہ	حسین کی کنیز، اہل بیت کی خادمہ۔
عبداللہ ابن زیاد	والیٔ کوفہ، بردرز، ظالم اور بے رحم۔
معاویہ	خلافت کا مدعی، جنگ حنین کا بانی۔
یزید بن معاویہ	معاویہ کا لڑکا، اسلام کا مدعی اور مخالف، عرب کا فرماں روا۔
عمر بن سعد	کوفہ کا گورنر، یزیدی لشکر کا سپہ سالار، ظالم، بے رحم اور حریص۔

حصین بن نمیر	یزیدی لشکر کا سردار، علی اکبر کا قاتل۔
حرملہ بن کاہل اسدی	یزیدی لشکر کا ایک تیر انداز، حسین کے صغیر سن لڑکے علی اصغر کا قاتل۔
خولی	یزیدی فوج کا سپاہی۔
ارزق	عراق کا مشہور پہلوان۔
ہندہ	یزید کی بیوی، پاس دار اہلِ بیت۔
حارث	کوفہ کا باشندہ، مسلم بن عقیل کے بچوں کا قاتل۔
شیریں	حسین کی آزاد کی ہوئی کنیز۔
شمر ذی الجوشن	یزیدی فوج کا سردار، ظالم، سفاک، منافق، حسین کا قاتل۔
جمال	یزیدی فوج کا سپاہی، حریص اور لالچی۔
کثیر ابن عبداللہ شعبی	شمر ذی الجوشن کا مشیر۔
حصین ابن تمیم	کوفہ کا ماتحت گورنر۔
حجاج ابن ابی بکر	یزیدی لشکر کا سردار۔
عمر ابن الحجاج	" " "
قیس بن اشعث	دریائے فرات کا محافظ۔
عمرو ابن حجاج زبیدی	نہر فرات کا دوسرا محافظ۔
عروہ ابن قیس رحمیؔ	سوار فوج کا سپہ سالار۔
درید	عمر ابن سعد کا غلام۔
یزید ابن حارث	نیزہ انداز، فوجی دستہ کا سالار۔
یزید ابن سفیان تمیمی	" " "
یزید ابن سوقل	" " "
رضی ابن منقذ جلیدی	" " "
کعب ابن جابر	" " "
ایوب بن مشترح	" " "
ربیعہ بن تمیم	" " "
مرۃ بن منقذ بن نعمان عبدی	" " "

عمر ابن صبیح صندائی	تیغ زن، فوجی دستوں کا سالار۔
ابو دہم ازدی	〃 〃 〃
بقیط ابن ریاس جہنمی	〃 〃 〃
عبد اللہ ابن عمروہ خشمی	〃 〃 〃
بشرط ابن قوط ہمدانی	〃 〃 〃
عثمان ابن خالد جہنمی	〃 〃 〃
عامر ابن ہنشلی تمیمی	〃 〃 〃
عبد اللہ ابن قطبہ طائی	〃 〃 〃
عمر بن سعد ابن نفیس	〃 〃 〃
عبد اللہ ابن عقبہ غنوی	〃 〃 〃
ہانی بن تبلت خضری	〃 〃 〃
حکیم ابن طفیل طائی	یزید کی پیادہ فوج کا سردار
زید ابن درہ جہنمی	〃 〃 〃
بحر ابن کعب	〃 〃 〃
ابن عبد اللہ تمیمی	〃 〃 〃
زرعہ بن شریک	〃 〃 〃
سنان ابن انس	〃 〃 〃
اسحاق بن حبوہ خضری	〃 〃 〃
افنس بن اتد	〃 〃 〃
عبد الرحمٰن بن اشعث	〃 〃 〃

عرب میں مرثیہ

دنیا کا پہلا مرثیہ کون سا ہے۔ اس کی نشان دہی مشکل ہے۔ مرثیہ کی ابتدا اور آغاز سے متعلق جتنی کچھ تحقیق کی گئی ہے اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ طالوت کے قتل پر داؤد نے مرثیہ کہا تھا۔ اس مرثیہ کو تاریخی اور وقائعی حیثیت کے علاوہ تقدم بھی حاصل ہے۔ نتیجہ میں یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے کہ عرب کی شاعری مرثیہ سے عبارت ہے

اور مرثیہ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ عرب کی شاعری۔

عربی شعرا اسلام سے پہلے مرثیہ کو دشمن اور حریف قبائل کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ ان کے مرثیوں سے لوگوں میں ایک ولولہ، جوش اور اشتعال پیدا ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں زمانۂ ماقبل اسلام میں ایسے مرثیہ کثرت سے ملتے ہیں جو محض ذاتی انتقام کی تسکین کا ایک ذریعہ ہیں۔

بعثتِ اسلام سے چند سال پہلے مرثیہ نگاری کا فن عربوں میں اجتماعی طور پر صحت مندانداز میں ترقی کر گیا تھا۔ گو ہمارے سامنے عبدالمطلب اور ابوطالب کے کہے ہوئے مرثیہ موجود نہ ہوتے تو اس نظریہ کا امکان بہت کم تھا۔ آں حضرت صلعم کے مبعوث ہونے کے بعد مرثیہ نگاری کو زوال نہیں آیا۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ یقیناً غلطی پر ہیں۔ مبعث اسلام کے بعد مرثیہ نگاری میں مختلف طریقوں سے اضافہ ہی ہوا ہے۔ ایسا اضافہ جو عہد جاہلیت میں ممکن نہیں تھا۔

اسلام نے جہاں عربوں کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں کیں، وہیں خیال و نظر کے معیار کو بھی مختلف کر دیا۔ چنانچہ آغازِ اسلام کے وقت جو مرثیہ کہے گئے ہیں وہ سوز و گداز، شدتِ غم اور شدتِ تاثر کا اظہار ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلام کے زمانے میں مرثیہ کو سوز و گداز اور شدتِ غم کے اظہار کا ذریعہ سمجھا جانے لگا، اور اس کی اثر پذیری ہمہ گیر ہونے لگی۔

حسان بن ثابت کو مداحِ رسول اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آں حضرت صلعم کی وفات پر بڑے دردناک اور موثر ترین مرثیہ کہے ہیں۔ اسی ذیل میں فاطمۃ الزہرہ کا کہا ہوا مرثیہ بھی آتا ہے۔ ان کے مرثیوں کے ساتھ ہی ہمیں علی مرتضیٰ کے وہ شعر بھی مرثیہ ہی کی شکل میں ملتے ہیں جو انہوں نے فاطمۃ الزہرہ کے انتقال کے وقت کہے تھے۔ اس دور کی مرثیہ گو شاعرات میں خنسا سلمیہ (۴۲ھ متوفی) کا نام بھی اس اعتبار سے یادگار رہے گا کہ اس نے اپنے بھائی کے قتل پر کئی ایک مرثیہ کہے ہیں۔

واقعۂ کربلا تاریخ عالم کا سب سے عظیم ترین المیہ ہے۔ انبیاء، اولیا، ارضیا، اہل ری، اہل ز، اہل بیت سب ہی نے قربانیاں پیش کی ہیں، مگر ان سب قربانیوں کا مجموعہ اور وہ بھی ایک ہی وقت اور ایک ہی موقع پر سوائے کربلا کے کہیں اور پیش نہیں کیا گیا۔ کربلا والوں کی شہادت تمام نوع انسان کے لئے مدافعت، راستی، عزم، پامردی، صبر، استقلال، ایفائے عہد، محبت، رواداری، عفو، عطا، مہر، وفا غرض کہ جملہ اعلیٰ صفات اخلاق کی ایک درخشندہ مثال ہے۔ افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے اس بصیرت افروز اور انتہائی دردناک حادثے کے متعلق جتنے بھی ابتدائی مرثیہ ملتے ہیں وہ تمام اہل بیت و ائمہ اطہار کے کہے ہوئے ہیں۔ ان مرثیوں کے علاوہ ایک آدھ مرثیہ مل بھی جاتا ہے تو اس کی وہ حیثیت نہیں جو مرثیہ کے لئے ناگزیر ہے۔

اموی حکمرانوں کے ظلم و ستم کی داستانیں تاریخ اسلام کے صفحات پر بکھری ہوئی ہیں۔ انھوں نے اہل بیت حسین اور سرہائے شہدائے کربلا کی تشہیر اس لئے کی تھی کہ اموی سطوت کا سکہ تمام عراق، شام اور حجاز میں بیٹھ جائے۔ مگر اسی تشہیر نے شہر شہر، قریہ قریہ، بازار بازار واقعہ کربلا پر رونے والوں کے گروہ پیدا کر دیئے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ فرقِ بے گناہ حسین کی اشاعت میں کربلا سے شام تک مرثیہ ہی پڑھے گئے۔ یہ مرثیہ زینب نے پڑھے ہوں یا سکینہ نے یا اس قافلہ کے نحیف و بیمار میر کارواں نے یہی وجہ ہے کہ یزید اور اس کے بعد کے حکمرانوں نے اپنی تائید حاصل کرنے کے لئے نہ صرف عوام کی زبان بند کر دی تھی بلکہ مفکروں، فلسفیوں، عالموں، ادیبوں اور شاعروں پر بھی زبردست داخلی احتساب لگا رکھا تھا۔ نتیجہ میں محبانِ حسین نہ صرف صعوبتوں میں مبتلا کئے گئے بلکہ ان کے لئے ہر قسم کے ظلم کو جائز اور روا سمجھا گیا۔ پھر بھی ان لوگوں کی تعداد میں کمی نہ ہوئی جنھوں نے تازیانوں اور کوڑوں کی پرواہ نہیں کی۔ قید خانوں اور زندانوں میں زنجیروں سے ماتم کرتے رہے۔

فرزدق کو عبدالملک نے محض اس وجہ سے قید کیا تھا کہ اس نے اس کی موجودگی میں امام زین العابدین کا قصیدہ پڑھا تھا۔ اموی حکمرانوں کا عہدِ حکومت دراصل اسلام دشمن رجحانات کا حامل رہا ہے۔ دینی انتشار اور دنیوی ترقی کی خواہش نے ان کی قوتِ فکر و نظر سلب کر لی تھی۔ اور ان کے دلوں اور ضمیروں کو مسخ کر دیا تھا ایسے ہولناک اور ہمت شکن ماحول اور زمانے میں مرثیہ لکھنے کی خواہش بڑی بہادری اور جرأت کا کام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کی شاعری واقعہ کربلا کے وقوع ہونے کے بعد ایک صدی تک بیان مصائب اہل بیت کی سعادت سے محروم رہی۔ اس ایک صدی کو مرثیہ نگاری کی تاریخ میں جمود سے تعبیر کرنا غلط ہوگا، کیوں کہ واقعہ کربلا ایسا سانحہ یا حادثہ نہیں تھا جس سے تاریخ چشم پوشی کر لیتی۔ مرثیہ نگاری زندہ رہی، مرثیہ نگار پیدا ہوتے رہے یہی نہیں بلکہ انھوں نے مرثیہ نگاری کو زندہ رکھنے کے لئے اپنی زندگی کی قربانی بھی دی۔ اس صورت حال کی موجودگی میں عرب مرثیہ نگاری کی بات کی جاتی ہے تو اس سے ان شعرا کے مرثیوں کا بھی احاطہ ہونا ہمارا مقصد ہوتا ہے جنھوں نے محض عقیدت میں امام مظلوم کے مراثی کہے ہیں۔

کمیت بن زید اسدی اور ایمن بن حزیم (۱۲۶ھ) قبیلہ عدنان سے تعلق رکھتے ہوئے اس لحاظ سے عربی مرثیہ نگاری میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں کہ امام حسین کی مظلومی پر مرثیہ کہنے کی سعادت کا شرف سب سے پہلے ان ہی کے ہاتھ آیا۔ ان کے مرثیے چھوٹے چھوٹے قطعات کی شکل میں سادہ اور پر اثر الفاظ سے اور تھوڑے سے اشعار پر مشتمل ہوتے تھے خلفائے بنی امیہ کے خوف اور مخالفت کے باوجود مراثی سیدالشہدا لکھتے رہے۔

بنی امیہ کے خاتمہ کے بعد عباسیوں کے دور میں بیشتر شعرائے نے واقعات کربلا کی طرف سنجیدگی سے توجہ دی اور امام حسین و اہل بیت کو اپنے افکار و اشعار کا موضوع بنایا۔ عباسی دورِ حکومت کے شعرا میں السید الحمیری (۱۷۳ھ)

دیک الجن (۲۳۵ھ) اس لحاظ سے قابل ذکر ہیں کہ انھوں نے واقعات کربلا کو منظوم تاریخ کا درجہ دیا اور متعلقہ موضوع کی تمام جزئیات پر علیحدہ علیحدہ مرثیہ کہے۔ ان مرثیوں سے عوام کے پاس صرف واقعات کربلا ہی نہیں آئے بلکہ عربوں کی شاعری میں فنِ مرثیہ نگاری کا ایک مخصوص اور انفرادی مزاج معین ہوا۔ ان دونوں کے زمانے کے لگ بھگ ابوالشیص اور العلوک کے مرثیہ بھی ملتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر رقت بیان کو مقدم سمجھا گیا۔ ابن العلاف (۳۱۸ھ) کے مرثیہ بھی اس اعتبار سے مقبول ہیں۔

عباسی دور حکومت کے مرثیہ گو شعرا میں دعبل خزاعی کا نام سرِفہرست رہے گا۔ اس نے کربلا پر طویل ترین مرثیہ لکھا۔ اس سے پہلے عربوں کی تمام تر شاعری میں اتنے طویل مرثیہ یا نظم کی مثال ملنی مشکل ہے یہ مرثیہ اس لحاظ سے بھی مرثیہ نگاری کی تاریخ میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے کہ اسے امام علی رضا کے حضور میں پڑھا گیا تھا جس مرثیہ کو امام علی رضا کی قبولیت کی سند ملی ہو، اس کی عظمت و وقعت وہی کچھ جان سکتے ہیں جنھیں امام علی رضا کی فضیلت و بزرگی کی بصیرت ہے۔

ایران کے مرثیہ

فارسی شاعری میں مرثیہ ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیں فارسی شاعری میں مرثیوں کے بیشتر نمونے ملتے ہیں۔ ان مرثیوں میں، میں ان مرثیوں کی بات نہیں کروں گا جو بغداد کی تباہی یا محمود غزنوی کی وفات پر کہے گئے ہیں۔ اس قسم کے مراثی کو بھی شامل بحث کر لیا جائے تو نہ صرف ہمیں مرثیہ کے خدوخال اُجاگر کرنے میں دشواری ہوگی بلکہ ہم اس بسیط موضوع کو سمیٹ بھی نہیں سکیں گے۔ ہمارے ذہن میں مرثیہ کا وہی خاکہ اور وہی تصور ہے جو واقعہ کربلا کے بعد نتائج پذیر ہوتا ہے۔

اس اعتبار سے مراثی اِلسید الشہداء کا آغاز صفوی حکمرانوں کے دورِ حکومت سے ہوتا ہے۔ صفوی حکمرانوں کے دورِ حکومت میں جتنے کچھ مرثیہ لکھے گئے ہیں ان کی مقبولیت میں کسی قسم کے شک یا شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسے تاریخی تسلسل برقرار رکھنے کے لئے عربی بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جب ایرانی حکومت شاہ طہاسپ صفوی کے زیرِ عنان آئی تو ایران میں مرثیہ گوئی کا رواج عام ہو گیا۔ صفوی حکمران مسلمانوں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جنھیں حُبِ اہلِ بیت ودیعت ہے۔ اس لئے نہ صرف مرثیہ گو شعراء کی ہمت افزائی کی گئی بلکہ انہیں اکرام و انعام سے بھی نوازا گیا۔ ایسی صورت میں جب کہ شاعروں کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی مرثیہ کا نشوونما پانا ناگزیر تھا۔

محتشم کاشی (متوفی ۹۹۶ھ) کا ہفت بند حکمراں طبقہ کے مذہبی احساس و جذبات کا ترجمان ہونے کے علاوہ واقعہ کربلا کا بھرپور اظہار بھی ہے۔ اس ہفت بند کو ایران میں جتنی کچھ مقبولیت حاصل ہوئی اس کا اندازہ اس بات

سے کیا جاسکتا تھا کہ اس دور میں ایران کے ہر شاعر نے مرثیہ پر قلم اٹھایا۔
محتشم کاشی کے اس ہفت بند کے بعد ہمیں ادبیات ایران میں مقبل ہی کا ایک مرثیہ ایسا نظر آتا ہے جس میں پہلی بار کوشش کی گئی کہ واقعات شہادت کو تاریخی انداز میں مکمل طریقہ پر پیش کیا جائے۔ اسی ضمن میں قاآنی کے مرثیہ کا بھی نام لیا جاسکتا ہے جو اپنے لب ولہجہ اور انداز بیان کے باعث ایران میں بے حد مقبول ہوا۔
ان قابل ذکر مرثیوں کے علاوہ مثنوی کے پیرایۂ بیان میں بھی بیشتر مرثیہ لکھے گئے۔ ان کو ادبیاتِ ایران میں اس اعتبار سے اہمیت حاصل ہے کہ ان کے ذریعہ فن اور مظلومیت حسین کو عام کیا گیا ہے۔ ملا حسین الواعظ کاشفی (متوفی ۹۱۰ھ) کی "روضۃ الشہداء" واقعاتِ کربلا پر پہلی طویل مثنوی ہے جسے دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ کیا گیا۔ سیف ابن ظفر کی "دہ مجالس" کو اسی تاثر اور جذبات کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ "روضۃ الشہداء" اور "دہ مجالس" ادبیاتِ ایران کی ان قابلِ ذکر تصانیف میں سے ہیں جن سے واقعاتِ کربلا کو مثنوی کی تکنیک میں پیش کرنے کی ابتدا ہوتی ہے۔
ادبیاتِ ایران کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صفوی حکمرانوں کے عہد سے آج تک فنِ مرثیہ نگاری میں تعطل پیدا ہوا اور نہ جمود۔ چوں کہ ایران میں بیادِ سید الشہداء گھر گھر "مجالس امام حسین" منعقد کرنے کا عام رواج ہے۔ اس لئے وہاں مختلف ضرورتوں کے زیر اثر مرثیوں کے ساتھ ساتھ سوز، نوحہ، ماتم اور اسی قبیل کی دوسری چیزیں بھی لکھی جاتی رہی ہیں، اور لکھی جارہی ہیں۔

دکنی مرثیہ

دکن کے شعرا نے جتنا مرثیہ گوئی پر زور دیا ہے اتنا نظم کی کسی دوسری صنف کو اپنے خیالات کا مرکز نہیں بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اردو کے ابتدائی دور میں دکن کے ایسے اکثر شعرا نظر آتے ہیں جن کا سارا سرمایہ کلام نوحہ، بین، ماتم، سلام اور مرثیہ تک محدود ہے۔ اس میں اشارہ، کنایہ، تلمیح، تشبیہہ اور اسی نوع کی دوسری چیزوں کی دریافت ایک غلط کوشش ہوگی۔ کیوں کہ دکن میں اس فن کو محض اس وجہ سے قبول عام تھا کہ ایام عزا میں گھر گھر مجالس انعقاد پذیر ہوتی تھیں اور ان میں مرثیہ، سلام اور نوحے پڑھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس دور کی اس صنف میں وہ جذبہ پوری شدت اور کیفیت کے ساتھ ملتا ہے جو رونے اور رلانے کے لئے ناگزیر ہے۔
دکنی مرثیہ مضمون آفرینی، بلند پروازی اور الفاظ آرائی کی کمی کے باوجود وقت فہم ضرور محسوس ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ زبان کی قدامت، متروک الفاظ کی بہتات اور مقامی لب ولہجہ نے اجنبیت کا احساس پیدا کر دیا ہے۔ دکنی ادب پر کام کرنے والوں نے جہاں دکنی مخطوطات دریافت کیں اور ان کو عوام تک پہنچایا، کاش وہ ساتھ ہی دکنی الفاظ کی لغات بھی پیش کرتے!

KA... ...ERSITY

دکن کا سب سے پہلا قابلِ قدر مرثیہ گو خود وہاں کا فرماں روا محمد قلی قطب شاہ ہے۔ اس نے جہاں بہت سی عشقیہ اور دعائیہ غزلیں لکھی ہیں وہاں وہ مرثیہ گوئی کے فن کی بھی آبیاری کرتا رہا۔ اس کی مرثیہ گوئی نے اس دور کے تمام شاعروں کو متاثر کیا یہی وجہ ہے کہ ہم کو اس دور کے بڑے شاعر۔ مثلاً وجہی، غواصی وغیرہ نوحہ، سلام اور مرثیہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ دکن میں گول کنڈہ کی حکومت شاعروں، عالموں اور دوسرے ارباب فن کی سرپرستی کے باعث اپنی معاصر حکومت عادل شاہی کی حریف سمجھی جاتی تھی (یہ غالباً اسی کا ردعمل تھا کہ عادل شاہی حکومت کے افق پر بھی بے شمار خورشید چمکنے لگے۔ یہ دونوں حکومتیں اپنے عقائد میں مذہب امامیہ کی پیرو تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عادل شاہی حکومت میں بھی بیشتر شعراء نے صرف مرثیہ گوئی کو اپنا ذریعۂ معاش و نجات سمجھا۔ ان میں رستمی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے

گول کنڈہ اور بیجاپور کی تباہی کے بعد یہ نہیں ہوا کہ دکن میں شعر و شاعری کا بازار سرد پڑ گیا۔ افضل وغیرہ دکن کے ان شاعروں میں سے ہیں جو تسخیر گول کنڈہ کے وقت گول کنڈہ ہی میں تھے اور ان کی شاعری کا شہرا پھیلا ہوا تھا۔

ولی ایلوری نے روضۃ الشہداء کا دکنی اردو میں منظوم ترجمہ پیش کیا۔ اور اسی کے تتبع میں علا نامی ایک دکنی شاعر نے دوازدہ مجالس لکھی۔

(محمد باقر آگاہ نامی ایک شاعر نے بیجاپور کی تباہی کے بعد (۱۱۵۸ تا ۱۲۲۰ھ) ایلور میں سکونت اختیار کی۔ اس کے سامنے روضۃ الشہداء اور دوازدہ مجالس تھیں؛ ان کو سامنے رکھ کر اس کے روضۃ الجنان تصنیف کی حکیم نامی ایک دکنی شاعر نے بھی روضۂ ہندی کے نام سے روضۃ الشہداء کا ترجمہ کیا۔ میر نوازش علی خاں شیدا نے روضۃ الاطہار کے نام سے ۱۱۷۳ھ میں واقعاتِ کربلا نظم کیے۔)

عبداللہ کیمنے کی دو مجالس اور ایک گمنام شاعر کی مثنوی معائب اہل بیت بھی قابل توجہ ہے۔ ابو اللیث صدیقی نے دعویٰ کیا ہے کہ دکنی مراثی میں ادبی شان و لطافت بہت کم ہے۔ یہ دعویٰ نہ صرف غلط بلکہ بڑی حد تک بے بنیاد بھی ہے۔

(افضل کو مرثیہ گو شعراء میں اس لئے بھی زیادہ اہمیت دی جائے گی کہ اس کے تمام تر مرثیے مغل افواج نے زبانی یاد کر لئے تھے اور اس طرح ان مرثیوں کو پہلی مرتبہ شمالی ہند میں قبول عام حاصل ہوا تھا اور شمالی ہند میں مرثیہ گوئی کی فضا ہموار ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ شعرائے دکن کی طرح کبھی بھی مرثیہ ان کی فکر کا محور نہیں رہا۔ اس دور میں شمالی ہند کے جن لوگوں نے سلام یا مرثیہ لکھا ان میں خلوص اور شدت تاثر کی کمی اس وجہ سے بھی نظر آتی ہے کہ وہ مرثیہ اور سلام کی شمولیت سے اپنے دواوین مزین کرنا چاہتے تھے اور بس۔

ولی اگرچہ بہت دنوں دلی میں رہے لیکن دلی والوں کو ان کے مراثی نے متاثر کیا نہ مثنویوں نے۔ اس وقت دلی میں حاتم آبرو وغیرہ سب ہی موجود تھے لیکن کسی نے اس صنف کو منہ لگانا پسند نہ کیا۔ اس دور میں ایک خلیفہ علی محمد سکندر نے

ایک شہادت نامہ مسدس کی شکل میں لکھا۔ سکندر کا نہ تو دلی سے تعلق تھا نہ دکن سے۔ وہ ایک درویش منش آدمی تھا۔ پنجاب سے وطنی نسبت تھی، اس لئے اسے سکندر پنجابی کہا جاتا تھا۔

یہ محض سکندر کے شہادت نامہ کی مقبولیت تھی کہ میر و سودا نے بھی مرثیہ نگاری کی طرف سنجیدگی سے توجہ کی۔ ان کے مرثیوں پر دکن کی سہل انگاری، سادگی، پرکاری، شدت تاثر کا گہرا رنگ چھایا ہوا تھا۔ لب ولہجہ کے فرق کے قطع نظر ہمیں ان کے مرثیوں میں وہی فضا ملتی ہے جسے دکنی شعرا نے پیدا کیا تھا۔

دکنی مرثیہ نگار، انداز بیان اور تسلسل خیال کے مربوط ہونے کے باوجود موضوع اور منظر کشی کو اپنے مرثیوں میں جگہ دینے سے گریز کرتے تھے۔ وہ واقعاتِ کربلا میں سے جو چاہتے سیدھے سادے انداز میں نظم کر دیتے تھے۔

دلّی کے مرثیہ گو

شمالی ہند میں مرثیہ گوئی کا آغاز کب ہوا؟ یہ کہنا بہت مشکل ہے۔ عام خیال کے مطابق ہمایوں کی ایران سے واپسی کے بعد شمالی ہند میں مرثیہ گوئی کی ابتدا ہوئی۔ ہندوستان اور ایران کے تہذیبی تعلقات نے مجالسِ عزا کی داغ بیل ڈالی۔ اس سے پہلے شمالی ہند میں مجالس عزا کی روایتیں ملتی ہیں نہ مرثیوں کے نمونے۔ اس کے باوجود مرثیہ گوئی کی ابتدا اور آغاز کے تعلق سے ہر تذکرہ نویس نے لکھا ہے۔ میر حسن اور قاسم کے تذکرہ بتاتے ہیں کہ دکن کے ایک شاعر قلی خاں شاہی کے مرثیہ دلی میں نہ صرف مقبول ہوئے بلکہ ان کے زیر اثر وہاں کے شعرا نے بھی سوچنا شروع کیا۔ اس طرح عہد عالمگیر کو مرثیہ گوئی کا آغاز سمجھنا چاہئے۔ اگرچہ عہد محمد شاہ تک تسلسل کے ساتھ مرثیہ نہیں ملتے ہیں۔ پھر بھی "چوبولوں" کی موجودگی ان کے وجود کو ثابت کرتی ہے۔ عہد محمد شاہ کے مرثیہ گو شعرا میں مسکین، حزیں اور غمگین کا نام سرِ فہرست ہے۔ اسی ضمن میں سکندر، سودا اور میر کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ ان تمام شعرا کے مراثی اس دعوے کی تصدیق ہیں کہ عہد محمد شاہ میں مرثیہ بڑی حد تک ترقی کر چکا تھا۔

یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اردو مرثیہ کی ترقی کا زمانہ سودا سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ اسے فنی حیثیت دینے میں سودا کی کوششیں نہ صرف ترجیحی ہیں بلکہ انھوں نے ہیئت اور اسلوب کے اعتبار سے بھی کئی تجربے کئے ہیں۔

ان کی زیر حوالہ کلیات میں اکیانوے مرثیہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے ایک رسالہ "سبیلِ ہدایت" دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرثیہ گوئی کو ایک مشکل اور اعتباری فن سمجھتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہمیں ان کے مرثیوں میں فنی ترقی نظر نہیں آتی۔ ان سے پہلے غزل، مثنوی اور چومصرعوں کے اسلوب میں مرثیہ کہے جاتے تھے۔ انھوں نے پہلی مرتبہ "مفردہ"، مستزاد، مربع، مخمس، ترکیب بند، ترجیع بند اور مسدس کو مرثیہ کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔

سودا کے مرثیوں کی خصوصیات پر بحث یا محاکمہ میرا اصل مقصود نہیں ہے۔ تاہم یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان

کے تمام تر مراثی بین اور نوحہ پر ختم ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک مرثیہ کی غایت و غرض خود رونا اور سامعین کو رُلانا رہی ہے یہ غایت و غرض اپنے تمام ارادت اور خلوص کے باوجود ان کا اپنا فکری مسلک نہیں بن سکی۔ ان کے مرثیوں میں خلوص اور ارادت کے جذبات ضرور نمایاں ہو گئے لیکن وہ بات پیدا نہیں ہو سکی جو مرثیہ کے لئے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے مرثیوں پر عوام اور خواص دونوں ہی نے اعتراض کیا۔ اس کے باوجود ان کی فکر انگیزی سے انکار ممکن نہیں۔

سودا نے واقعاتِ کربلا کو مسلسل اور ترتیب وار بیان کیا ہے اور ان کے مختلف جزئیات کو مربوط بھی کرنے کی کوشش کی ہے۔ سودا بنیادی طور پر قصیدہ کے شاعر ہیں۔ اس لئے ان کے مرثیہ پڑھتے وقت ہمیں قصیدہ ہی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے مرثیوں کی تمہید میں وہ جذبہ اور وہی کیفیت کارفرما ہے جسے ان کی قصیدہ گوئی نے پیدا کر دیا تھا۔

بعض بعض مقامات پر سودا نے کردار نگاری کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں منظر نگاری پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ایسی تھیں جن کو قصیدہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے ان کے مراثی میں صحیح قسم کی رزمیہ اسالیب اجاگر نہیں ہو سکے۔ سودا کے مرثیوں کا یہ عیب یاد رکھا جائے گا کہ انھوں نے عربوں کے کردار اور سیرت کو ہندوستانی تہذیب اور معاشرت کے پس منظر میں سمجھنا چاہا ہے۔ اس لئے ان کو اپنے مرثیوں میں ان روایات و رسوم کا بھی ذکر کرنا پڑا جو عرب میں سرے ہی سے نابید ہیں۔

سودا نے سلام بھی کثرت سے لکھے ہیں۔ یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ سلام کو سب سے پہلے لکھنؤ کے شعراء نے لکھا تھا۔ چوں کہ سودا قصیدہ نگاری میں اپنا حریف نہیں رکھتے ہیں اور قصیدہ نگاری کے لئے تشبیہات استعارات اور انہیں مناسب محل پر استعمال کرنے کی مہارت درکار ہوتی ہے۔ غالباً اسی باعث ان کے مرثیوں میں نادر ترکیب، و تشبیہیں ملتی ہیں۔

میر کے مرثیہ اپنے انفرادی رنگ کے باوجود لکھنؤ کے مرثیہ گویوں کے عام انداز سے الگ نہیں ہے، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ انہوں نے جتنے کچھ سلام اور مراثی لکھے ہیں وہ محض آصف الدولہ کے دربار سے متوسل ہونے کا نتیجہ ہیں۔ آصف الدولہ میں خامیاں بھی تھیں اور برائیاں بھی۔ انھوں نے خود کو لہو و لعب میں مشغول رکھنے کے باوجود تبلیغ کی نہ صرف پرخلوص کوشش کی بلکہ عالموں وغیرہ کو مختلف انعام و اکرام سے نوازا۔ نتیجہ میں ان کے مذہبی معتقدات راست طریقہ سے شاعری پر بھی اثر انداز ہوئے۔ میر کی تصوف زدہ شاعری لکھنؤ کے میلانات کو متاثر کرنے کی بجائے اس کے اپنے رجحانات کی تابع نظر آتی ہے۔

میر کی عام خصوصیت سادگی بیان ہے۔ وہ ہمیں ان کے مرثیوں میں بھی ملتا ہے لیکن محض "سہل ممتنع" اور سادگی بیان سے مرثیہ کے رزمیہ موضوع کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اس کے لئے بلند آہنگی کے ساتھ ساتھ ذخیرۂ الفاظ پر اسندار کی بھی درکار ہوتا ہے۔ "استغنا" اور "توکل" سے "موضوعات کی نمائندگی خود فریبی ہے۔ اسی خود فریبی نے میر سے مرثیہ کہلوائے لیکن

ان میں وہ وسعت اور گہرائی پیدا نہیں ہوسکی جو فنِ مرثیہ نگاری کے لئے لازم ہے۔

میر کے مرثیوں کی سب سے بڑی خامی مضمون آفرینی کا فقدان ہے۔ واقعات کربلا پر وہ خود روئے ہیں، لیکن دوسروں کو رلانے والا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کے مرثیوں کو قبولِ عام حاصل نہیں ہوسکا۔

سودا اور میر کے تقابلی مطالعہ کو ہر تذکرہ نویس نے اپنے لئے ناگزیر خیال کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان دونوں کا زمانہ قریب قریب ایک ہی تھا اس کے باوجود دونوں میں کوئی قدرِ مشترک ایسی نہیں ہے کہ ہم تقابلی مطالعہ کی ضرورت محسوس کریں۔ تقابلی مطالعہ کے لئے محض زمانے کی یکسانیت اور مطابقت کا جواز کافی نہیں۔

سودا بنیادی طور پر قصیدہ کے شاعر ہیں۔ میر کے قصیدے سے بہت کم سروکار رہا ہے۔ ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ سودا فنی علائم و رموز سے واقف نہیں تھے۔ البتہ میر کے متعلق یہ بات کسی حد تک یقین سے دہرائی جاسکتی ہے۔

لکھنؤ میں مرثیہ کی ترقی

لکھنؤ میں مرثیہ کی ترقی جن شعرا کی بدولت ہوئی ان میں مرزا دلگیر کا نام اس اعتبار سے بھی زیادہ اہم ہے کہ وہ پہلے ہندو مرثیہ گو ہیں، ان کے سلام اور مراثی .... کی صحیح تعداد کسی کو بھی معلوم نہیں۔ شاد عظیم آبادی کے بیان کے مطابق ان کی کلیات مراثی ایک سو دس مرثیوں اور سات سو سلاموں پر مشتمل ہے۔ میری رائے میں انھوں نے اس سے بہت زیادہ کہا ہے، کیوں کہ ان کے مراثی کی سات جلدیں ۱۸۹۷ء میں مطبع نول کشور سے شائع ہوئی تھیں۔

مرزا دلگیر کی زبان اور طرز ادا کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ خاندانی ہندو ہونے کے باوجود بین، شہادت اور رخصت کے بیان میں اس کثرت سے مسلمانوں کے مراسم کا ذکر کرتے ہیں کہ ان کے ہندو ہونے پر شبہ ہونے لگتا ہے۔

مرزا دلگیر کے مرثیوں کا اعتبار ان کی اپنی انفرادیت میں مضمر ہے۔ اس دور میں جب کہ لکھنؤ مرثیہ گو باکمالوں کا مرجع بن گیا تھا، اپنی ادبی حیثیت کو منوا لینا کوئی آسان کام نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ مرزا دلگیر نے عام روش سے ہٹ کر اپنے مراثی میں ایسے مضامین اور گوشے پیدا کئے ہیں کہ ان کے استاد ہونے میں کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ دلگیر کو روایتیں نظم کرنے اور ان میں سبکی مضامین پیدا کرنے میں نہ صرف ملکہ حاصل تھا بلکہ اپنے پیرایۂ بیان سے انھوں نے مرثیوں میں اتنی رقت اور شدت تاثر پیدا کردی تھی کہ اس کی مثال ان کے معاصرین میں مشکل ہی سے ملے گی۔ چند نمونے یہ ہیں ـــــ

بانو سے اجازت کو جب آیا علی اکبر ؛ روتا ہوا رخصت طلب آیا علی اکبر
یہ کہتا ہوا ماں سے تب آیا علی اکبر ؛ ہے آپ سے رخصت کو اب آیا علی اکبر
جو حال ہے روشن ہے وہ سب آپ کے اوپر
صدقے کرو تم مجھ کو مرے باپ کے اوپر

لکھے ہے راوی کہ جب کوفیوں کے کینے سے ؛ امام کعبہ کی جانب چلے مدینے سے
پدر کے ہجر میں صغرا بھی تنگ جینے سے ؛ نہ کام سونے سے تھا اور نہ کھانے پینے سے
کبھی تھی پردۂ در سے لگی کھڑی رہتی
کبھی تھی غش میں وہ دو دوپہر پڑی رہتی

کبھی وہ کہتی تھی یہ کیا سبب ہوا لوگو ؛ پدر کے پاس سے کوئی نہیں پھرا لوگو
نہ آیا لینے کو ہم شکل دونوں لوگو ؛ تمام کنبہ کا دل مجھ سے پھر گیا لوگو
کسی نے بھیج کے نامہ نہ مجھ کو یاد کیا
پیام سے بھی کسی نے نہ مجھ کو شاد کیا

ان بندوں کی صفائی اور سلاست بیان کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ حال کے شعرا کبھی اس سے زیادہ سلیس اور آسان الفاظ میں یہ کیفیت پیش نہیں کر سکتے۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ ان کا کلام آج کے دور میں تازہ دل کش ترکیبوں سے بھری ہوئی شاعری میں بہت ہلکا اور کم مایہ معلوم دیتا ہے، اس کے باوجود انھوں نے مرثیہ کی ابتدائی حالت میں جو کچھ کہا، لکھا اور پڑھا وہ مرثیہ کی ترقی کی راہ میں پہلا قدم ہے۔

مرثیوں کے علاوہ دلگیر کو اپنے معاصرین کے برخلاف یوں بھی زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ انھوں نے سلام بہت کہے ہیں۔ سلام میں غزل کے انداز کے سے شعر کہنے کی روایت کا ان ہی سے آغاز ہوتا ہے۔ اس سے پہلے جو سلام کہے جاتے تھے ان میں غزل کے اشعار کو شامل کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن مرزا دلگیر کے سلاموں کے بعد تمام ہی اساتذہ نے ان کی پیروی کی۔ ان کے بعض سلاموں کے اشعار یہ ہیں ــــــ

چادریں چھنیں جب ان چاک گریبانوں کی ؛ ہوئی شاہ کی بہنوں کو پڑی جانوں کی
بی بیاں راہ میں کہتی تھیں کہ پانی مانگیں، ؛ کوئی بستی جو نظر آئے مسلمانوں کی
ماں سے کہلواتی تھی بابا کی کہانی ہر شب ؛ گرچہ خوگر دہ سکینہ نہ تھی افسانوں کی

جن ستم رانوں نے شہ پر کیا ظلم اے دلگیر
کیسی خلقت تھی میں حیراں ہوں ان انسانوں کی

ہے سلام اس پہ تلف کی جس کی جوانی ہوگئی
جس کی شادی اہل دین کو کہانی ہوگئی
مرگیا یہاں جو شمع دودمان مصطفےٰ
شمع اس غیرت سے گھل کر پانی پانی ہوگئی

عیب کے دیکھنے والے تو بہت ہیں دلگیر
پر یہاں قدر شناسانِ سخن تھوڑے سے ہیں

دبیر نے ان کے بیشتر سلاموں کی نظمیں کی ہیں۔ اس سے ان کے سلاموں کی مقبولیت کے بارے میں فیصلہ کن رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

دلگیر کا زمانہ میر خلیق، مرزا فصیح اور مرزا ضمیر کا زمانہ ہے۔ دلگیر کی آزادہ روطبیعت اور افتادِ ذہن نے انہیں ہر چیز سے بے نیاز رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں لکھنؤ کی شاعری میں مرزا دلگیر کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے۔ اس کے برخلاف ان کے معاصر میر خلیق کو جتنی کچھ تہذیب حاصل ہوئی وہ ان کے کلام کو دیکھتے ہوئے بڑی حد تک مبالغہ آمیز معلوم دیتی ہے۔ میر خلیق کے مراثی کو سند کے طور پر پیش کیا جائے تو بے شمار غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ میر خلیق کے مراثی کا ایسا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا جسے مستند اور یقینی سمجھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ شبلی موازنۂ انیس و دبیر میں ان کے مراثی کے نمونے پیش کرنے سے قاصر رہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ میر خلیق کے بیشتر مرثیے میر انیس کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض مرثیوں پر یہ حکم لگایا جاسکتا ہے کہ یہ انیس ہی کی نتائجِ فکر ہیں۔ اور محض انھوں نے انھیں اپنے والد کے نام سے منسوب کر دیا ہے۔ شبلی نے صحیح لکھا ہے کہ اگر واقعی میر خلیق کا کلام ہے تو پھر انیس کو خلیق پر ترجیح کی کوئی وجہ نہیں۔ چند نمونے یہ ہیں ——

مرتا ہے باپ اے علی اکبر ابھی نہ جا
دل مانتا نہیں مرے دلبر ابھی نہ جا
اے لال سوئے نیزہ و خنجر ابھی نہ جا
ہے ہے نہ جا شبیہہ پیمبر ابھی نہ جا
مضطر ہوں چین آئے پہ آتا نہیں مجھے
رونے میں منہ ترا نظر آتا نہیں مجھے

ماتھے کو چومتے تھے کبھی اور دہن کبھی!
تکتے تھے سوئے زلف شکن در شکن کبھی!
روتے تھے لے کے بوسۂ سیب ذقن کبھی
یوسف کا اپنے سونگھتے تھے پیرہن کبھی

ہلتے تھے خشک ہونٹ لبِ گل عذار سے
سینے پہ رکھتے تھے کبھی منہ اپنا پیار سے

شعلے صفت چمکنے لگے برچھیوں کے پھل
پیاسے مثل ابر اُمنڈ آئے دل کے دل
تیغیں اپی ہوئی جو کھنچیں ہٹ گئے اجل
چلوں میں تیر رکھ کے بڑھے روم و رے کے بل
دن کو سیاہی شب ظلمات ہو گئی
کھولے نشان شاہوں نے رات ہو گئی

ایسی صورت حالات میں یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں ہوگا کہ خلیق کی مرثیہ گوئی کو ان کے اپنے زمانے میں قبول عام نہیں ملا۔ ان لوگوں نے بھی ان کے مرثیوں سے دلچسپی نہیں لی مرثیہ جمع کرنا جن کا کام رہا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انیس کی شہرت اور مقبولیت نے اپنے باپ کی شہرت اور مقبولیت پر پردہ ڈال دیا ہے۔

خلیق کے معاصر شعرا کے مراثی ان کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں، ان کی ضخامت ایسی نہیں کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ان باتوں کی موجودگی میں خلیق کے مرثیوں کی عدم مقبولیت کا جواز موجود ہے۔ ان تمام قیاسی باتوں کے باوجود یہ کہنا پڑے گا کہ لکھنؤ میں مرثیہ کی فنی حیثیت دلگیر کے بعد ان ہی سے متعین ہوئی۔ خلیق کو مرثیہ گوئی کی راہ پر لگانے میں ان کے والد میر حسن دہلوی سے کہیں زیادہ ان کے استاد میاں مصحفی کے مشوروں کو دخل تھا۔ مصحفی کے تلامذہ میں مظفر حسین ضمیر کا نام بھی نمایاں خصوصیات کا حامل ہے ضمیر کا آبائی وطن ہنگھوڑا ضلع گوڑگانواں تھا ان کے والد میر قادر حسین نواب آصف الدولہ کے خواجہ سرا میاں الماس کی سرکار میں ملازم تھے۔ جب آصف الدولہ نے لکھنؤ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تو یہ بھی اپنے متعلقین کے ساتھ لکھنؤ چلے آئے۔ اگرچہ ان کو شاعری کا ملکہ موروثی طور پر نہیں ملا تھا، اس کے باوجود ان کی ذاتی صلاحیتوں نے ان کی شخصیت کو اتنی زیادہ جِلا دی کہ ہم ان کے ذکر کے بغیر اردو مرثیہ کی تاریخ کی تکمیل ہی نہیں کر سکتے۔

ضمیر کے مراثی کئی جلدوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر یہ رائے قائم کرنا زیادہ دشوار نہیں ہے کہ انھوں نے اپنے معاصرین سے ہٹ کر اپنی تمام تر کوششیں مرثیہ کی فنی ترقی میں صرف کیں اور مرثیہ میں ستّر سے سو بند تک کو رواج دیا۔ یہ ان کا اپنا کمال ہے کہ اتنی طوالت کے باوجود ان کے مرثیوں میں ایسی کوئی چیز شامل نہیں جسے ہم محض مشاقی یا پر گوئی کا نتیجہ سمجھیں۔

ضمیر سے پہلے مرثیوں میں بالعموم واقعات شہادت بیان کیے جاتے تھے۔ ضمیر پہلے شاعر ہیں جنھوں نے

مختلف موضوعات کو علیحدہ علیحدہ عنوان دیا مثلاً سراپا، گھوڑے کی تعریف، تلوار کی تعریف وغیرہ۔
جذبات نگاری، منظر نگاری اور واقعہ نگاری ضمیر کے مرثیوں کی خصوصیات ہیں۔ ان کی شاعری پر لائے دینے وقت ان کے سراتی کا جائزہ ناگزیر ہوجاتا ہے۔ ان کے مرثیوں سے ان اختراعات کی ابتدا ہوتی ہے ـــــــــ

تلوار ـــ

اگر سواروں کی ترچھی کمر تلک پہنچی — ادھر پیادے جو تھے ان کے سر تلک پہنچی
ادھر سے پھر کے ادھر سے ادھر تلک پہنچی — ہوئی بلند تو مد نظر تلک پہنچی
عجیب تشیب و فراز اپنا وہ دکھاتی تھی
زمیں میں قبضہ تلک وہ ڈوب ڈوب جاتی تھی

گھوڑا ـــ

گھوڑا تھا چھلاوہ کبھی یاں اور کبھی واں تھا — آتا تھا نظر اور کبھی نظروں سے نہاں تھا
جوں قیام ایک جگہ اس کو کہاں تھا — گہ میمنہ گہ میسرہ کی سمت رواں تھا
بے حکم تو قاسم کے نہ ٹھہرا وہ کہیں پر
رفتار میں رہ رہ گیا سایہ بھی زمیں پر

چہرہ ـــ

نکلا جو سر مہر گریبانِ سحر سے — انجم کے گہر گر گئے دامانِ سحر سے
مہتاب کا رنگ اڑ گیا عنوانِ سحر سے — روشن ہوا صحرا رخ تابانِ سحر سے
جو وادیٔ ایمن میں ہوا طور کا عالم،
وہ خیمۂ شبیر میں تھا سوز کا عالم

سراپا ـــ

کنگنے پہ وہاں بیاہ کا موتی جو ٹکا تھا — ہرگز نہ ستارہ کہوں، تھا عقد ثریا!
تھا دست حنا بستہ میں جو زردحنا کا — روشن تھا ہتھیلی میں مثال ید بیضا،
طولانی جو اس موتی کے سہرے کی لڑی تھی
موتی کی لڑی آن کے واں پاؤں پڑی تھی

ضمیر کے مرثیہ لکھنؤ کی شاعری میں اخلاقیات کو مستقل حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ خود ان کے اپنے الفاظ میں یہ سب کچھ مصحفی کی صحبت کا فیض تھا۔ مرثیہ کی تاریخ میں ضمیر کے مرثیہ ایک نئے دور کا افتتاحیہ ہیں ضمیر مرثیہ گوئی.

ہیں پہلے صاحبِ فن اور صاحبِ طرز شاعر ہیں، ان کے کلام میں وہ تمام خوبیاں اور محاسن ملتے ہیں جنھیں بعد میں دبیر اور انیس نے اپنایا۔

دلگیر، خلیق اور ضمیر ہی کے ساتھ فصیح کا بھی نام لیا جائے گا۔ یہ ناسخ کے شاگرد تھے لیکن دلگیر کی مقبولیت نے انہیں مجبور کیا کہ وہ دلگیر ہی سے مشورہ کریں۔ ان کی شاعرانہ حیثیت دلگیر اور ضمیر سے کسی طرح کم نہیں۔ چوں کہ ان کا کلام بڑی تھوڑی تعداد میں ہے اس لئے ان کے موضوعات پر بات کرنا مشکل ہوتا ہے۔ رجب علی سُرور نے فسانۂ عجائب میں خلیق، دلگیر اور ضمیر کے علاوہ فصیح کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کا کلام ہم تک نہ پہنچنے کی کئی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ زیارتِ مقاماتِ مقدسہ کے لئے گئے اور کربلا معلّٰی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان کا جتنا کچھ کلام ملتا ہے وہ ضمیر اور دلگیر کے مقابلہ میں نہیں رکھا جا سکتا۔ پھر بھی اس سے ان کے فنی کمالات کا اندازہ ضرور ہو سکتا ہے۔ ان کے یہاں مرثیہ کی وہ تمام فنی خصوصیات موجود ہیں جو دوسرے شعراء کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ چند نمونہ دیکھئے ـــ

لاشِ اصغر رَن سے لاتے ہیں حسین   زخم بازو کا چھپاتے ہیں حسین،
پاؤں آہستہ اٹھاتے ہیں حسین   دل سے اپنے کہتے جاتے ہیں حسین،
لاشِ اصغر خیمہ میں جب جائے گی
شہر بانو دیکھ کر مر جائے گی

موت سے ظالم و مظلوم نہ پائیں گے اماں   ملک الموت کے قبضہ میں ہیں سب پیر و جواں
عمرِ انساں کی ہے صرصر کی طرح تند و رواں   ایک دن سب کو اسی خاک میں ہونا ہے نہاں
غمِ دنیا ہے عبث زیست کے پابندوں کو
چاہیئے خالقِ اکبر کی رضا بندوں کو

دبیر اور انیس کا زمانہ

مرثیہ کی ترقی میر انیس و دبیر سے کم از کم سو سال پہلے شروع ہو چکی تھی۔ سودا، سکندر، مسکین اور میر تقی نے نہ صرف مراثی کے خد و خال اُجاگر کئے تھے بلکہ اسے فنی ترقیوں کی راہ پر بھی ڈال دیا تھا۔ خلیق، ضمیر، دلگیر اور فصیح نے مرثیوں کے جو سانچے تیار کئے تھے، جو اختراعات کی تھیں، ان کے بعد کے شعراء میں وہ تمام پوری جامعیت کے ساتھ ملتی ہیں۔ انیس و دبیر کے دور کی خصوصیات میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ مرثیہ گوئی کے ساتھ مرثیہ خوانی کے

فن میں بھی ترقی ہو رہی تھی۔ میر انیس اور دبیر کا تمام تر کلام ان کے متقدمین کے کلام سے ایک سلیقہ مند استفادہ ہے۔ جن لوگوں نے ان اساتذہ کے مراثی پڑھے ہیں وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ انیس اور دبیر نے اس کو مکمل کیا۔ آپ اسے اضافہ سمجھیں یا ترقی!

انیس اور دبیر نے مرثیہ گوئی میں جتنی کچھ شہرت حاصل کی، اس کی مثال متقدمین اور متاخرین میں ملنا مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ اب تک عرف عام میں انہیں مرثیہ گوئی کا امام سمجھا جاتا ہے، یہ غلط ہے، کیوں کہ مرثیہ نگاری انیس اور دبیر سے بہت پہلے ارتقائی منزلیں طے کر چکی تھی۔ فنی حیثیت کا تعین ہو چکا تھا، مرثیوں کے اسلوب ایجاد کر لیے گئے تھے ایسی صورت میں مراثی کی تمام خصوصیات انیس اور دبیر کے نام سے منسوب کر دینا دیگر ضمیر خلیق اور فصیح کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ فنی نقطۂ نظر سے ان شعراء کے کمال کو قطعی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا شبلی نے موازنۂ انیس و دبیر لکھ کر انیس کے حقیقی مرتبہ کو ضرور واضح کیا ہے لیکن ان کی بعض تنقیحات سے مجھے انکار ہے شبلی کی بالغ نظری اور انشاء پردازی کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ بات باقی رہتی ہے کہ کیا واقعی میر انیس ہی اس اعزاز کے مستحق ہیں جو انہیں شبلی نے دیا ہے

شبلی نے مراثیٔ انیس کے محاسن کو دو سو تیرہ صفحات پر متعدد مثالوں کے ذریعہ پھیلایا ہے۔ میر انیس کے کلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں انھوں نے ان کا جواب دینے کی بھی کوشش کی۔

ان باتوں کے قطع نظر میر انیس نے مرثیہ کی صورت یا اسلوب میں کوئی تجربہ یا اضافہ نہیں کیا۔ انھوں نے مرثیہ کی وہی صورت اور وہی اسلوب اپنایا جسے متقدمین میں سودا، سکندر، ضمیر وغیرہ استعمال کر چکے تھے۔ انیس سے پہلے بھی مرثیہ گوئی کا مقصد اثر آفرینی رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انیس بھی اپنے والد اور ان کے معاصرین کی بنائی ہوئی راہوں پر گامزن رہے۔

انیس نے بھی اپنے متقدمین کی طرح متعدد غلطیاں کیں۔ ان کی سب سے نمایاں اور اہم غلطی کردار نگاری ہے ان کے تمام تر افراد مرثیہ عربی نژاد ہیں۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ان کے رہن سہن اور طرزِ معاشرت میں مقامی تہذیبی رنگ بھرا ہے۔ یہ کردار نگاری کا کمال نہیں بلکہ بہت بڑی بدعت ہے۔ اسے میں اہل بیت کے مرتبہ اور وقار کے منافی سمجھتا ہوں۔

یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ انھوں نے موقع اور محل کا لحاظ ضرور رکھا ہے لیکن بعض رسمی مضامین محض قلت سے وہ عام معاصرین کی طرح باندھ گئے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا زیادہ مشکل نہیں رہتا ہے کہ وہ کسی صاحبِ دولت کے یہاں، بیٹھے ہوئے نہایت اطمینان سے ان رسومات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

انیس کی شاعری کی نشو و نما ناسخ کے بعد ہی سے شروع ہوتی ہے۔ ایسے حالات میں ان کا لکھنوی شاعری کے

اثرات سے محفوظ رہنا ان کے کمال کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے طبقہ میں پرانی شاعری کی اگر کوئی چیز مقبول و زندہ ہے تو وہ انیس کی مرثیہ نگاری ہے۔

انیس سے پہلے ان کے متقدمین زمانہ کو متاثر نہیں کر سکے۔........ لکھنؤ کے خواص و عوام پر انیس کی شاعری کا یکساں اثر ہوا۔ اس اثر کی ہمہ گیری میں سادگی، اصلیت، جوش ان کے کلام میں بکثرت موجود ہے۔

انیس کا کلیات مراثی پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ سب سے اچھا اور مستند نسخہ راس مسعود کی تحریک پر نظامی پریس بدایوں نے شائع کیا تھا۔ اس نسخہ کے علاوہ ایک اور نسخہ نظم طباطبائی نے بھی مرتب کیا تھا۔ اس میں انیس کے وہ تمام مراثی یک جا کئے گئے تھے جو ان کے کسی مجموعہ میں شامل نہیں ہیں۔

انیس کا کلام زباں زد خواص و عوام ہے۔ اس لئے ان کے مراثی کے مختصر سے نمونے پیش کر رہا ہوں۔

چہرہ —

جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج
کمریں وغا پہ باندھے ہے مشکل کشا کی فوج
صف بستہ آگے پیچھے ہے سب پیشوا کی فوج
جنت کا رُخ کئے ہے شہِ کربلا کی فوج
ڈیوڑھی پہ جن و انس و ملک کا ہجوم ہے
خیمہ سے اب علم کے نکلنے کی دھوم ہے

سراپا —

روشن کیا ہے روئے منور نے راہ کو
رُخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا نگاہ کو
حیران ہے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو
آغوش میں لئے ہے شبِ قدر ماہ کو
چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

رخصت

بہرِ رسول رن کی رضا دیجئے مجھے
صدقہ علی کا اذنِ وغا دیجئے مجھے
مرتا ہوں یا امام جلا دیجئے مجھے
یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجئے مجھے
کھولیں کمر حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجئے کہ حبِ علی اکبر نثار ہو

آمد

بڑھ کر صدا نہیب نے دی رو برو نگاہ، دشمن ترے ذلیل معاند ترے تباہ
آواز دی ظفر نے کہ اے معدلت پناہ تاباں رہے ستارۂ اقبال عز و جاہ
زہرہ عدو کا آب کلیجہ لہو رہے
ہر معرکہ میں تیغ علی سرخرو رہے

رجز —
عزت جہاں میں سب کو ہماری ولا نے دی کفار کو شکست شہِ لافتا نے دی
بیٹی نبی نے تیغ در سر کبریا نے دی کعبہ سے بھی سوا ہمیں حرمت خدا نے دی
رتبہ بلند سب سے خدا کے ولی کا ہے
سجدے ہیں اس لئے کہ وہ مولا علی کا ہے

جنگ —
ظلمت سے نور، نور سے ظلمت جدا ہوئی وحدت سے ایک ضرب میں کثرت جدا ہوئی،
دیں میں سے کفر کی بدعت جدا ہوئی ایماں کے راستہ سے ضلالت جدا ہوئی
اس دبدبہ سے زیر کیا روم و شام کو
حکم جہاد پھر نہ ہوا امام کو

شہادت —
حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ اے پدر!
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر انگڑائی لے کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹ شہِ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

بین —
اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو ہے ہے مری غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
اٹھارواں برس تھا کہ موت آ گئی تجھے،
اے نور عین کس کی نظر کھا گئی تجھے،

میر انیس کے ساتھ دبیر کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ میر انیس اور دبیر کے زمانے میں لوگوں نے انیس اور دبیر

کو ایک دوسرے کا مدمقابل اور حریف خیال کیا تھا۔ شبلی نے موازنۂ انیس و دبیر لکھ کر اس کو فی الواقعہ حقیقت بنا دیا۔ دبیر کو میر انیس کا حریف یا مدمقابل سمجھنا ایک ادبی غلطی ہے۔ دبیر کی استادی، انیس کی بہ نسبت زیادہ مسلّم ہے۔ ان کے نام اور کمالات کا لکھنؤ ہی معترف نہیں تھا بلکہ اس کے باہر بھی ان کی قدر کی جاتی تھی۔

اگر دبیر کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت چھپی نہیں رہے گی کہ دبیر کے کلام میں وہ تمام خصوصیات پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہیں جنھیں شبلی نے انیس کے لئے مختص کر دیا ہے۔ مرثیہ گوئی کے میدان میں دبیر نے انیس سے بہت پہلے قدم رکھا تھا۔ دبیر کا دور ضمیر، دلگیر اور فصیح کے فوراً بعد شروع ہوتا ہے۔ جس وقت دنیائے ادب میں دبیر کے مرثیے گونج رہے تھے، انیس کو وہ شہرت نہیں ملی تھی۔

دبیر کے سلسلے میں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ وہ علاوہ شاعر ہونے کے مختلف علوم میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ ان کے مضامین میں ایک عالمانہ تمکنت اور وقار پایا جاتا ہے۔ یہ بات انیس اور ان کے معاصرین کے کلام میں مشکل ہی سے ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ فسانۂ عجائب میں رجب علی سرور نے دبیر کا نام ضمیر اور دلگیر کے ساتھ لیا ہے۔ اگر واقعی اس وقت انیس کی ایسی حیثیت ہوتی جیسی کہ آج ہے تو ان کو نظر انداز کر جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

دبیر نے مرثیہ گوئی کو لکھنوی شاعری کی سطح سے نہ صرف بلند کیا ہے بلکہ مرثیہ میں ایسے مضامین کو قطعی جگہ نہیں دی جو رعایت لفظی وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

دبیر کی زبان اور بیان زیادہ پرشکوہ اور بلند آہنگ ہے۔ انھوں نے رزمیہ موضوعات جس تمکنت اور وقار کے ساتھ پیش کئے ہیں، ان سے پہلے اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ تمہید، فخریہ، رجز، معرکہ آرائی، تلوار کی تعریف، گھوڑے کی تعریف، یہ سب رزمیہ کے موضوع ہیں۔ ان کے لئے انھوں نے جس انداز بیان اور جن الفاظ کو برتا ہے ان سے ان کی استادانہ حیثیت ہی مسلم نہیں ہوتی بلکہ ان کے مقابلہ میں انیس کے پاؤں اکھڑتے ہوئے محسوس دیتے ہیں۔

دبیر سے پہلے مرثیہ گوئی کے لئے سوز و گداز کو ناگزیر خیال کیا جاتا تھا۔ لوگ اس کو گریہ و بکا کی تکمیل کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ دبیر نے ان ہی چیزوں کے پیش نظر اپنے لئے ایک نیا اسلوب اور آہنگ اختراع کیا۔ اس اسلوب اور آہنگ کی مقبولیت کا اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انیس کی موجودگی میں دبیر کو ہواخواہوں کی ایک کثیر تعداد مل گئی تھی۔

دبیر پر ایک عام اعتراض ہے کہ ان کے مرثیوں میں مضامین آفرینی ہے۔ ان کے مرثیوں پر وہ خود رو سکتے ہیں نہ دوسروں کو رلا سکتے ہیں۔ یہ بظاہر دبیر کے مراثی کی خامی معلوم ہوتی ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو دبیر سے پہلے اور بعد کے تمام شعراء میں یہی عیب ملتا ہے۔ اس لئے محض دبیر کے نامۂ اعمال میں لکھ دینا شبلی کی بیجا

حد تک زیادتی ہے۔
دبیر ضمیر کے واسطہ سے مصحفی کے شاگرد ہیں۔ مصحفی کے شاگردوں میں دبیر ہی کا نام اس حیثیت میں لیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے مرثیہ گوئی میں اپنی اجتہادی حیثیت کو زیادہ مسلّم کیا۔ مراثی میں مضمون آفرینی اور معنی طرازی پر محنت کی خیالات کی ادائیگی کے لئے مناسب الفاظ اور ان ہی کے ساتھ نئی ترکیبیں اور بندشیں اور استعارات پیدا کئے ان تمام باتوں کے قطع نظر دبیر کی شخصیت لکھنؤ کی مرثیہ گوئی میں اس لئے بھی زیادہ نمایاں ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری میں رکاکت اور ابتذال سے نہ صرف پرہیز کیا بلکہ اخلاقی مضامین بڑی کثرت سے پیش کئے ہیں۔ ان کی شاعری میں محض صنعت گری اور رعایت لفظی نہیں ہوتی ہے بلکہ حقیقت نگاری، جوش اور ولولہ بھی ملتا ہے جو رزمیہ موضوعات کا حاصل ہے۔
دبیر اور انیس کا موازنہ ایک فضول سی بات ہے۔ شبلی کی دبیر کے ساتھ یہ ناانصافی ہی نہیں بلکہ ایک طرح کی زیادتی بھی ہے کہ انھوں نے دبیر کے محاسن کو انیس کے مقابلہ میں کم کر کے پیش کیا ہے۔ دبیر کی استادی انیس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مسلّم اور محکم ہے۔ اس کا اندازہ اسیر لکھنوی اور امیر مینائی کے اعتراف سے بھی ہو جاتا ہے۔
یہ ہماری ادبی بدقسمتی ہے کہ ہم نے دبیر کے محاسن کو کم اور انیس کے محاسن کو زیادہ پیش کرنا ایک طرح کا رائج الوقت انعقادی سکہ بنا لیا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ دبیر پر انیس کو ترجیح دی جائے۔ شاعرانہ پسندیدگی کا معاملہ ایسی ذہنی تعصبات سے بلند ہوتا ہے۔ کلام کے پسند یا دقیع ہونے کا فیصلہ خود ذوق سلیم ہی کرتا ہے، اور یہ ذوق سلیم ہر شخص کی ذہنی اور فکری حیثیت کے اعتبار سے مختلف نہ ہو، یہ ناممکن ہے۔

دبیر اور انیس کے بعد

انیس کے زمانے میں مرثیہ گوئی اپنے کمال تک پہنچ چکی تھی۔ انھوں نے ترازوئے شعر کو سبک ہونے ہی سے نہیں بچایا بلکہ اس کا پلّہ بھی گراں کر دیا۔ ان کے بعد آنے والے مرثیہ گو شعراء میں پہلا نام مونس کا لیا جا سکتا ہے یہ رائے کسی حد تک درست ہے کہ ان کے مراثی میں کلام انیس کی بہت سی خصوصیات ہیں لیکن مرثیہ گوئی میں ان کو ان کے بھائی کے برابر سمجھنا یقیناً ایک خوش فہمی محض ہے۔ ان کے مرثیوں میں نفسیاتی نقوش بھی دھندلے ہیں وہ مشاقی بھی نہیں ملتی ہے جو علم و فضل کی آوردہ ہو۔ اس کے زود گوئی کے اعتبار سے ان کو انیس پر ترجیح حاصل ہے۔ ان سے فن مرثیہ میں قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ انیس کی چھوڑی ہوئی روایات برقرار رہیں۔ ان باتوں کے قطع نظر سلاموں کے محاسن کے لحاظ سے کوئی ان کا ہم پایہ نہیں۔ انھوں نے اپنے سلاموں میں اتنی نادر تشبیہیں اور اتنے نازک استعارے نظم کئے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ان کی افسوسناک بدقسمتی یہ ہے کہ انھوں نے انیس اور دبیر کے پروردہ ماحول میں جنم لیا۔ اس سے ان کی شاعری ان دونوں کے مرثیوں کے آگے نقش بے رنگ

ہو کر رہ گئی۔ سلام کا نمونہ دیکھئے ـــــ

عقدۂ سلک گہر اے دیدۂ تر کھول دے
ابر نیساں پہ برس کر اپنے جوہر کھول دے
گر ہوا بند نقاب روئے سرور کھول دے
کور مادر زاد آنکھیں مثل اختر کھول دے
تیرگی ظلمات کی کیا تھی سیاہی آنکھ کی!
قبر ہے یہ قبر آنکھیں اے سکندر کھول دے
دست قدرت ہے کسی کا یہ کہ پھر باندھے اسے
جس گرہ کو ناخنِ تدبیر حیدر کھول دے

مونس کے ساتھ ہی ان کے بھائی انس کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ان سے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے بچپن ہی سے شعر کہنے شروع کر دیئے تھے۔ انیس کی تربیت اور دیکھ بھال نے ان کی صلاحیتوں کو نکھارا اور جلا دی تھی۔ اس کے باوجود ان کے مرثیوں کو کسی نے بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مرثیوں اور سلاموں کی بہ نسبت خواص و عوام میں ان کی غزلیں زیادہ پسند کی جاتی تھیں۔

میر مونس اور میر انس کا زمانہ وہی ہے جو میر انیس کا تھا۔ یہ دونوں میر انیس کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان سب نے انیس اور خلیق کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا لیکن اپنے بڑے بھائی یعنی انیس کی مقبولیت نے ان سب کے محاسن پر ایسا پردہ ڈال دیا ہے جو بمشکل ہی اٹھ سکے گا۔ انیس کو ان کے دور سے علیحدہ کر دیا جائے تو ان کے مراثی یقیناً ایسے ہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے۔

میر انیس، میر مونس اور میر انس کے بعد شاعری کا دامن مرثیوں سے خالی نہیں ہوا تھا۔ انیس کے عاجز روؤں سے مجالس عزا گونج رہی تھیں۔ نفیس، رئیس اور سلیس اپنی قامت بلند کر رہے تھے۔ نفیس کے قطع نظر رئیس اور سلیس کے مرثیوں کو شہرت نہ مل سکی۔ ایسا کیوں ہوا، اسباب و علل کی داستان طویل ہے۔ اس داستان کا آخری جملہ یہی ہو سکتا ہے کہ رئیس اور سلیس کی مرثیہ نگاری کا چراغ محض انیس اور نفیس کی شہرت سے روشن تھا۔

نفیس کے مرثیوں میں انیس کی شاعری کا نہایت گہرا رنگ ہے۔ ان کی شاعری انیس کے لب و لہجہ سے اس درجہ ہم آواز ہو جاتی ہے کہ فرق و امتیاز دشوار معلوم ہوتا ہے۔ زبان، روانی، سلاست، شگفتگی، سادگی، برجستگی، محاورے، استعارے، سب کچھ انیس ہی کے معلوم دیتے ہیں۔ اس کے باوجود ان میں اس فکری انفرادیت کا فقدان نظر آتا ہے جو انیس کی افتادِ طبع کا خاصہ ہے۔

میر نفیس سے فن مرثیہ میں کوئی اضافہ ہوا نہ ترقی۔ انھوں نے مرثیہ میں ساقی نامہ کو رواج دے کر اس کی طوالت ضرور بڑھا دی لیکن قابل فخر معنوی حیثیت سامنے نہ آسکی۔ اس لئے یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے کہ ان کے عہد میں مرثیہ اپنی اسی جگہ پر رہا جہاں انیس اور دبیر نے اسے لاکر چھوڑا تھا۔ مرثیہ میں ان کے ساقی ناموں کا نمونہ

ملاحظہ فرمایئے ! ــــــــ

ساقیا ہاں مئے گلفام ملا ہونٹوں سے ساغر نور و دل آرام ملا ہونٹوں سے
ساز گیرد فرخ انجام ملا ہونٹوں سے آج لبریز کوئی جام ملا ہونٹوں سے
نشۂ بادۂ اعجاز بیانی بڑھ جائے،
ہو زباں صاف، طبیعت کی روانی بڑھ جائے

مرثیہ گوئی میں نفیس کے بعد میر جلیس کا نام محض اس وجہ سے زندہ ہے کہ انھوں نے مرثیہ کے علاوہ غزلیں بھی کہیں یعنی شاعری کو اپنی جودت طبع کی جولاں گاہ بنایا۔ مرثیوں میں ان کی زبان نہایت صاف اور شستہ تھی۔ بندشیں چست اور مضامین بلند باندھتے تھے، جلیس سے مرثیہ گوئی کو بڑی توقعات تھیں، افسوس کہ عین عالم شباب میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال سے مرثیہ گوئی میں جو وسیع خلا پیدا ہوگیا تھا پیارے صاحب رشید نے پُر کرنے کی کوشش کی۔ انہیں میر عشق اور میر تعشق سے فیض صحبت حاصل تھا۔ اس لئے انھوں نے مرثیوں کے ساتھ ساتھ معرکہ کی غزلیں بھی کہیں۔ رشید لکھنو کے باکمال مرثیہ گو شعرا کی طویل ترین فہرست کا اسم آخر ہیں۔ ان کے مرثیہ شگفتگی، سلاست، روزمرہ کی صفائی، محاورہ بندی اور روانی کے اعتبار سے نہ صرف حریف پر سبقت لے جاتے ہیں بلکہ ان پر انیس کے مراثی کا بھی دھوکہ ہوتا ہے۔ رشید کو وہ زمانہ ملا جس میں مرثیہ کے تمام مضامین پامال اور فرسودہ ہو چکے تھے۔ ان ہی بار بار کے فرسودہ اور پامال مضامین کو پیش کرنا شاعرانہ انفرادیت کے منافی تھا۔ اس لئے رشید نے بیشتر جگہ صنائع بدائع کا سہارا لیا۔ پٹے ہوئے مضامین میں تازگی اور شگفتگی پیدا کی۔ مرثیوں میں ساقی نامہ کی ابتدا ان سے پہلے ہو چکی تھی۔ انھوں نے ساقی نامہ کے ساتھ "بہاریہ" کا بھی اضافہ کر دیا۔ اسے مرثیہ کا فنی ارتقا کہنا غلطی ہوگی۔ یہ اختراعات اور جدتیں محض اپنے معاصرین اور متقدمین کی تقلید سے بچنے کی انفرادی کوششیں ہیں اور بس۔ اسی انفرادی کوشش ہی نے رشید کو قدر و منزلت کی آخری بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔ لکھنؤ اور لکھنؤ سے باہر رام پور، حیدرآباد، عظیم آباد اور کلکتہ سب ہی مقامات پر ان کی شہرت اور مقبولیت یکساں تھی۔

کلام کا نمونہ یہ ہے ــــــــ

کدھر ہے اسے مرے ساقی شراب کوثر دے رکے نہ ہاتھ پیا پے پلا برابر دے !
نہ جس کا نشہ گھٹے حشر تک وہ ساغر دے نہ دے سبو و خم و جام دل مرا بھر دے
ترنگ نشہ کی ہے رنگ اب بگڑتا ہے
کہ دیں پناہ سے اک دیں فروش لڑتا ہے

رشید کے ذکر ہی کے ساتھ سید علی عارف کا بیان بھی ضروری ہے۔ انھوں نے نفیس کی صحبت سے پورا فائدہ

اٹھایا تھا۔ ان کے مرثیے لکھنؤ اسکول کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے مرثیوں میں بالعموم وہی محاسن ملتے ہیں اور وہی معائب۔ انہوں نے مرثیہ کی اس روح کو بھی گرما دیا تھا جو سرد ہو کر رہ گئی تھی۔ عارف نے مرثیوں میں ساقی نامہ، بہاریہ۔ اور اسی قسم کے دوسرے اجزائے ترکیبی کو برابر نبھایا ہے۔ اس کے باوجود بعض مرثیہ نگاروں کی طرح ان کے مرثیہ محض بہاریہ ہو کر نہیں رہ گئے۔ ان میں عناصر مراثی بھی برابر کی حیثیت میں موجود ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے ـــــ

مل کے سب بی بیوں سے دونوں گل اندام چلے
نام کے شوق میں مرنے کو نکو نام چلے
سب کو کرتے ہوئے تسلیم وہ گل فام چلے
مڑ کے دیکھا کبھی ماں کو کبھی دو گام چلے
یوں فرس رن کو سوئے دشت وغا لے کے چلے
جیسے فرمان الٰہی کو قضا لے کے چلے

ان مرثیہ گو شعراء کے ہجوم میں میر تعشق، میر وحید اور میر عشق کا ذکر بھی ناگزیر ہے۔ میر تعشق کے مرثیے اس اعتبار سے زیادہ قابل غور ہیں کہ انھوں نے مرثیوں کی مروج بحروں سے احتراز کیا۔ اپنے مضامین کے لئے ایسی زمین اور بحریں انتخاب کیں جو مختصر ہونے کے علاوہ سہل الممتنع کے لئے زیادہ مفید تھیں۔ مرثیہ گو شعراء میں میر تعشق کا نام ساقی نامہ کے موجد کی حیثیت سے لیا جاتا ہے۔ یہ بات واقعاتی طور پر غلط ہے۔ ان سے پہلے نفیس اپنے مرثیوں میں ساقی نامہ کی ابتدا کر چکے تھے۔ البتہ یہ بات قابل تسلیم ہے کہ میر تعشق نے ساقی نامہ کو پوری فنی ضرورتوں کے ساتھ اپنی تکمیل تک پہنچایا۔

میر وحید اور میر عشق کے مرثیہ، مرثیہ گوئی میں اضافہ نہیں سمجھے جا سکتے۔ ان دونوں نے مرثیوں میں اوروں کی بہ نسبت زیادہ کاوش سے کام لیا۔ زیادہ تعداد میں مرثیہ بھی کہے، اس کے باوجود ان کو قبولیت حاصل نہیں ہو سکی۔ یہ دونوں بنیادی طور پر غزل گو تھے۔ مرثیہ کو فنی حیثیت میں پیش کرنے کی بجائے ایک مذہبی فریضہ اور "ذریعۂ نجات" سمجھتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ زمانہ ان کو مرثیہ گو کی حیثیت میں کم اور غزل گو کے عنوان سے زیادہ جانتا ہے۔

دولھا صاحب عروج کو بھی اسی ذیل میں شامل کر لینا چاہیے۔ انھوں نے مرثیہ ہی کو اپنی جولاں گاہ رکھا۔ اس کے باوجود ان کے مرثیہ یکسر سپاٹ اور بڑے حد تک متناقض ہیں۔ ان کو دیکھنے کے بعد حیرت ہوتی ہے کہ ان کو زمانے نے کیوں کر انگیز کیا۔ غالباً ان کی مقبولیت کے پیچھے خاندان انیس کی روایت کام کر رہی تھی۔

بڑی ناانصافی ہوگی اگر دبیر کے تلامذہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ اب تک جتنے بھی مرثیہ گو شعراء کا ذکر کر چکا ہوں۔ ان کا رشتہ کسی نہ کسی طرح انیس اور ان کے خاندان سے مربوط ہو جاتا ہے اور وہ سب کے سب اسی مکتبۂ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں، جس کی طرح انیس نے ڈالی تھی۔

میں گذشتہ صفحات پر بیان کر چکا ہوں کہ دبیر کی مرثیہ گوئی کا زمانہ انیس سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ لکھنؤ کے قیام اور ان کی مقبولیت نے ان کو شاہی مقربین کی صفوں میں پہنچا دیا تھا۔ ادوار لکھنؤ میں ان کو بڑی احترام اور عقیدت سے

دیکھا جاتا تھا۔ اس لئے ہمیں ان کے تلامذہ کی فہرست میں ان کے خاندان کے افراد سے کہیں زیادہ وہ لوگ نظر آتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح دو بار لکھنؤ سے توسل تھے۔ نصیر الدین حیدر کا پورا خاندان ان کے تلامذہ میں داخل تھا۔ ان کی بیشتر لڑکیاں دبیر کی تلامذہ ہونے پر فخر محسوس کرتی تھیں۔ ان سب کا ذوق مرثیہ گوئی مذہبی ارادت کا پابند تھا۔ مذہبی ارادت کو فنی پابندیوں سے کم ہی تعلق ہوتا ہے اس لئے سند کے طور پر دبیر کے کسی بھی شاگرد کا نام نہیں لیا جاسکتا۔ البتہ دبیر کے صاحبزادہ جعفر حسین اوج اس اعزاز کے مستحق ہیں۔

اوج نے عام رواج کے مطابق مرثیہ گوئی کی ابتدا غزل سے کی۔ ان کی غزلیں تھوڑی سی کوشش کے بعد دستیاب ہوجاتی ہیں۔ ان کی شاعری کا اصل میدان مرثیہ ہی تھا۔ مرثیہ میں انھوں نے دبیر کی روایتوں کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ پوری جامعیت کے ساتھ حقیقت کے قریب بھی کردیا۔ ان کے یہاں دبیر کی سی بلند آہنگی نہیں ملتی ہے لیکن ان کا لب و لہجہ، انداز بیان سب کچھ وہی دبیر کا سا ہے۔

اوج کے مرثیوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ایک ہی موضوع کو مختلف جزئیات کے ساتھ الگ الگ بیان کرنے میں کمال تھا۔ اس کی مثال ان کے معاصرین میں ملتی ہے نہ ان کے متقدمین میں۔ ان کی شہرت محدود ہونے میں ان کی قناعت پسندی کو زیادہ دخل ہے۔ وہ اپنے پیچھے دبیر کے تلامذہ کا ایک وسیع گروہ رکھتے تھے۔ چاہتے تو ان کی شہرت کے آگے خاندان انیس کا چراغ گل ہوجاتا۔ اس دور میں جب کہ مرثیہ گو انیس رئیس اور دبیر کے نام پر مختلف گروہوں میں بٹ گئے تھے، اوج نے غیر جانب داری مناسب سمجھی اور ہر معرکہ سے خود کو دور رکھا۔ اسی صلح مشربی اور عافیت نشینی نے اوج کے تمام شعری محاسن پر پردہ ڈال دیا۔

دور حاضر اور مرثیہ

خاندان دبیر اور خاندان انیس کے بعد مرثیہ نگاروں کے سوتے خشک نہیں ہوئے۔ البتہ اس سے فنی ارتقار ختم ہوگیا۔ آنے والے شاعروں نے اپنی تہی علمی کے باعث محض تقلید کی۔ یہ تقلیدی رجحان مرثیہ نگاری میں تعطل کا بھی باعث ہوا اور انحطاط کا بھی۔ اس تقلیدی اور انحطاطی دور کو اسی نقطۂ نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ بلکھنؤ میں مرثیہ نگاری زوال پذیر ہورہی تھی لیکن پٹنہ۔ دلی اور حیدرآباد میں اس کو ایک نیا جنم مل رہا تھا۔

شاد عظیم آبادی اردو شاعری میں غزل گو کی حیثیت سے زیادہ وقیع ہیں۔ ان کے مرثیوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے دبیر وغیرہ کے جلسوں میں شریک رہنے کے باوجود اپنا اسلوب آپ پیدا کیا تھا۔ ان مرثیوں میں متقدمین کی سی خصوصیات نہیں لیکن طرز ادا کی نئی وضع ضرور ملتی ہے۔ انھوں نے "بکر اشاعر مرثیہ گو" کے عنوان سے مرثیہ گو شعراء کا ایک تذکرہ بھی تصنیف کیا تھا۔ افسوس کہ اس کی اشاعت کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی۔ اس تذکرہ کا ایک حصہ "فکر بلیغ" کے عنوان

سے کسی حال ہی کے مجلہ میں میری نظر سے گزرا ہے۔ اس سے شاد کے معتقدات پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرثیہ گو شعرا میں دلگیر کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔

مرثیہ گوئی کے اعتبار سے دبستان شاد، شاد ہی پر ختم ہو جاتا ہے۔

البتہ دلّی میں دلّی اسکول کے بہترین نمائندہ آغا شاعر قزلباش دہلوی ہی نظر آتے ہیں۔ وہ نظم و نثر پر پوری طرح حاوی اور دلی کی ٹکسالی زبان لکھنے اور بولنے والے شعرا میں سے تھے۔

ان کی مرثیہ نگاری اپنے فنی تعطل کے زمانہ میں ایک ارتقائی موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے اس گرتی ہوئی دیوار کو اس وقت سنبھالا دیا جب کہ لکھنؤ میں مرثیہ گوئی کی بساط الٹ گئی تھی اور وہ مرثیہ گو رہ گئے جو مرثیہ کی لاش کو کاندھا دے سکتے ہیں صرف۔ آغا شاعر کے مرثیوں سے ان کی غزلوں اور نظموں کی طرح لکھنؤ کی روایتی اقدار کی بجائے دلی کے اسلوب بیان کا احیا ہوتا ہے۔ سادگی، سلاست، شگفتگی، روانی، روزمرہ ان کے مرثیوں کی خصوصیات ہیں۔

آغا شاعر نے مرثیہ نگاروں میں زبان و بیان کے اعتبار سے جس روایت کی داغ بیل ڈالی تھی وہ ان پر ہی ختم ہو گئی ان کے بعد دلی کے شعرا میں ہمیں کوئی شاعر ایسا نظر نہیں آتا ہے جسے فی الواقعی مرثیہ نگار کہا جائے۔

آغا شاعر کے بعد آنے والے شاعروں نے مرثیہ کو فن نہیں سمجھا۔ بلکہ ان کی شروع سے آخر تک یہی خواہش رہی کہ وہ مرثیوں سے اپنے دواوین مزین کرلیں۔ اس خواہش نے مرثیہ میں اضافہ کرنے کی بجائے اس کو ایک صدی پیچھے کی سمت لوٹا دیا۔ یہ مرثیہ کی ترقی نہیں تھی بلکہ روایتوں نے اپنے آپ کو دہرا دیا تھا۔

آرزو لکھنوی کے مرثیہ دیکھنے کے بعد اس حقیقت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی ہے۔ انھوں نے خمسۂ بجرہ کے عنوان سے صرف پانچ مرثیہ لکھے ہیں۔

وہ اپنے انداز بیان کے اعتبار سے دبیر اور انیس کے دور سے پہلے کے معلوم دیتے ہیں۔ ان میں ہمیں وہ محاسن بھی نہیں ملتے ہیں جو انیس کے بعد کے بیشتر شاعروں کے یہاں موجود ہیں۔

موجودہ دور کے مرثیہ نگاروں میں جوش کا نام سرفہرست رہے گا۔ انھوں نے مرثیہ کو پہلی مرتبہ انقلابی لب و لہجہ دیا۔ اور اس کی رزمیہ حیثیتوں کے ساتھ مسایلی اور تہذیبی قدریں واضح کیں۔ ان کے مرثیوں میں مرثیہ کے ضروری عناصر نہیں ملتے ہیں، اس کے باوجود ان کو ایک رزمیہ کی حیثیت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جوش کے انقلابی تصور کے مطابق کہا جاتا ہے کہ وہ محض تخریبی ہے۔ وہ انقلاب کے نام پر تخریبی احساسات کو نہ صرف ہوا دیتے ہیں بلکہ دہریت بھی پھیلاتے ہیں۔ ان کے مرثیے اس رائے کا واضح تردید ہیں۔ احساس کو جھنجوڑنا، روح کو جگانا، جذبات میں ایک نیا ولولہ پیدا کرنا ان کے مرثیوں کا خاصہ ہے۔ ان کے مرثیوں نے قوم کی بیداری میں ایک تاریخی اور شعوری کردار ادا کیا ہے۔

واقعات کربلا کو آج کے پس منظر میں دیکھنا یقیناً ایک عظیم کارنامہ ہے۔ مورخ دبیر اور انیس کی طرح ان کا نام بھی اس باب

میں سنہری حرفوں سے لکھے گا۔

جوشؔ کو اس دور سے الگ کر دیا جا تو اردو شاعری مرثیہ سے تہی دامن ہوجاتی ہے۔ اس دور میں مرثیہ نگاروں کی تعداد کچھ کم نہیں لیکن ان کے مرثیوں کو مرثیہ کہنا اس فن کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ ان دنوں مرثیوں کا جو رجحان بڑھ رہا ہے وہ واقعات کربلا کو پیش کرنے کی بجائے اس کے پیغام اور آدرش سے بحث کرتا ہے۔ اس لحاظ سے مرثیہ، ہوا، پانی نماز اور اسی قسم کے دوسرے عنوانوں کے تابع ہو کر ایک اخلاقی نظم بن جاتا ہے۔ اور اس میں وہ فنی خصوصیات باقی نہیں رہتی ہیں جو مرثیہ گوئی کے لئے ناگزیر ہیں۔ ایسے مرثیوں کی حیثیت محض تبلیغی ہے۔ اس کا فن سے کم اور ذہنی وابستگی اور مذہبی ارادت سے زیادہ تعلق ہے۔ ایسی صورت میں ان کو فن مرثیہ میں ایک نیا اضافہ یا ایک نئی اختراع تسلیم کرنے سے پہلے کسی قسم کی کوئی رائے غلط ہی ہوگی۔

جوشؔ کے مرثیوں کے بعد اردو میں مرثیوں کا صنفی وجود ختم ہوجاتا ہے۔ مرثیہ نگاری اردو شاعری کی ایک گراں مایہ اور عظیم ترین فن ہے۔ اس سے ہماری زبان کی فرہنگ ہی میں اضافہ نہیں ہوا، بلکہ ایسی کشادگی اور وسعت بھی ملی جس کی نظیر تاریخ ادب میں نہیں مل سکتی۔

ملک کی تہذیبی اور معاشرتی قدروں کی تبدیلی نے جہاں زندگی کے مختلف گوشوں کو انقلاب سے آشنا کیا وہیں ہماری اصنافِ سخن بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں۔

چنانچہ زمانے کی رفتار کے ساتھ مرثیہ نگاری کا دور بھی ختم ہوگیا۔ لکھنؤ کے جلسے اُجڑ گئے، دلی کا سہاگ لٹ گیا، دکن کی مجالس اُجڑ گئیں اور اس طرح ان سماجی، تہذیبی اور معاشرتی محرکات کا خاتمہ ہوگیا جن کی بدولت مرثیہ نگاری وجود میں آئی تھی۔

یہ نہیں کہ مجالس حسین سے عوام کو دلچسپی نہیں ہے۔ عوام اسی طرح مرثیہ نگاروں کی قدر کو احترام کرتے ہیں، اسی طرح اشتیاق سے سنا اور پڑھا جاتا ہے لیکن مرثیہ گو شعراء کو امراء کی سرپرستی حاصل ہے نہ معاشی آسودگی۔ ایسی صورت میں مرثیہ جیسی محنت طلب صنف پر قلم اٹھانا ایک دشوار ترین کام ہے۔

جہاں اجتماعی طور پر، تمام معاشرہ اور اس کے افراد، اس ناکسمپرسی کے ہاتھوں ایک نہ ایک انتشاری کیفیت سے دوچار رہتے ہوں وہاں مرثیہ جیسی محنت طلب صنف میں کسی ترقی یا اضافہ کا حصول ممکن نہیں۔ یہ دور فی الواقعی، مرثیہ نگاری کے ارتقا میں ایک خلا ہے، عظیم ترین خلا ہر زمانہ ہر شاعر اور قلم کار کی طرف مڑ کر دیکھ رہا ہے۔ دیکھیں اس خلا کو کون پُر کرتا ہے؟

چند نادر مرثیے

حضرت علیؑ

مرثیہ

ادری علل الدنیا علی کثیرۃ، وصاحبھا حتی الممات علیل	میں دیکھتا ہوں کہ دنیا کی بیماریوں اور مصائب نے مجھے چاروں طرف سے آگھیرا ہے اور اہل دنیا میرے مرنے تک بیمار رہتے ہیں
لکلی اجتماع من خلیلین فرقۃ وکل الذی دون الفراق قلیل	ہر ملاقات کے بعد دو دوستوں میں مفارقت ہونا ضروری ہے، اور وہ زمانہ جو جدائی کے بعد ہوتا ہے تھوڑا ہوتا ہے!
وان افتقادی فاطماً بعد احمدؐ دلیل علی ان لا یدوم خلیل	احمدؐ کے بعد فاطمہؓ کی مفارقت اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا۔

فاطمہ زہرہ

مرثیہ

ماذا علی من شم تربة احمدؐ
الا یشم مدی الزمان غوالیا

جو شخص احمدؐ کی تربت کی مٹی ایک بار سونگھ، اس پر لازم ہے کہ پھر کبھی خوشبو نہ سونگھے۔

صبت علی مصائب لو انها
صبت علی الایام عدن لیالیا

مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

اغبر آفاق السماء وکورت
شمس النهار واظلم الهندان

آسمان کی پہنائیاں غبار آلود ہو گئیں۔ سورج لپیٹ دیا گیا۔ اور زمانہ تاریک ہو گیا۔

والارض من بعد النبی کئیبة
اسفا علیه کثیرة الاحزان!

رسول اللہ کے بعد زمین غمگین و حزیں اور افسردہ ہو گئی،

فلیبکه شرق البلاد وغربها
یا خاتم الرسل المبارک صنوة
صلی علیک منزل القرآن

چاہیے آپ مشرق و مغرب کے رہنے والے روئیں اور چاہیے کہ تمام اہل مصر اور اہل یمن آپ کی وفات پر آنسو بہائیں اے ختم الرسول جس پر قرآن اترا تھا۔ تو پھر اللہ کی رحمت نازل ہو۔

فرزدق

مدح

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته والبیت یعرفه، والحل والحرم	یہ وہ ہے جسے بطحا کی سرزمین جانتی ہے، بیت اللہ جانتا ہے حرم جانتا ہے۔ اور ساری دنیا جانتی ہے۔
هذا ابن خیر عباد الله کلهم هذا التقی، الطاهر، العلم	یہ اس کا بیٹا ہے جو تمام بندگانِ الٰہی میں بہتر تھا۔ یہ پاک باز ہے، متقی ہے، پرہیزگار ہے۔
هذا ابن فاطمه، ان کنت جاهله بجده انبیاء الله قد ختموا،	یہ فاطمہ کا پوتا ہے اگر تو نہیں جانتا تو میں تجھے بتاتا ہوں کہ اس کے نانا پر انبیاء کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔
ولیس قولک من هذا؟ بضائره العرب تعرف من انکرت والعجم	تیرا یہ کہنا کہ "میں اسے نہیں جانتا" اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے جسے تو نے پہچاننے سے انکار کر دیا ہے اسے تمام عرب و عجم جانتا ہے
کلتا یدیه غیاث، عم نفعهما یستوکفان، ولا یعروهما عدم	یہ اس خاندان میں سے ہے جن کا ذکر ہر معاملے میں اللہ کے بعد سب سے پہلے آتا ہے اور ہر بات اسی کی مدح پر ختم ہوتی ہے
اذا رأته قریش، قال قائلها الی مکارم هذا ینتهی الکرم	جب قریش اسے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں "یہ وہ ہے جس کی شرافت اور نجابت پر شرافت کی انتہا ہو گئی ہے۔

يغضى حياءً ويغضى من مهابته
فما يكلم الا حين يبتسم

اس کے لحاظ اور ہیبت سے کوئی اس کے سامنے آنکھ نہیں اٹھاتا۔ کوئی اس سے ہم کلام ہوتا ہے تو اس کے منور چہرے پر مسکراہٹ بکھری ہوئی ہے۔

یکاد یمسکه، عرفان راحته،
رکن الحطیم، اذا ما جاء یستلم

جب بوسہ دینے کیلئے دیوارِ کعبہ کی طرف بڑھتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود دیوار آگے بڑھ کے چمٹ جائے گی۔

ینشق ثوب الدجی عن نور غرته
کالشمس تنجاب عن اشراقها الظلم

تاریکی کا پردہ اس کی پیشانی کی ضوفشانیوں سے چاک ہوجاتا ہے آفتاب کی طرح جس کے طلوع سے اندھیرے ڈھل جاتے ہیں

من معشر حبهم دین، وبغضهم
کفر وقربهم منجی ومعتصم

یہ اس خاندان سے ہے جس کی محبت عین ایمان، جس کا بغض کفر اور جس کی قربت ذریعہ نجات ہے۔

مقدم بعد ذکر الله ذکرهم
فی کل بدء، ومختوم به الکلم

اس کے دونوں ہاتھ فیضان و سخاوت کے بادل ہیں، وہ کبھی تنگ نہیں ہوئے، ان بادلوں کو کسی نے خشک نہیں دیکھا۔

بنت عقیل بن ابی طالب

مرثیہ

ماذا تقولون ان قال النبی لکم
ماذا فعلتم وانتم آخر الامم
بعترتی وباھلی بعد مفتقدی
منھم اساری وقتلی ضرجوا بدم
ماکان ھذا جزائی اذ نصحت لکم
ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحمی

(تم اس وقت کیا جواب دو گے جب رسول اللہ تم سے پوچھیں گے کہ اے لوگو جو سب سے آخری امت ہو، تم نے میری وفات کے بعد میری اولاد اور میرے اہل بیت سے کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے ہوئے مردہ پڑے ہوئے ہیں۔ میں نے تم سے جو سلوک کیا اور خیر خواہی کی اس کا تم نے یہی بدلہ دیا کہ میرے رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے اور انہیں اذیتیں پہونچائیں)

قلی قطب شاہ

نوحہ

دو جگ اماماں دکھتے سب جیو کرتے زاری وائے وائے
تن روں کی بکڑیاں جان کر کرتی ہیں خواری وائے وائے

آسماں جھجے جھالا ہوا سورج آگن والا ہوا
چندر سو جل کالا ہوا دکھا پاری وائے وائے

یک پوت کو دتیے زہر یک پوت پر کھینچے خنجر
کافر کیسے کیسے قہر یو زخسم کاری وائے وائے

قطبا کو ہے اللہ مدو ستنا ہے اس دل میں خدا
کر تو مدد حیدر دلا ہر یاں کوں زاری وائے وائے

سنہ ۱۰۲۵ھ

عبداللہ قطب شاہ

نوحہ

علی ہور فاطمہ کرتے ہیں دونوں آج زاری — بھی
حسن کا ہور حسین کا دو لے آیا جگ پہ خواری بھی

حسین جب چلے لڑنے سراں ہیں پر لگے پڑنے
شہیداں ہر طرف چڑنے لگیا یو دوکھ پیاری بھی

وصیت یو کہے جاتے نکو رو تم آپ بہائے
نہیں تو پھر کو بین آنی اجل آئی ہماری بھی

یتیماں کو سنبھالو ہو غیر بھی ہیں سکھالو ہو
بہت میراں سوں یو ہور رہیں گے یادگاری بھی

پڑے گا غم تمن پر جب مرا غم یاد کرنا تب
یو دوکہ یاد آئے گا ہر کب کرو نیں اشکباری بھی

دکھو طفلاں منگے پانی نہ کر ذرہ مہر بانی
ستم سوں تیر مارے کہ رونا بکاری بھی

بغیر از ظلم بیدادی نہ تھی اس وقت کچھ شادی
ہوئی قاسم کی داماد ہے! دکھو تقدیر باری بھی

حسین کا وقت جب آیا شمر نے آ گلا کاٹیا
دم کا ایک سینا پیاسا دیا اور اپکاری بھی

ننگے پاؤں چلے آئے تو پاؤاں کون چھالے آئے
اگن دیکھے چلے آئے نکتے دوست داری بھی

کروائے دوستاں ماتم ثواب ہے بہت کرنا غم
مدد ہوویں امام ہر دم کی ہے امیدداری بھی

حسین کا دوکہ دل میں آن لگا یک چٹ سو دایم وہاں
کرے قطب عبداللہ سلطاں دوکنوں سوں شہر یاری بھی

۱۰۲۳ھ

ملا وجہی

نوحہ

حسین کا غم کرو عزیزاں — رنجو ہیں سوں جھڑو عزیزاں
بنا جو ادل ہے غم کا — عرش گگن مہور دہرت ھلایا
قضا ہیں جوں جوں لکھا ابھی — گریہ حسین پر رو ہی سمایا
نبیاں ولیاں کے رنجاں سوں نکڑے — یوم غم حسین کا جنم دھلایا
یو کیا بلا تھا یو کیا جفا تھا — مگر قضا تھا سوئچ دکھایا
محب دلاں کو اجل کا ساقی — پیالہ غم کا سو بھر پلایا
یو کیا اندیشہ اندیش کیتا — فلک شہاں پر ستم خدایا
حسین پہ یاراں درود بھیجو — کہ دیں کا یو دیوار جلایا

تمہارے وجہی کو یا اماماں
نہیں تمن بن یو اُس کو سایا

سنہ ۱۰۱۸ھ

غواصی

نوحہ

دستا نہیں کروں کیا بیاں کربلا کا
پھرتا ہوں زار ہوں میں حیران کربلا کا

آسماں تے خدایا جبریل اتر کر آیا
روتا اوپر تے لایا فرمان کربلا کا

گھر باند کربلا میں کر شکر ہر بلا میں
کیوں ہے کہ ڈبلا میں کر سلطان، کربلا کا

چلتا ہے سورج تی دنیا کھڑی ہے روتی
کاں تے ہوا ایوں کوئی مہمان کربلا کا

کروڑ رو دو کر بارا پیغ صاد کرتے ارا
سو ہے حسین پیارا شہ جان کربلا کا

غواصیا معطر عالم کوں سب کیا ہے
گویا یہ مرثیہ ہے ایمان کربلا کا

سنہ ۱۰۳۵ھ

نوحہ

محشر میں جب محمد شاہ زمن اٹھیں گے
سب انبیائے مرسل پر غم حزن اٹھیں گے
حیدر علی لہو سوں آلودہ تن اٹھیں گے
لینے لہو کے ہلکاں ہے ہے حسن اٹھیں گے

آلودہ خاک و خون میں دندان مصطفےٰ لے
لہو سوں تر بتر سب دستار مرتضےٰ لے
ٹکڑے حسن کے دل کے جامہ حسین کا لے
تربت سے فاطمہ جب لے یو برن اٹھیں گے

دریائے غم میں ہرگز کرنے نہیں غواصی
ہرچند تو امامی عالم سنے ہے عاصی
امید تو قوی ہے پائے گا تو خلاصی
کرنے کیتیں شفاعت جب پنجتن اٹھیں گے

سـ۱۱۹۴ھ

ہاشم علی

نوحہ

آج پہرا ہوں کفن تیرا اصغر
آج سوکھا دہن ترا اصغر
لال ہے گل بدن ترا اصغر
حیف یو بال پن ترا اصغر

کیوں ہے زلفاں کے بال تاروں تار
کیوں گلے سوں لہو کے جاری ہار
تجھ کو سوتے کبھو نہ لگتی بار
حیف یو بال پن ترا اصغر

اٹھ گلے کا لہو دھلاؤں میں
نیند آئی تجھے سلاؤں میں
چل ترا پالنا جھلاؤں میں
حیف یو بال پن ترا اصغر

۱۱۶۹ھ

رضی الدین (رضی)

نوحہ

غم سوں ہے بے قرار میرا دل
دکھ سوں ہے زار زار میرا دل

گلشنِ غم میں ہے شہیداں کے
لالۂ داغدار میرا دل

نت شہیداں کے زخم پر غم سیں
شق ہے جوں ذوالفقار میرا دل

غم کی بجلی پڑی ہے جب سنتے
تب سوں ہے شعلہ زار میرا دل

نیم بسمل تمن تڑپتا ہے
ہو کے غم کا شکار میرا دل

گردِ غم سوں امام کے اے رضیؔ
کیوں نہ ہو پر غبار میرا دل

سنہ ۱۱۷۷ھ

روحی

نوحہ

آج غم ناک ہیں چمن کے پھول
بلکہ دل چاک ہیں سمن کے پھول

غم زدہ سینہ داغِ حیراں ہے
نرگس و لالہ و سمن کے پھول

یوں نہ لائے شفق کے دستے میں
خوں میں ڈوبے ہیں سب گگن کے پھول

جب سنے شہ کی بات مجلس میں
جل بجھے شمعِ انجمن کے پھول

نقشِ پا دیکھ دل ہوس رکھتا
سر پہ رکھنے کو تجھ چرن کے پھول

خوش لگے تجھ طبع میں اے روحی
دل کے باغاں سے سخن کے پھول

سنہ ۱۱۹۳ھ

علی عادل شاہ

نوحہ

شہ کے غم سوں دل ہے نالاں ہائے ہائے — جگ برستے خوں ایہالاں ہائے ہائے
جگ کے سرور دل کے لہو سوں بھر چلے — پھور کر پلکاں کے بالاں ہائے ہائے
یک شگفتہ گل نہ اس غم سوں رہا — ہر خزاں بو نہالاں ہائے ہائے
کربلا کی سب زمیں رنگیں ہوئی — لہو بھری دلدل کی نالاں ہائے ہائے
نیں شفق جگ پونچہ آ سننے ملک — لہو بھری سوا دردمالاں ہائے ہائے
گر خوشی اور خرمی کی کمر پرے — آہ کے چھتے ہیں نالاں ہائے ہائے
اس دکھ سوں بھر کے امتی سب تن متی — نت جلیں انکھیاں ہلالاں ہائے ہائے
اس دکھ سوں حوراں بستاں یا نخہ کول — توڑ کر زلفاں کے بالاں ہائے ہائے

نت کریں عادل علی یک دل سنے
شاہ کو ماتم ماہ وسالاں ہائے ہائے

نصرتی

مرثیہ

لیا یا سو کتنے گوہراں امت پہ سب بخشش کیا ۔۔۔ گیتی سو سنبھال کر رکھیں پا ایک خزینہ پیار کا
یہ ساقی کوثر اہے جنت طرف رہبر اہے ۔۔۔ داماد پیمبر اہے ہوا نرسول شہ نار کا
سو وہ علی مرتضیٰ ہم از یار مصطفےٰ ۔۔۔ جس کو ولایت دے خدا کیتا ہے گنج اسرار کا
اد اموہ خیر النسا خاتون جنت فاطمہ ۔۔۔ ہر حور جس خدمت کرے لے بھیس خدمتگار کا
پیارے یو سبطین نبی حسنین اور ہادی دیں ۔۔۔ جن کے قدم کی اک ہے سرمہ اولو الابصار کا
ہے نور میں کئی نور کی روشن ہوئی سو شمع رو ۔۔۔ جن کا محبت قبر میں دیپک ہے نت شب تار کا
کئے ہیں نبی پیارا اسے اونچ جب ان سور کھے ۔۔۔ بیرا جو پیارا ہے سو وہ پیارا رہے کرتار کا
اے وائے ظالم کیوں دکھا ایسی جگر گوشیاں کوں تس ۔۔۔ جگ جگ جوان پر غضب دا جب کیا قہار کا
کتنے ہیں جب سے حسیں اس تازگی کا دیکھ کر ۔۔۔ دل ہور رہا تھا باغ باغ اک دہرتی سب گھر بار کا
دیسے ہیں جبریل امیں ان کی شہادت کی خبر ۔۔۔ دیتے سو حضرت دل میں رکھ پائے ادک آزار کا
پوچھے نہ رہ سک فاطمہ اے نوبہار لطف رب ۔۔۔ تج دل کے گل کوں کہہ توں کیا آزار آٹر یا خار کا
بولے کہ ایسا وقت کب ہوگا نا ایں ہوا نہیں ۔۔۔ نامرتضیٰ بھی ہوئیں گے تب حملہ یک خونخوار کا
یوں سرد بالا کاٹ کر سب خانداں کے باغ میں ۔۔۔ چھوڑے لہو کی ندیاں خوں اچھا یک بار کا
تب فاطمہ زاری میں آ بولے کہ جب کوئی یاں نہ ہوئے ۔۔۔ اے وائے کناں ماتم کرے اس سرو خوش رفتار کا
اتنے میں جبریل امیں بھی آں جگہ کے پاس ہوں ۔۔۔ بولے کہ نہ کچھ غم دہرا اس ساعت دشوار کا

ماتم پہ مظلوماں کے پھر تازہ ہو کرتا ہر برس
ہوئے جوں عنایت حشر لگ دل جل کر سب ابرار کا

سنہ ۱۰۰۳ھ

درگاہ قلی خاں درگاہ

سلام

غنچۂ باغ محمد پہ درود — نو گل گلزار احمد پہ درود
لعل تاج اولیا پر کہہ صلوٰۃ — صاحب تخت زبرجد پہ درود
کربلائے مشہدِ شاہ شہید — اس کے مرقد اور شہید پہ درود
آب ورنگ گلشن دیں پر سلام — نخل باغ سرو خوش قد پہ درود
جانشین حضرت خیر البشر — افتخار و زیب مسند پہ درود
والد ماجد پہ اس کے کہہ صلوٰۃ — بھیج اس فرزند ارشد پہ درود
نونہال بوستان ہل اتے — سرمد کونین سید پہ درود

بندۂ درگاہ اولاد علے
بھیجتا آل محمد پہ درود

مرثیہ

ہوئی صبح شہادت اب بجاؤ طبل رحلت کا
مدینہ میں لیجا جلدی کرو اب دفن میت کا
سکینہ جان دیتی ہے کرو اب باتیں دلاسے کی
رسول اللہ کہاں ہیں اب خبر لیویں نواسے کی
پڑی ہے رات میں میت اٹھانے کوں نہیں کوئی
جنازہ ہائے بیکس کا اٹھانے کوں نہیں کوئی

اٹھاؤ اس جنازہ کو پڑھو کلمہ شہادت کا
محمد سے کہو آیا جگر خاتون جنت کا
جنازے پر پڑھیں آ کر نماز اس جلق پیارے کی
اجڑتا ہے گا آ دیکھیں انو کا گھر نبوت کا
بھری ہے خاک اور خوں میں نہلانے کوں نہیں کوئی
کھدانا کیا ہوا دشوار اس غربت میں تربت کا

کہیں سر کوٹ کر زینب کہاں پیارا برادر ہے — کہاں خاتون محشر ہے کہاں ساقی کوثر ہے

نہ وارث کوئی سر پر ہے نہ خیمہ ہے نہ چادر ہے — نبی سے عرض کرنا حال اب ان اہل عصمت کا

جنازے پاس سب اہل حرم آ کر کریں گریاں — اٹھانے کا نہیں ہے ہائے اس میت کا کچھ ساماں

نہیں پانی نہلانے کو ہیں سب تکفین میں حیراں — غریبوں بیکسوں کوں بھیجنا سامان غربت کا

جناب شاہ سے ہے التماس بندۂ درگاہ — زیارت کی سعادت اور حصول مطلب دلخواہ

قیامت کی شفاعت اور مزید آبرو و جاہ — ہوا ہے فضل سے حضرت کے اب وقت استجابت کا

محمد ہاشم

سلام

اے دُرِ دریائے سرمد السلام
گوہرِ کانِ محمد السلام

اے سببِ کونین کے ایجاد کے
وے ظہورِ کُن کے مقصد السلام

فاطمہ کے ناز کے پالے ہوئے
مرتضیٰ کے ابنِ ارشد السلام

لختِ جانِ والد و مادر حسین
نورِ چشمِ جدِ امجد السلام

اے مدینہ کے مسافر جا کئے
دشتِ غربت بیچ مرقد السلام

اے بلائے کربلا کے مبتلا
کشتۂ ملعونِ و مرتد السلام

اے حسین ہاشم کے ہیں ہر امر میں
ہو کرم میں تم موید السلام

سنہ ۱۲۱۰ھ

ہاشمی بیجاپوری

نوحہ

دل بند مصطفےٰ کا تابوت لے چلے ہیں
فرزند مرتضےٰ کا تابوت لے چلے ہیں

سلطان دو جہاں کا سردار اولیا، کا
مظلوم کربلا کا تابوت لے چلے ہیں

حضرت حسین حسن کا شاہ زمیں زمن کا
حضرت نبی منگا کا تابوت لے چلے ہیں

حضرت کے ننھے نواسے حیدر کے ننھے خلاصے
ہو وے شہید پیاسے تابوت لے چلے ہیں

اے ہاشمی شہاں کا سلطان دو جہاں کا
مقتول اس جواں کا تابوت لے چلے ہیں

نظرؔ

نوحہ

یاراں ہزار حیف رسول خدا نہیں
تنہا حسین ان میں کوئی آشنا نہیں
اور فاطمہ علی حسین و حسن مجتبا نہیں
بازو نہیں، رفیق نہیں، دلربا نہیں

اصغر کوں شہ نے گود میں لے کر منگے جو تیر
بیداد کیا کیا تری تقصیر یو صغیر
ملعون نے جواب میں مارا ستم کا تیر
سیانا نہیں، زباں نہیں، دست و پا نہیں

کہنے لگا ہے جب سوں الم کے نظم میں بیت
دو جگ میں نظرؔ کوں بجز اہل بیت
دنیا کوں دل سوں سہٹ کے نویوں اس الم میں بیت
مقصد نہیں، مراد نہیں، مدعا نہیں

اشرف

نوحہ

سیج جھولے کی میں بناتی تھی بالے اصغر کو تب جھلاتی تھی
جب دلارا وہ نیند بھر سوتا دودھ پینے کو میں جگاتی تھی
پھوپیاں صدقے اسکے جاتیاں تھیں چاؤں سوں جب اسے رچاتی تھی
پانی بن خشک ہو گیا تھا شیر دیکھ اصغر کو تلملاتی تھی
ظالماں سنگدلوں نے مارا تیر سخت فولاد ان کی چھاتی تھی
تیر گذرا گلے سوں اصغر کے ہائے کس دکھ سوں جان جاتی تھی
شاہ پھر کر لے آئے اصغر کو بولے رو کر یہی حیاتی تھی
آج جنگل میں تو اکیلا ہے رات دن میں تری سنگاتی تھی
آج کہہ کیا پکاروں کہہ تجھکوں تب میں اصغر کی ماں کہاتی تھی

شہر بانو کے شور کی آواز
اے شرف لامکاں کو جاتی تھی

قائم بیجاپوری

مرثیہ

تجھے فاطمہ آ بلاویں حسین — ترے جن کتا تلملاویں حسین
ڈھونڈیں بے خودی سوں پناویں حسین — روئیں ہاتھ مل حیف کھاویں حسین

کہیں میری جاں کے پیارے کہاں — مجھے چھوڑ اکیلا سدھارے کہاں
دکھو مجھ دکھی کے دکھیارے کہاں — سبب کیا نہیں آج آویں حسین

پلا تھا مرے گود میں وہ سدا — ہوا نیں کبھی مجھ سوں یک تل جدا
ہوا کس بلا میں وہ جا کر ملا — نہیں آ مجھے سکھ دکھاویں حسین

دریت مجھے چھوڑ نیارا ہوا — اکیلا کہاں بیا بچارا ہوا
یوں غم اس کے جیو میں انگارا ہوا — لگی آگ دل میں بجھاویں حسین

ہے قائم غلامی میں امیدوار — گناہاں میں غرق آج ہے بیشمار
ہے محشر کو حامی مرا برقرار — شفاعت جو کر کر چھڑاویں حسین

سنہ ۱۱۷۷ھ

اصغر حسین ناجی

سلام

اللہ ثنا خوان حسین ابن علی ہے
قرآن میں خود شان حسین ابن علی ہے

رضوان گلستان خباں کہتے ہیں جس کو
اک روحہ جنبان حسین ابن علی ہے

جبریل وہ ہے خادم دیرینہ شہر
میکال وہ دربان حسین ابن علی ہے

اصغر کے میں قرباں علی اصغر کے تصدق
وہ گل ہے یہ ایمان حسین ابن علی ہے

محشر میں نہ دیکھے گا کوئی مہر مبیں کو
کیا سایہ دامان حسین ابن علی ہے

خلاق ذو عالم کے مباہات کے قابل
ہر کار نمایان حسین ابن علی ہے

گر عرش و فلک گلشن جنت
ہر گوہر دندان حسین ابن علی ہے

دیتا ہے اسے اجر خدا طوف حرم کا
سو جاں سے جو قربان حسین ابن علی ہے

طالب وہ نبی کا ہے وہ طالب ہے خدا کا
دنیا میں جو خواہان حسین ابن علی ہے

اللہ نے شاہوں کا کیا ہے انہیں سرتاج
کیا قدر غلامان حسین ابن علی ہے

دنیا ہے بخیر اس کی بخیر اس کی ہے عقبا
جو تابع فرمان حسین ابن علی ہے

ناجی ہے گلستان جناں تیرا نشیمن
تو بلبل بستان حسین ابن علے ہے

۱۲۵۶ھ

مرثیہ

ہے آج کربلا کا بیاباں لہو لہو — صحرائے دل فگار کا داماں لہو لہو
سب دشت و کوہ و جنگل و میداں لہو لہو — وہ رزم گاہ شاہ شہیداں لہو لہو

پکھراج غم سے زرد زرد اور ہے زہر پوش — گرمی کے دل میں چھید ہے نیلم سیاہ پوش
اس دکھ سے آشنا دل یاقوت ہے خموش — مرجاں لہو و لعل بدخشاں لہو لہو

اے خاک پائے زائر درگاہ بوتراب — اس ماجرائے غم کا نہیں حشر تک حساب
کب تک کرے گا قصہ ماتم گیتی کتاب — کاغذ لہو لہو ہے قلم داں لہو لہو

سنہ ۱۲۵۶ھ

سلام

اے یارو کیسی چل گئی صرصر چمن چمن — لوٹا گیا ریاض پیمبر چمن چمن
ہر عندلیب پیٹتی ہے سر چمن چمن — برپا ہے ماتم گل حیدر چمن چمن
بہلاتی تھی بہشت میں اصغر کو یوں بتول — پھرتی ہوں تم کو گود میں لے کر چمن چمن
قربان جاؤں سہے ہو کیوں تیر ظلم سے — دیکھو کھلے ہیں کیسے گل تر چمن چمن
بھوکے ہو تین روز کے پیتے نہیں ہو کیوں — جاری ہیں نہریں دودھ کی اصغر چمن چمن
کوثر پہ جھومتا ہے بہشتی سکینہ کا — مصروف سیر ہیں علی اکبر چمن چمن
دیکھو یہ عون ہیں یہ محمد پھوپھی کے لال — پھرتے ہیں دونوں کیسے برادر چمن چمن
بازی کناں ہیں ٹہنیوں پہ ہر اک درخت کے — مسلم کے دونوں سرو صنوبر چمن چمن
دادی سے گر خفا ہو تو دادا کے پاس جاؤ — لے کر پھریں گے ساقی کوثر چمن چمن
ناجی گل رسول کے ہم عندلیب ہیں — ہے اپنی جا بہشت کے اندر چمن چمن

۱۲۵۶ھ

نوحہ

کہتے تھے شب قتل یہ مشتاق شہادت ہوتی ہے سحر کب
یارب ہمیں مرنے کی تمنا ہے نہایت ہوتی ہے سحر کب

بیٹھے ہیں تری راہ میں لٹا دینے کو گھر بار ہیں دوش پر
بارے کب دیکھیں گے سیر چمن گلشن جنت ہوتی ہے سحر کب

کب شمر و عمر کو تہ شمشیر کریں گے کب خوں میں بھریں گے
کم حشر سے دن نہیں اس شب کی طوالت ہوتی ہے سحر کب

کیسی یہ شب آئی ہے کہ کٹتی ہی نہیں گھٹتی ہی نہیں ہے
اس شب کی ہے ایک ایک گھڑی ہم کو قیامت ہوتی ہے سحر کب

دنیا کی تمنا نہیں جینے سے ہیں بیزار مرنے پہ ہیں تیار
پیاسے ہیں بہت چشمۂ کوثر کی ہے چاہت ہوتی ہے سحر کب

ناجیؔ شب عاشور سحر تک رہے خنداں کہتے تھے ہر آں
انصار دل و جانِ شہنشاہ رسالت ہوتی ہے سحر کب

۱۲۵۶ھ

ولی اورنگ آبادی

منقبت

ہر ایک رنگ میں دیکھا ہوں چرخ کے نیرنگ — ہوا ہوں غنچہ صفت جگ کے باغ میں دل تنگ
ہو دستگیر مجھے یا علی ولی اللہ — کہ اس فلک نے کیا ہے کمال مجھکوں تنگ
ترے جو شوق سوں حاصل کیا ہے محویت — ہے فقر فخر مجھے، مجھ کوں فقر سوں نہیں ننگ
وہ شبیر حق کہ جہاں میں وہ ناصر دیں ہے — کہ جس صداسوں ہیں وحشی جنگل کے مست دبنگ
خدا نے فضل سوں اس کوں کیا حصار دیں — فلک ہے جس کہ قلعے کی کمینہ ایک النگ
زمیں پہ وقت اترنے کے اس کے عدل کو حسن — گرہ تیرہ پا ہیں ستم آسماں کے سکھ فرسنگ
خدا کے حکم سوں ہر پہلواں پہ ہو غالب — گر آستانے پہ آویں کہ سر گھسے جیوں سنگ
خدا نے اس کو دیا مرکب ایک دلدل نام — گیا جو دنیا کو ایک پل میں لاکھ بار النگ
بجائے سرمہ اگر خاک اس قدم کی لے — نین میں، دل کے سنیں تیز رو جگت کی ترنگ
اسی کی آن پہ نت ولی بلا گرد دل
کیا چراغ پہ اس کے مدام جی کو پتنگ

سنہ ۱۱۱۹ھ

سراج اورنگ آبادی

منقبت

ہوں سخت بے کسی میں گرفتار یا علی
تیرے بغیر کون ہے اب یار یا علی

اب حادثات میں مضطر نہ رکھ مجھے
کشتی مری تباہ ہے کر پار یا علی

امیدوار نقد تفضل ہوں رحم کر
توں جنس قلب کا ہے خریدار یا علی

لایا ہوں تجھ سیں باطن و ظاہر کی احتیاج
بر مد بحق احمد مختار یا علی

جلدی ستی شفا دے کہ تشخیص تجھ کو ہے
ہوں جس مرض کے بیچ گرفتار یا علی

ہے ظل عاطفت کی ترے مجھ کو التجا
ہر چند میں ہوں اس کا سزاوار یا علی

بیتاب ہو اگر نہ کہے حالِ دل سراج
یہ درد کس سیں جا کرے اظہار یا علی

سنہ ۱۱۷۷ھ

مرزا علی نقی ایجاد

مرثیہ

جب کربلا میں پہونچے وہ سرور شہیداں
مارے یزیدیوں نے بیعت کا قول برہم
نو روز لگ رکھا ہے آل نبی کو پیاسا
واں ابن سعد ملعوں لشکر کو لا فراہم
اس قوم بے حیا کو وہ حجت الٰہی
اول کئے انہوں کے نامے دکھا کے ملزم
الزام پا کے پھر بھی قتل و محاربے بہرہ
باندھے کمر ستم سیں سارے گروہ اظلم
لشکر میں زور بازو عباس کا علم تھا
ان کو کئے سرافراز حضرت نے دے کے پرچم
قاسم کی کت خدائی قسمت میں تھی دلہن کی
یہ شادی اس غمی میں جلوہ کئے بہت کم
حضرت علی اکبر پیش از علی اصغر
باپ آگے پا شہادت پہونچے بخدمت عم
اصغر کا حلق سوکھا بن دودھ ہو رہا تھا
ناوک کیا عدو کا لوہو سیں اس کو تر نم
وہ سرور شہیداں دیکھے کوئی رہا نیں
آخر گئے شہادت اپنے اوپر مسلم
اس معرکہ ستم میں اس رزم پر الم میں
سرور کا کوئی نیں تھا یار و رفیق و ہمدم
تھے دو ہزار کچھ کم زخم اس جناب اوپر
لیکن سبھی جراحت تھے پیش رو مقدم
واں ذوالجناح پر سیں حضرت اتر کے بیٹھے
با مژدۂ شہادت ہو ارجعی کے ملہم
نزدیک تھا گرے چرخ روئے زمیں کے اوپر
کچھ دور بھی نہیں تھا پشت زمیں ہوئی خم

اب لگ بھی آسماں ہے خون شفق سے گریاں
محشر تلک رہے گا روئے زمیں پہ ماتم

۱۱۸۵ھ

تاباںؔ چاند پوری

مرثیہ

اے فلک تجھ سا بھی کوئی اور بد کردار ہے
آل پیغمبر پہ جس کو یہ ستم ہموار ہے
جوں حباب و موج دم لینا انہیں دشوار ہے
ایک سر ہے جس جگہ واں سیکڑوں تلوار ہے

قتل کرتے ہیں کسی ایسے ہی مجرم کو کبھو
پوچھ لیتے ہیں یہ اس سے کیا ہے تیری آرزو
ذبح کیجے سبط پیغمبر کو یوں تشنہ گلو
اور نہ کہیے اس سے پانی بھی تجھے درکار ہے

یہ میں مانوں گا ستم دنیا میں ہوئے بیش و کم
پر نہ جو ان پر ستم گذرا ہے اتنا بھی ستم
ہو نہ اک پیاسے کو مارے پیاس کے جنگل میں دم
اس گلے پر آب کے بدلے چھری کی دھار ہے

کس کے گھر پر یہ غضب ٹوٹا ہے کوئی دے نشاں
گود میں بابا کے کس بچہ کی نکلی ہے زباں
اس طرف عرض عطش کو اس نے کاڑھی ہے زباں
اس طرف پیکان تیر اس کے گلے سے پار ہے

خاک میں ڈوبا ہے کس کے طفل تشنہ لب کا تن
کون ایسا مر گیا جس کو نہ دے کوئی کفن
سر ادھر نیزے پہ سوکھے ہے پڑا اودھر بدن
مر بھی جاتے ہیں پر اتنی موت کس کی خوار ہے

غم میں نوشہ کے دلہن کا کس نے دیکھا ہے یہ حال
جائے غازہ اشک خونی سے کرے چہرہ کو لال
داغ کے لچھے ہیں چھاتی پر پریشاں سر کے بال
سہرا منہ پر ہے کسی کے نے گلے میں ہار ہے

لاش پر ہیں لاشیں سارے گھر کی اس صورت سے ڈھیر جوں پڑے ہوں خرمن گل باغ میں، بالا و زیر
ہے کہیں چولی بدن پر تو نہیں دامن کا گھیر
ہے بدن عریاں کسی کے سر پہ گرد ستار ہے

لگ رہی ہے سر پہ جید ہر دیکھیے خیمہ کو آگ چھپتے ہیں زینب کے پیچھے آ کے بچے بھاگ بھاگ
سامنے آنگن میں لٹتا ہے بھتیجی کا سہاگ
گھر میں عابد سا بھتیجہ خستہ و بیمار ہے

کوئی جو کہتا ہو لٹتا ہے یہ کس کا خانماں کس کی یہ عورات ہیں کرتی ہیں جو شور و فغاں
کون یہ دکھیا ہے پھرتے ہیں جسے یوں موکشاں
کیا خطا ایسی ہوئی جس پر یہ سب آزار ہے

اہل بیت مصطفےٰ یوں کیجیے اونٹوں پر سوار ہو نہ پوشش کچھ بدن پر انکی جز گرد و غبار
ہاتھ میں عابد سے اک بیمار کے دیجے مہار
آگے سر برچھی پر اس کا گھر کا جو سردار ہے

مجکو حیرت ہے کہ تھا جس دشت میں اس کا گذر کیوں نہ جوں گردوں زمیں واں ہو گئی زیر و زبر
وہ کف پا برگ گل سے تھا جو نازک بیشتر
ہر قدم آرام گہ اس کا سنانِ خار ہے

جائے روتا اس طرح وہ نور چشم مصطفےٰ ایک ساگر یہ ہیں تیرے سر سے لے کر تا بہ پا
چشم آنسو سے بھری سینے پہ داغ اقربا
آئینہ برسات میں گویا نہ زنگار ہے

کچھ پیمبر کے بھی رو سے آتی ہے تجکو حجاب کس کی تو یہ نیو کو کھودے ہے اے خانہ خراب
دشت یہ پر خار سر پر گرم اتنا آفتاب
پاؤں میں نے کفش و سر پر اس کی نے دستار ہے

ہر گرہ پر بند اس کی صورت زنجیر ہے بھال سا ہر خار جرم پا کا دامنگیر ہے
خشک دہشت سے بدن سارا لبان تر ہے
تشنگی سے منہ کھلا ہے یوں گویا سوفار ہے

اس طرح پر یک قدم اس نے جو کی چلنے میں دیر　　ہر طرف سے آئے ہیں گھوڑوں کو ظالم پھیر پھیر
خار کے مانند لئے ہیں بیچ اس گلبن کو گھیر
زخم سیلی سے قفا جو برگ گل افگار ہے

بھر رہا ہے اس طرح سے اشک کا آنکھوں میں نم　　پھول میں نرگس کے شبنم جس طرح رہتی ہو تھم
رنگ اڑ جاتا ہے منہ پر ضعف سے گردن ہے خم
پاؤں رکھنا ہے جہاں تک صورت دیوار ہے

اس مشقت ساتھ دن ہوتا ہے اس پر جب تمام　　نے اسے سامان شب خوابی ملے ہے وقت شام
کان کی سوجن سے تکیہ ہے تلے سر کے مدام
فرش کو پہلو کے نیچے زخم دامن دار ہے

روتی ہے زینب جب اس کے حال بد کو دیکھ کر　　سوت سے پانی کے لگے ہیں پڑے زخم جگر
اُدلتی سے زیادہ ٹپکے ہے ہر اک مژگان تر
زخم نو کی طرح اس کی چشم نت خونبار ہے

پیٹ پیٹ اپنا سر و سینہ یہ کرتی ہے کلام　　جو موئے والی مرے کس کس کا رووں لیکے نام
پر میں کہتی تھی ہے تجھ پر بوجھ اب گھر کا تمام
سو تجھے اس دکھ میں اپنی زندگی بھی بار ہے

گر تن نازک پہ تیرے بیٹھ جاتی تھی مگس　　جوں مگس ماریں تھے سر پہ ہاتھ اپنے چند کس
یا کوئی اس دکھ میں ہے تیرا جواب فریاد رس
سو صدائے طوق یا زنجیر کی جھنکار ہے

چھیڑ کر گذرے تھی گیسو کو ترے گر تک نسیم　　ہوئے تھا صدمہ سے اسکے یکجہاں کا دل دو نیم
سو کشاکش سے ستم کیشوں کے اے میرے یتیم
خون سے آلودہ اب ان زلفوں کا ہر اک تار ہے

جس جگہ اہل حرم کرتے تھے یہ شور و فغاں　　چشم سے اک خلق کے خونابۂ دل تھا رواں
کیوں نہ ہو یہ حال ان کا ہووے یہ آفت جہاں
آدمی بیطاقتی کرنے میں واں ناچار ہے

قائم اب چپ رہ کہاں تک یہ حدیث جاں گسل　　یہ گیا خونناب ہو آنکھوں سے اک عالم کا دل
ہے یہ ڈر ارض و سما کے اب طبق جاویں نہ ہل
اے خدا نا ترس بس یہ بھی کوئی گفتار ہے
یا امام المتقیں جس روز نفخِ صور ہو　　ہر کسی کو اک وسیلہ اس جگہ منظور ہو
واں یہ بندہ بھی غلامی میں تری محشور ہو
اس سوا اس روسیہ کو اور کیا درکار ہے

شاہ آیت اللہ جوہری

چوبولا

لوٹ لیا بن جارا بن میں ٹانڈر لدا ہوا سارا بن میں
ہائے حسینا پیارا بن میں بیکس کر کے مارا بن میں

— ۲ —

بن بن کھڑی بنجاری روئے گھر جو لُٹا گھر باری روئے
بانو بہو بے چاری روئے راول جس کا مارا بن میں

— ۳ —

ایک سرے سے سب کو بٹھا کر سر سے چادر تک بھی چھنا کر
پھر خیموں کو آگ لگا کر بستا گھر وہ اُجاڑا بن میں

(۱۱۲۶ تا ۱۲۱۰ھ)

حسین شاہجہاں آبادی

مرثیہ

جس وقت کہا تونے کوئی شہ کو بلادے ۔۔۔ یا بچے کا دم توڑ نا تک اس کو جتا دے
یا بچے کو لے جا کے گلے اس لگا دے ۔۔۔ یا اس کو شتابی کوئی ڈیرے کو بھجا دے
یا میرے جگر جلنے کا حال اس کو سنا دے

یوں کہتی تھی جو لاگا بچہ اس کا سسکنے ۔۔۔ اور آنکھوں سے بچہ کا لگا نیل ڈھلکنے
حلقوم کی خشکی سے لگی جیب چٹکنے ۔۔۔ ماں دیکھ کے حال اس لگی سر کو پٹکنے
بچے تجھے کیا ہو گیا کچھ مجھ کو بتا دے

سرور نے کہا دل میں کہ اب کیا کروں تدبیر ۔۔۔ اصغر کے لئے مجھ کو میسر نہ ہوا نیر
پہلو میں شمر کے تھا کھڑا حرمل بے پیر ۔۔۔ زہ کر کے کماں اس نے چلا بچہ کے اوپر تیر
کہہ کر کہ عوض پانی کے یہ لے نبی زادے

تیر ایسا لگا بچے کے منہ میں وہ شیطاں ۔۔۔ جو گدی کے پار ہو گیا اس تیر کا پیکاں
روح اس کا پیاسا گیا وار دغہ رضواں ۔۔۔ بابا کے رہا ہاتھ میں وہ لاشہ بے جاں
چاہا بچے کی لاش کو لاشوں میں لٹا دے

یہ کہہ کے جو خیمہ کی طرف رخ کو پھرایا ۔۔۔ اصغر بچہ کی لاش کوں کاندھے سوں لگایا
خیمہ میں لے جا کر اماں کو اس کو دکھایا ۔۔۔ اس روتی نے لے بچے کو گودی میں لٹایا
سر پیٹتی کہ ہے ہے میرے شاہ زادے

اب آگے حسین کو نہیں طاقت گفتار ۔۔۔ جو بولے کہ شبیر کا کیسا لٹا گھر بار
رو رو کے یہی کہتا ہے کی داور داد ار ۔۔۔ جس سوں نبی کی آل کی تیں پہونچا ہو آزار
اس ظالم بے رحم کو خالق تو سزا دے

۱۲۱۵ء

محمد عظیم عظیم شاہ جہاں آبادی

مرثیہ

کہتی تھی ہائے زینب یا مصطفیٰ سنو تم — فریاد بیکسوں کی آ کر ذرا سنو تم
پیارا حسین رن میں مارا پڑا سنو تم — جبریل کی زبانی سب ماجرا سنو تم
جنگل میں تشنگی سوں بچے پکارتے ہیں — کوثر کے ساقیوں کو بن پانی مارتے ہیں
نانا تمہارے گھر کو ظالم اجاڑتے ہیں — سب قافلہ حرم کا لوٹا گیا سنو تم

زانو پہ ان کی اصغر بے جان ہو پڑا ہے — عابد سرہانے اس کے روتا ہوا کھڑا ہے
کیا غریب بچہ ماٹی میں جا گڑا ہے — اللہ کو پکارا اور جی دیا سنو تم

جس وقت ہر مصیبت خیر النسا سنے گی — ابن علی کا لشکر مارا گیا سنے گی
لاچار ہو سفر میں جی کو دیا سنے گی — ڈھونڈھے گی لاش رن میں ہر کس جگہ سنو تم

کہتا گلا یہ اس نے خنجر کا دکھ سہا ہے — جنگل میں کربلا کے اس کا لہو بہا ہے
چالیس دن حرم سے اپنے جدا رہا ہے — پھر شام کے سفر میں کیا دکھ سہا سنو تم

جب اس غریب سرکوں لے شام سے پھرے ہیں
بیتاب ہو گے رن میں ہاتھوں پہ آ گرے ہیں
شہ کو اٹھا زمیں سے تابوت میں دھرے ہیں
وارث کو واں دفن کر مانگی رضا سنو تم

سنہ ۱۲۰۰ھ

شاہ میر مسکین

سلام

اے مدینہ کے ستارے السلام
کربلا کے سر آتارے السلام
صبح فطرت کے جمال آفتاب
شام غربت کے ادارے السلام
نور احمد نیر برج اسد
ماہ دیں کے تم ہنارے السلام
منزل تسلیم کے نازل ہوئے
اور رضا میں اپنے مارے السلام
خنجر خونخوار کے مہماں غریب
حلق پیاسے بن ادھارے السلام
تجھ گلے اوپر چھری جیدم چلی
شیر حق نے نعرے مارے السلام

میں ہوں مسکیں تم ہو شاہ دو جہاں
دین و دنیا کے سہارے السلام

مرثیہ

یا نبی جیسے تمہیں نبیوں میں سرداری ہے
سب کی خلعت سوں تمہارا سر و پا بھاری ہے
ویسی ہی آل تمہاری کوں دل آزاری ہے
سب سے زیادہ انہوں پر بیتی جفاکاری ہے

فاطمہ ہے تو بچاری کا جو گھر لوٹتا ہے
اولاً ظلم کا تارا اسی پر ٹوٹتا ہے
کہتی ہے میر النصیبہ تو عجب پھوٹتا ہے
باپ کے مرتے سوا مجھ پہ جفاکاری ہے

بچے اس سید مرحوم کے مرتے ہیں سبھی
اور۔ ان بچوں کا منہ دیکھ کے روتے ہیں سبھی
پانی ان بچوں کو نیں ملتا جلا جاتا ہے جی
بس نہیں چلتا موئے جاتے ہیں لاچاری ہے

زینب ان ماؤں سو بڑآئی تھی ایک ایک قدم
دودھ ہووے تو ہمیں فاطمہ اماں کی قسم
وہ اسے کہتی تھی اصغر کے اوپر واریاں ہم
کیا یہ چھاتی ہمیں اصغر سے بہت پیاری ہے

زینب اصغر کی اماں کو جو دلا دیتی آب
نہ کہیں دودھ رہا ہے نہ کہیں قطرۂ آب
اماں اصغر کوں ہے کہتی کہ مرے لعل گلاب
اماں رو رو کے سر اپنے کو پٹک ماری ہے

سامنے اس کوں بلاتی ہے کہ آ مرنے کوں
پیچھے کہتی ہے کہ آ گور و کفن کرنے کوں
دیر ہوتی جاتی ہے خنجر تلے سر دھرتے کوں
تیرے اصغر کی چلی جان چھٹی ناری ہے

یا نبی کچھ نہیں اب تاب مجھے بکھنے کی
مجھ کلیجہ جلے نے عرض جو کرنی تھی سو کی
میں ہوں مسکیں تمہارا مجھے غم سہنے کی
اب دو فرزند ہیں اور تم ہو خبرداری ہے

مرزا رفیع سودا

سلام

حسین تجھ کو یہ عرش بریں کرے ہے سلام
وہاں سے آن کے روح الامیں کرے ہے سلام

نقطہ نہ گردِ دل ہی تسلیم میں ہے تیرے خم
تجھے تو عیسیٰ گردوں نشیں کرے ہے سلام

وحوش خاک پہ جتنے ہیں اور ہوا میں طیور
جہاں ہے جو کوئی تجھ کو وہیں کرے ہے سلام

فلک پہ جو ہے سو کرتا ہے بندگی تیری
ہر ایک ساکن روئے زمیں کرے ہے سلام

جو اہلِ شرع کا ہے رکن وہ سدا تجھ کو
سمجھ کے صاحبِ شرعِ متیں کرے ہے سلام

ترا وہ نور ہے جس کے تئیں چہ مہر و چہ ماہ
ہر ایک خاک پہ گھس کر جبیں کرے ہے سلام

تری وہ ذات مکرم ہے اے شہِ دو جہاں
کہ جس کو خلقت دنیا و دیں کرے ہے سلام

تری جناب تو وہ خلق ہے کہ خالق نے
جسے ہمیشہ تمام آفریں کرے ہے سلام

عبودیت ہے تری فخر ایک عالم کو
ترے غلام کو فغفور چیں کرے ہے سلام

یہ نقش صفحۂ عالم پہ ہے ترا جس کو
ہر ایک صاحبِ تاج و نگیں کرے ہے سلام

نہ موج آب ہی پیاسی ہے بندگی کی تری
حباب بھی بہ رمِ واپسیں کرے ہے سلام

کسی خوشی میں ہو کوئی سنے جو تیرا نام
تو جان و دل سے وہ ہو کر حزیں کرے ہے سلام

تری جناب میں ہووے قبول یا شہِ دیں
ادب سے سودا بصدق و یقیں کرے ہے سلام

(۱۱۲۵ تا ۱۱۹۵ ہجری)

نوحہ

دیکھو چرخ کی بیدادی ہائے — فاطمہ آج ہیں فریادی ہائے
اہلِ بیتِ نبوی بیٹھے ہیں — شہر کو تج کے سوئے وادی ہائے
شام کی فوج نے آکر دیکھو — پل میں ویراں کی یہ آبادی ہائے
یا نبی تیری ہی اُمّت نے آج — یوں تری آل کو ایذا دی ہائے
پیٹ کر سر کو ملائک روئے — دیکھ کر شمر کی جلادی ہائے
صفِ مژگاں کی طرح اک پل میں — صف ایمان کی اُلٹا دی ہائے

سودا یہ سن کے ترا نظم کلام
کہتی ہے سوز کی استادی ہائے

مرثیہ

نہیں ہلال فلک پر مہِ محرم کا — چڑھا ہے چرخ پہ تیغا مصیبت و غم کا
دل اس طرح سے یہ گھائل کرے گا عالم کا — کہ واں نہ لگ سکے ٹانکا نہ پھاہا مرہم کا

دلوں میں آتشِ غم یہ رکھے ہے اب تب و تاب — کہ مور خاک میں اور مرغ ہوں ہوا میں کباب
کہ اس کو یاد جو آل نبی پہ بند تھا آب — ہر ایک چشمہ رواں ہوگا چشم پرنم کا

زمیں پہ زیرِ فلک ہے جو خلقتِ آدم — سروں پہ ڈالیں خاک اپنے اپنے سب اکدم
جدھر کرے گی خوشی تو یوں کہے گا غم — ادھر نہ آئیو ہرگز یہ گھر ہے ماتم کا

خوشی رہے گی نہ موجب سے اس کے پوچھے بن — کہے گا غم اسے آسودگاں کی اے ساکن
اسی مہینہ کی مارا پڑا وہ دسویں دن — شرف جو آدمیوں کا تھا فخر آدم کا

بڑا کیا تھا محمدؐ نے جس کو گود میں پال
گیا جہان سے پیاسا وہ فاطمہ کا لال
سپہر کے تھا ساقیٔ کوثر کے دوش پر مہ و سال
عطش ہے تن سے ہوئی روح کی سبب یم کا

ہزار طرح کے دریا رواں تھے دنیا میں
کئی غریب جو تھے کربلا کے صحرا میں
جو کوئی تھا سو وہ سیراب تھا ہر اک جا میں
نصیب ان کے نہ قطرہ ہوا کسی یم کا

یہ ظلم کس کی زباں کو ہے کہنے کا یارا
جوان میں طفل تھا تشنہ اس کو بھی مارا
نبی کا قتل کیا ظالموں نے گھر سارا
کیا نہ عمرو نے کچھ فرق زائد و کم کا

قضا کی تیغ کا جب سب کو کھا چکا جوہر
زباں نکال کے بولا یہ شمر کا خنجر
رہا نہ اس شہِ مظلوم کے کوئی یاور
کہ میں ہی اب تو ہوں اک آشنا دم کا

کہے جو تو تجھے جد کے کنے میں لے جاؤں
ترا اخی کہ جو ہے اس کے ساتھ ملواؤں
جو مرضی ہووے تو والد کے پاس پہنچاؤں
ملاپ چاہے جو تو اس شہِ مکرم کا

سخن یہ سن کے لگا کہنے وہ شہِ آفاق
رضائے حق کی ملاقات کا ہوں میں مشتاق
انہوں کا دل کو مرے اس قدر نہیں ہے فراق
جو ہووے ایسے میں تو ہو ملاپ باہم کا

خدا کی مرضی سے دل کو مرے محبت ہے
جنہوں کے ذائقہ در اس کی لذت ہے
جو آب تجھ میں ہے مجھ تشنہ لب کو شربت ہے
اثر مزاج میں ماں کے رکھے ہے یہ سم کا

ہمیں یہ مرتبہ پشتین سے چلا آیا
اور اب جو مجھ تک آ کے تیرے ساتھ پہونچا یا
مرے پدر کو بھی حق نے یہ جام پلوایا
ہمارے واسطے احسان ہے یہ پیہم کا

سن اس کو دشنہ گلے شہ کے لگ لہو رویا
غبار تن پہ جو تھا اپنے اشک سے دھویا

شہ اس سے مل کے فراغت سے اس طرح رویا
کہ تا ابد نہ کھلے پر وہ چشم پرنم کا

حرم کے اور کہوں پھیر کیا نصیبوں کے
گریں گے لخت جگر چشم سے جیبوں کے
فلک نے پھینک دیا سر پران غریبوں کے
سمیٹ کر ستم و جور سارے عالم کا

چلے جو شام وہ آفت رسیدہ ہو کے اسیر
نہ جانیے انہیں کس طرح سے کیا زنجیر
سنا گیا ہے کہ عابد کی تا بہ عمر اخیر
نشاں گیا نہیں گردن سے طوق بدخشم کا

نہ ساتھ تھا کوئی ایسا بجز خدا کی ذات
تھکے جو پاؤں تو اس ناتواں کے پکڑے ہات
گئے تھے جن کی رفاقت سے راہ میں دن رات
جگر پہ داغ پدر دل میں غم نبی عم کا

پیادہ وہ حرم اونٹوں پہ بے حجاب سوار
ہر ایک پاؤں میں زنجیر ہاتھ بیچ مہار
برہنہ پا وہ غریب اور دشت پر خار
غبار ہوئے تھے گل خوں سے اس کے مقدم کا

کبھو تو مانگے تھا پانی کسو سے وہ معصوم
کبھو تو چاٹے تھا ہونٹ اپنے پیاس سے مغموم
کبھو کہے تھا کہ اے وائے قسمت محروم
پیالہ پانی کا اب مجھکو جام ہے جم کا

گذرا انہوں کا ہوا حرب گاہ پر ناگاہ
پڑی جو اس تن بے سر پہ عابدیں کی نگاہ
بھری وہیں دلِ پرسوز سے اک ایسی آہ
کہ دھم سب کو ہوا شعلہ برق کا چمکا

زمیں وہ دیکھ کے چھینٹوں سے خون کے رنگین
کہا مدینہ کو منہ کر کے اے رسول امیں
خزان باغ رسالت میں مجھ کو علم نہیں
چمن یہ پھول رہا ہے کدام موسم کا

یہ وہ حسین ہے بے سر پڑا ہے جس کا تن
یہ وہ حسین ہے جس پر نہیں ہے پیراہن
یہ وہ حسین ہے جس کو ملا نہ گور و کفن
کہ جس حسین کا تو غم گسار ہر دم کا

کہا یہ رو کے نہیں سر جو اے پدر تیرا میں سر کے تیرے تصدق کہاں ہے سر تیرا
علم پہ سر ہے تن اس جا مدینہ گھر تیرا مجھے نظر نہیں آتا ہے لاپتہ باہم کا

اگر خوشی سے کہی غم نے یہ حکایت سب تو پھر جہان میں یارو خوشی رہیگی کب
ہر ایک روئے گا تا حشر روز و شب بپا کرے گا دمامہ حسین کے غم کا

زہے نصیب جو سودا رلائے یا روئے جز اشک نامۂ اعمال کس طرح دھوئے
یہ روسیاہ تو ایسا نہیں جسے ہووے تلاش مرثیہ گوئی سے دام و درہم کا

○

میر حسن

کیونکر خدا نہ بخشے گنہ اس غلام کا
بندہ ہوں دل سے آلِ محمدؐ کے نام کا

بھیجوں ہوں زلف و رخ پہ محمدؐ کے نت درود
میں نے کیا ہے وِرد یہی صبح و شام کا

جلوہ سے ہے نبی ہی کے یہ ساری کائنات
خلق وہی ہے دونوں جہاں میں تمام کا

ہو مہر جس پہ اس کا تو ذرہ ہو آفتاب
ہے بعد اس کا رتبہ رساں خاص و عام کا

سب حق ہے بعد اس کے وہی اس کا مرتضیٰ
حق کو نہ مانے جو کوئی ہے وہ حرام کا

شیر خدا کا بس کہ تولد ہوا ہے وال
واجب ہے سجدہ اس لئے بیت الحرام کا

میں دوستدار پنجتن اور اہل بیعت ہوں
بندہ ہوں جاں نثار ہوں بارہ امام کا

ہوتی ہے جن کی بندگی ان کی جناب میں
ان کو مقام ملتا ہے دارلسلام کا

سیراب مجھ کو کیجئے محشر میں یا علےؑ
امیدوار رہتا ہوں کوثر کے جام کا

گر ہو قبول یہ غزل نعت و منقبت
شہرہ جہاں میں تب ہو حسن کے کلام کا

(۱۱۴۰ھ تا ۱۲۰۱ھ)

سکندر پنجابی

مرثیہ

ہے روایت شتر اسوار کسی کا تھا رسول ۔ ان دنوں شہر مدینہ میں ہوا اس کا نزول
جس محلہ میں بہم رہتے تھے حسنین و بتول ۔ ایک لڑکی کھڑی دروازہ پہ بیمار و ملول
خط لیے کہتی تھی پردے کے قریں زار و نزار
ادھر آ تجھکو خدا کی قسم اے ناقہ سوار

ناگہاں سن شتر اسوار وہ آواز حزیں ۔ باادب آن کے کہنے لگا پردے کے قریب
کوئی اس گھر میں ولا سے کو ترے ہے کہ نہیں ۔ اتنی سی عمر میں کیا دکھ ہے جو تو ہے غمگیں
کون سی قوم کی لڑکی ہے تو بیمار و صغیر
کیا ترا نام ہے تو کس کے لئے ہے دلگیر

وہ لگی کہنے کہ سن بندۂ حی القیوم ۔ میرا نانا ہے نبی، باپ علی باب علوم
یہ محلہ بنی ہاشم کا ہے سب کو معلوم ۔ اور میں لڑکی جو بیمار ہوں دکھیا مغموم
فاطمہ صغرا ہی واسطہ ہے میرا نام
دادی زہرہ کی سی صورت ہے مرے منہ کی تمام

ایک تو فاقہ کشی دوسرے میں بیمار ۔ ایک دانہ نہیں کیا دوں تجھے اے ناقہ سوار
ایک مقنع ہے مرے سر پہ تو دیتی ہوں اتار ۔ میں نے بخشا مرے بھائی مرا خط لے کے سدھار
کہیو رو رو کے زبانی یہ میرا سب پیغام
بندگی میرے بڑوں کو میرے چھوٹوں کو سلام

میرے ماں جائے سے کہیو کہ تو اتنا کیجیو ۔ میری جانب سے سکینہ کی بلائیں لیجیو
اور مری بہنوں سے رو رو کے یہی کہہ دیجو ۔ کھانا واں کھاؤ تو یاں آن کے پانی پیجو
بھائی اکبر سے یہ کہیو کہ وطن کو جاؤ
پھیر بابا کو مدینہ کی طرف لے آؤ

۱۲۱۸ھ

میر نقی میر

سلام

اے بدخشانِ نبیؐ کے لعلِ احمر السّلام
اے گلستانِ علیؑ کے لالۂ تر السّلام
ایک ساعت ہی میں امت پھر گئی نانا کی سب
کیا قیامت لائی تیرے سر کے اوپر السّلام
بوند بھر پانی نہ دریا پر تجھے پینے دیا
اے تمنائے دلِ ساقیٔ کوثر السّلام
سب کنارے لگ گئے تو بحرِ خوں میں غرق ہے
اے کنارِ مصطفےٰؐ کے ناز پرور السّلام
تو تو شاہِ دیں تھا ایسا ہو کے بے کس کیوں ہوا
اب نہ تن پر سر ہے نے سر پہ ہے افسر السّلام
بات کو بے پردہ کہیئے کس طرح اب ہائے ہائے
ہیں حرم کے لوگ اب محتاجِ چادر السّلام

کیا ستم کشیاں بیاں تیری کرے دل خستہ میرؔ
نام تیرا سن کے آنکھیں ہوتی ہیں تر السّلام

میر تقی میر

الوداع

الوداع اے افتخار نوعِ انساں الوداع
بادشاہِ کم سپاہِ اہلِ ایماں الوداع

اے تمنائے دلِ زہرائے بےکس ہے دریغ
اے ستم کشتۂ علی کے خواہش جاں الوداع

ہو گئے پانی جگر حسرت سے جب تو نے کہا
خشک لب اہلِ حرم سے ہو کے گریاں الوداع

یوں چمن کو کس نے دکھلایا ہے آ کے معرکہ
سرخ تھی سب تیرے خوں سے خاک میداں الوداع

اے بزنگ خال یکسر داغ تجھ پر صد صلوات
دے لسیانِ گیسوواں خاطر پریشاں الوداع

مرگ اصغر میں ہوا ہنگامہ برپا حشر کا
تو نے رو کر جو کہا اے عقل ناداں الوداع

کھانے پینے کی رہی کیا قید تجھ پر ہے ستم
اے عزیز اس مجلس دوناں کے مہماں الوداع

مر گئے بیٹے بھتیجے سب تری تصویر سے
ہو گیا تو حال میں اپنے ہی حیراں الوداع

نقل اب کیا بے سر و سامانی تیری کیجیے
اے نہ تیرے تن پہ سر نے سر کو ساماں الوداع

عورتیں بےکس گئیں سو لب پہ انکے ہائے وائے
کر گئے سر کٹ گئے ہی سب انصار و اعواں الوداع

پاس پیکر کے کھڑی کلثوم لب پر الفراق
ساتھ سر کے کہتی زینب خاک افشاں الوداع

خاک میں بھی دفن ہوتا تیری قسمت میں نہ تھا
اے تمام اندوہ کم انبوہ سلطاں الوداع

تو مسافر ہو گیا دو گام چل کر اے حسین
شہر بانو تھی بیاباں در بیاباں الوداع

ایک بیٹا بیکس و بیمار سو کیا کیا کرے
زاری و فریاد وائے سوز و افغاں الوداع

مرثیہ تو میر تو کہتا ہی تھا پر اب کی یہ
کیا کہی ہے ہائے اے نم ناک مژگاں الوداع

۱۱۳۷ھ تا ۱۱۹۷ھ

میر تقی میر

مرثیہ

فلک قتل سبط پیمبر ہے کل
یہ ہنگامہ ہونا مقرر ہے کل
سحر، شام تیرہ سے بدتر ہے کل
بلا کل مکل ہے کہ محشر ہے کل

کہاں ہوگا افسر سر شہ کہاں
یہ خیمہ کہاں اور خرگہ کہاں
جو کچھ ہے حشم آج سو یہ کہاں
یہ حاکم نہ یاور نہ داور ہے کل

نہ ہوگا کوئی جو کرے داوری
رہے گی وہ لاش اس زمیں پر پڑی
نگہباں ہوگا خدائے قوی
مصیبت عجب ایک اس پر ہے کل

نہ ہوگا کوئی یار و انصار آہ
نہ خویش و برادر نہ رتبہ نہ جاہ
مرے گا بہت ہو کے بےکس وہ شاہ
نہ قاسم نہ اکبر نہ اصغر ہے کل

جو بازو ہیں جاویں گے سب دے کے جاں
نظر حق کے اوپر کرے سو کہاں
ستم ہوگا چاروں طرف سے عیاں
نہ احمد معاون نہ حیدر ہے کل

نہ عباس ہوگا نہ ہوگا علم
کہ ہاتھ اس کا بازو سے ہوگا قلم
رہیں گے جو پیچھے کسانِ حرم
سو ان کو نہ جاگہ نہ گھر در ہے کل

سرِ شہ نہ ہوگا یہ اسرار ہے
رہے گا جو سجاد بیمار ہے
کسانِ حرم اور بازار ہے
سو اس کا نہ دروانہ بستر ہے کل

معزز حرم کے رہیں گے جو لوگ
اسیری و غارت سے چاہوں کو روگ
پریشاں پھریں گے گرفتار سوگ
نہ پردہ انہوں کا نہ چادر ہے کل

جہاں جائے عبرت ہے کیا اعتبار
شکستِ شہ دیں سے ہے آشکار
ہمیشہ نہیں ایک کا اختیار
نہ وہ کو کبہ ہے نہ لشکر ہے کل

دم آب ہووے گا نایاب واں
نہ دولت سرا وہ نہ اسباب ماں
نہ کنبہ قبیلہ نہ اسباب واں
نہ ساماں نہ سر ہے نہ سرور ہے کل

تنِ نازنیں ہوگا گھائل تمام
جبیں سے بہے گا لہو لعل خام
بلا ہوگا اس ایک پر اژدھام
گلوئے مبارک پہ خنجر ہے کل

بچے گا جو بیٹا سو ہوگا اسیر
کہا کرتے ہوں گے صغیر و کبیر
عزیز حرم سب بہ حال متغیر
کہاں ایسی غارت سے وہ گھر ہے کل

سکینہ کہے گی پدر کیا ہوا
نہ کلثوم کے پاس ہوگی ردا
کرے دل دہی جو گلے سے لگا
نہ زینب کے تارک پہ معجر ہے کل

قیامت ہے ادھر کو ہوگا گذار
نظر آوے گی لاش شہ ایک بار
جدھر اس طرح کا ہوا کارزار
نہ ہوگا وہ ساماں نہ وہ سر ہے کل

نہ ہووے گا سادات میں مرد ایک — مگر عابدِ زار اور زرد ایک
زمیں سے اٹھے گی سیاہ گرد ایک — سپہر بریں تک مکدّر ہے کل

سرِ شہ سناں پر رکھا جاوے گا — لٹا قافلہ سبھی چلا جاوے گا
بس اب مت لکھے کیا لکھا جاویگا — زمانہ ہی لے تیر دیگر ہے کل

نظیر اکبر آبادی

منقبت

نور ظہور خالق اکبر کو کیا لکھوں　　روح روان جسم پیمبر کو کیا لکھوں
دریائے معرفت کے شنا ور کو کیا لکھوں　　دونوں جہاں کے گوہر انور کو کیا لکھوں
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں

گر نور اس کا دیکھ کہوں شمس اور قمر　　وہ اس کا ذرّہ نور کا وہ اس کا فیض بر
تارے تو جوں ستارے ہیں اس کفش پا اوپر　　اور قطب کھتی تو اس سے ہی قائم ہے بے خطر
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں

اور جو کہوں کہ چشمۂ آب حیات ہے　　یا خضر ہے تو یہ کوئی کہنے کی بات ہے
اس کے عرق کی جسم کی یہ قطرجات ہے　　اور اس کی اس کی فضل سے یارو نجات ہے
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں

اس شاہ کے اگر لب و دندان کی صفا　　کہہ دے کوئی کہ لعل و گہر ہیں یہ بے بہا
سو وہ تو صدقے ہو کے رہا خاک میں گڑا　　اور یہ کبھی ہوشیار سدا آب میں رہا
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں

ثنا ہا تری جو مدح بنا تا ہے اب نظیر   تیرے سوا کسی کی کہاتا ہے کب نظیر
لیکن قلم کو ہاتھ لگاتا ہے جب نظیر   صلوات پڑھ کے یہی سناتا ہے تب نظیر
حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں

سنہ ۱۱۴۰ھ

کروں کیا وصف میں ان کا الم ناک   کہ جن کی شان میں آیا ہے لولاک
پھرا جو عرش اور کرسی پہ چالاک   کہاں وہ اور کہاں یہ میرا ادراک
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

محمد رحمت اللعالمین ہے   حبیب حق شفیع المذنبین ہے
رسول پاک ختم مرسلین ہے   کوئی ایسا خدائی میں نہیں ہے
لگا تحت الثریٰ سے تا بہ افلاک

محمد اور علی یاقوت احمر   در بحر خدا خاتون اطہر
زمرد لعل ہیں شبیر و شبر   جواہر خانۂ قدرت کے اندر
یہی پانچوں گہر ہے پنجتن پاک

انہیں کے واسطے خلد عدن ہے   انہیں کے واسطے نہر لبن ہے
جنہیں ان کی محبت کا چلن ہے   بہشتی حلہ اور ان کا بدن ہے
سدا سیر بہشت اور سایۂ تاک

علی جو شہسوار لافتا ہے   امیر المومنیں شیر خدا ہے
فلک ہیبت سے اس کی کانپتا ہے   علی جو صفدر روز وغا ہے
کہ جس کی شرق سے ہے غرب تک دھاک

علی نے مہد میں چیرا ہے اژدر — علی نے کاٹ ڈالے عمرو و عنتر
الٹ ڈالا ہے اک حملے سے خیبر — خواص اشیا کا پھیرے گر وہ سرور
تو ہو تریاک زہر اور زہر تریاک

علی کو مصطفےٰ نے جی کہا ہے — علی کو جسمک جسمی کہا ہے
علی کو لحمک لحمی کہا ہے — علی کو روحک روحی کہا ہے
یہ سمجھے وہ خدا دے جس کو ادراک

علی کو خاص نسبت ہے نبی سے — نبی کو راہ دل میں ہے علی سے
وہ دونوں ایک تن اور ایک جی ہے — کسی کو تاب کیا غیر از علی سے
جو لیوے مصطفےٰ کے تن کی پوشاک

علی کو جو کوئی پہچانتا ہے — برابر مصطفےٰ کے مانتا ہے
جو ان میں کچھ تفاوت جانتا ہے — وہ اپنے خاک سر پر چھانتا ہے
لگائی اس نے دوزخ کی مگر تاک

پڑھوں جس دم مناقب میں علی کا — پھٹے سینہ مخالف خارجی کا
حواس اڑ جائے ہر اک ناصبی کا — دھڑک جاوے کلیجہ مدعی کا
عدو کا دم ہو جائے جگر چاک

رہوں یاں جب تلک رکھ میری عزت — مروں تو کچھ نہ ہو مجھ کو اذیت
پھر آوے جس گھڑی روز قیامت — نظیر اپنے کی واں بھی رکھیو عزت
خداوندا بحق پنجتن پاک

امام بخش ناسخ

رباعیات

شرمندۂ شاہ کربلا ہے پانی
کیا فیض سے محروم رہا ہے پانی
گرتے ہیں جو اشک چشم ثابت یہ ہوا
گویا نظروں سے گر گیا ہے پانی

اے ابن علی امام عالم تو ہے
اے شیر جری امام عالم تو ہے
ماتم ہو ترا ماتم عالم میں نہ کیوں
یا سبط نبی امام عالم تو ہے

تھم جائیں غم شاہ میں کیونکر آنسو
جاری ہی رہیں گے زندگی بھر آنسو
پیتا ہوں جو یاد عطش شاہ میں آب
بہتا ہے چشم تر سے بن کر آنسو

تعریف کروں کیا میں شہ والا کی
موسیٰ کی ہے کچھ خدا نہ یاں عیسیٰ کی
شبیر کا جو لہو بنا ہے یہ مشفق
ادنیٰ سی ہے یہ دلیل رتبہ اعلیٰ کی

سلام

بلبل ہوں بوستان جناب امیر کا
روح القدس ہے نام مرے ہمصفیر کا
بیعت خدا سے مجھ کو ہے بے واسطہ نصیب
دست خدا ہے نام مرے دستگیر کا
ایثار دیکھنا کہ عیاں بل اتیٰ میں ہے
مسکیں کے بعد ذکر یتیم و اسیر کا
کیوں جو فروش کرتے تھے گندم نمایاں
خود ذوق تھا جناب کو نان شعیر کا

انگشتر اپنی دے کے سلیمان کر دیا
طاعت میں بھی سوال سنا گر فقیر کا

جس کو کیا نشانہ ہوا دم میں بے نشاں
ہر پر ہے ملک شہپر ملک الموت تیر کا

پوچھا جو حال تخت سلیماں سے ایک دن
بولا کہ زینہ ہوں میں علی کے سریر کا

بخشش کی ہے امید علی کبیر سے
ہوتا ہوں مرتکب جو گناہ کبیر کا

جب تک نہ آب پاک دہان نبی پیا
اس شیر کے نہ دل میں خیال آیا شیر کا

اہل نفاق کفر خفی کرتے ہیں نہاں
تھا علم باب علم کو ما فی الضمیر کا

کیونکر قسیم نار جناں ہو نہ مرتضےٰ
نائب ہے وہ جناب بشیر و نذیر کا

جو کچھ کہ دل میں ہے وہ ہے جاری زبان پر
ہے نشہ مجھ کو بادۂ خم غدیر کا

حکم خدا سے حق ہے ادہر ہے جدہر علی
کیا غم شقیقہ سندی جم غفیر کا

یارب حصار امن میں رکھیو مجھے مدام
مداح ہوں ازل سے شہ قلعہ گیر کا

ناسخ کا ادعا ہے یہی روز باز پرس
میں ہوں غلام شاہ رسل کے وزیر کا

۱۱۴۰ھ

حیدر علی آتش

سلام

عاشق شیدا علی مرتضیٰ کا ہو گیا — دل مرا بندہ نصیری کے خدا کا ہو گیا
قرب حق حاصل ہے اسکو مرد عارف ہے وہی — یا علی پیرو جو تجھ سے پیشوا کا ہو گیا
ساختہ پرداختہ تیری ہے ساری کائنات — حکم حضرت سے وجود ارض و سما کا ہو گیا
وقت مشکل میں کہا جس وقت یا مشکل کشا — سہل چھٹکارا گرفتار بلا کا ہو گیا

کون ثقیں ہے ولی اللہ اے مولا مرے
کعبہ پیدائش سے تیرے گھر خدا کا ہو گیا

مجذوب فرزند رفیع السودا

سلام

لے صبا میری طرف سے بصد اسلوب سلام
لے جا اس کو جو نبی کا ہے محبوب سلام

بھیجتے ہیں جو سلام اب سلام لبعد نماز
ہے طرف تیرے علم ہی بادشاہ وہ منسوب سلام

پاک صابر بہ رضا تجھکو ہی پڑھ پڑھ کے درود
بھیجے ہے شام و سحر حضرت ایوب سلام

یاد کر تیری مصیبت کو سدا بھیجے ہے
الم دل کو علی کے غم یعقوب سلام

بھیجنا روح مقدس پہ تری اے شہ دیں
دل کو ہوں کے شب روز ہے مرغوب سلام

طوطی ناطقہ خلق ہوئی ہوں گویا
کہ تری ذات کو تنہا بھیجنا مطلوب سلام

تو تو مسجود خلائق دو جہاں میں ہے ولی
رسم یوں ہے کہ کہیں عاقل و مجذوب سلام

فقیر محمد خاں گویاؔ

سلام

لازم ہے مجرئی کو اطاعت حسین کی — مغفور پہلے ہوگی جماعت حسین کی
مشکیں بہا کے ریگ پہ ہنستے تھے اہل شام — تغیّر تھی جو پیاس سے حالت حسین کی
روتے تھے زار زار پیمبر بہشت میں — کرتے تھے جب کہ یاد مصیبت حسین کی
سجدے میں سر جھکا دیا محراب تیغ میں — زخموں سے صرف سب ہوئی طاقت حسین کی
بیعت طلب حسین سے کی ظالموں نے ہائے — واجب یہ تھا کہ کرتے وہ بیعت حسین کی
خنجر چلا کیا نہ اٹھی سجدہ سے جبیں — افزوں ہے سب جہاں سے عبادت حسین کی
جو جو ستم لعین کریں صبر کیجئے — اہل حرم کو تھی یہ وصیت حسین کی
گہوارہ اکثر آکے ہلاتا تھا جبرئیل — سمجھو تو کس قدر ہے فضیلت حسین کی
آتے تھے یا تو اس کے لئے حلۂ بہشت — یا سر برہنہ پھرتی ہے عزت حسین کی
خنجر بکف جو آیا شقی سر جھکا دیا — کس مرتبہ ہے واہ مروت حسین کی
ماں بنت مصطفےٰ ہے تو ہے باپ مرتضیٰ — عالم سے ہے زیادہ شرافت حسین کی
کیا رتبہ ہے کہ چھوڑ کے ابن خلیل کو — مقبول کی خدا نے شہادت حسین کی
سر نیزہ پر بھی سورۂ یوسف پڑھا کیا — ناغہ کبھی ہوئی نہ تلاوت حسین کی
افسوس جلتی ریگ پہ بے غسل و بے کفن — چالیس دن پڑی رہی میت حسین کی
ہر چند دھوپ موسم گرما کی تھی مگر — شاداب مثل گل رہی صورت حسین کی

گویا کو یہ کہیں کہ ہمارا ہے یہ محب
ہو روز حشر اتنی عنایت حسین کی

سنہ ۱۱۷۰ھ

سلام

جس وقت سرِ شاہِ شہیداں نظر آیا — یوں روئے حرم مجرئ طوفاں نظر آیا
دل ٹکڑے ہوئے یاد مجھے آ گئے عابد — جس وقت کوئی چاک گریباں نظر آیا
روتے تھے سبھی دیکھ کے لاشہ شہ دیں کا — جز زخم بدن کوئی نہ خنداں نظر آیا
عابد کے نظر آئے جب پاؤں کے چھالے — ہر دیدۂ گریاں گہر افشاں نظر آیا
دیکھوں نہ کہیں خوں میں بھرے گیسوئے اکبر — شہ بولے مجھے خواب پریشاں نظر آیا
سجاد کا یہ حال ہوا باپ کے غم میں — دامن نظر آیا نہ گریباں نظر آیا
عابد نے جو دیکھا تو نہیں کوئی بھی غمخوار — ہاں پاؤں میں اک خارِ مغیلاں نظر آیا
نیزوں میں گھرا دیکھ کے اکبر کو شہ دیں — فرمانے لگے شیر نیستاں نظر آیا
شہ کہتے تھے یعقوب سے یوسف تو ملے تھے — لیکن نہ ہمارا مہِ تاباں نظر آیا
اکبر نے شبِ عقد جو قاسم پہ نظر کی — آئینہ کی مانند وہ حیراں نظر آیا
زنداں میں گئی ہائے جو وہ زینبِ جنت — بہتر کہیں جنت سے وہ زنداں نظر آیا

کرتا ہوں بیاں شاہ کا رو تا ہوں میں دن رات
گویا مری بخشش کا یہ ساماں نظر آیا

مرثیہ

دیتے تھے اہل بیت پیمبر کے واسطے — سنتے تھے مجرئ نعلین زر کے واسطے
کہتے تھے شبر تک نہیں اصغر کے واسطے — پانی پلاؤ ساقئ کوثر کے واسطے

جب تیر کھا کے اصغر بے شیر مر گیا
یا شاہ دیں بتاؤ مرا لال کیا ہوا
گودی کو خالی دیکھ کے بانو نے یہ کہا
اصغر کو لاؤ خالق اکبر کے واسطے

کہتی تھی بانو بیٹے سے لڑنے کو تو نہ جا
ماں ہوں میں تیری مان لے اتنا مرا کہا
اور جائے گا تو پھر مجھے جیتا نہ پائیگا
اکبر تجھے میں دیتی ہوں سرور کے واسطے

سمجھا نہ یہ شقی کہ سکینہ ہے بے پدر
مطلق رہا نہ دل میں یہ اللہ کا خطر
کانٹے پڑے ہیں پیاس سے اس کی زبان پر
دوڑا یا ہا تھ اس نے جو گوہر کے واسطے

تھی بہر اہل بیت محمدؐ بنائے خلد
آتے تھے جن کے واسطے یاں علّہ ہائے خلد
زنداں ہوا نصیب انہیں یاں بجائے خلد
محتاج ہو گئے چادر کے واسطے

زینب یہ کہتی تھی کہ مرا کاٹ ڈال سر
آخر کو کاٹ ڈالا سرِ شاہ بحر و بر
اے شمر میرے بھائی کی چھاتی سے تو اتر
دیتی رہی خدا و پیمبر کے واسطے

صغرا کو ناگوار جو تھی فرقت پدر
لائے الٰہی جلد مرے باپ کی خبر
کہتی تھی خط کو بالِ کبوتر سے باندھ کر
شبیر نے یہ نامہ کبوتر کے واسطے

سب کٹ گئے تو لٹ گیا خیمہ امام کا
رو رو کے ظالموں سے سکینہ نے تب کہا
بے رحم جب کہ سر سے لگے چھیننے ردا
چادر تو چھوڑ دو مری مادر کے واسطے

زینب پکاری قتل کیا سب کو ظالمو
سر پر ہمارے ایک تو سرور کو رہنے دو
اتنا تو رحم حال پہ بچوں کے تم کرو
دیتی ہوں تم کو روح پیمبر کے واسطے

آیا جو غیض میں پسر شاہ ذوالفقار　　آپس میں کانپ کانپ کے بولے وہ بدشعار
حضرت کے ہاتھ میں ہے وہی تیغ آبدار　　اتری تھی آسماں سے جو حیدر کے واسطے

صغرا کو چھوڑ کر جو چلے کربلا کو شاہ　　اہل حرم کا حال تھا کس مرتبہ تباہ
دختر بلکتی رہ گئی مادر کی خاطر آہ　　مادر تڑپتی جاتی تھی دختر کے واسطے

گویا فقیر ہے ترے نانا کے نام کا　　یا شاہ دیں ہے بس یہی مطلب غلام کا
روضہ ہے جس زمین پہ خیر الانام کا　　تھوڑی سی جا ملے مجھے بستر کے واسطے

اسیرؔ لکھنوی

رباعیات

نور نظر شاہ ولایت ہیں حسین
لخت جگر ختم رسالت ہیں حسین
جو ہاتھ کہ ہے دست زبردست خدا
اس ہاتھ میں انگشت شہادت ہیں حسین

رکھتے تھے حسین نیند دلبت حیدر
تھے زور میں دست حق پرست حیدر
اپنے جو پیمبر کو دیے تھے حق نے
وہ شہ کو ملے دست بدست حیدر

شبیر نے کیا اوج سعادت پایا
پیدا جو ہوئے تاج شفاعت پایا
لکھے گئے جب لوح پہ انعام کے حرف
استاد ازل سے سب نے خلعت پایا

ہر چند کہ اعدا کے ستم کم نہ ہوئے
پر تنگ کبھی سید عالم نہ ہوئے
کس شوق سے سر دیا ہوئے قتل رفیق
افسوس ہے اتنا کہ وہاں ہم نہ ہوئے

سونگھے جو کوئی ہنوز خاک شبیر
معلوم ہو حال دردناک شبیر
تسبیح سے ظاہر ہے غریب الوطنی
گردش میں ابھی ہے خاک شبیر

ہر چند کہ ہے شکل خوشی پیش نگاہ
مٹتا نہیں سینے سے داغ غم شاہ
شبیر سا دنیا میں نمازی نہ رہا
ہو شام صفت اے سحر عید سیاہ

مقبول در   آتے ہیں
جو شبر خدا ہیں وہ ولی آتے ہیں
اتنا نہ ستا جسم کو اے دیو مرض
چل دور ہو کافر کہ علی آتے ہیں

سلام

حصن حصین ہے ذکر جناب امیر کا
جوشن ہے نام پاک سغیر و کبیر کا

قول علی حدیث پیمبر سے کم نہیں ،
فرمان پادشاہی ہے سقہ وزیر کا

آیا نظر حکیم کو جلوہ جو طور پر !
پرتو تھا ایک خنجرِ روشن ضمیر کا

کیونکر نہ ہو بلند سلیماں سے مرتبہ
دوش نبی ہے پایہ علی کے سریر کا

موسیٰ کے ہاتھ میں نہ رہے کس طرح عصا
درباں تھا باب علم رسول کبیر کا

قبضہ میں اس جناب کے ظاہر ہے شمس ہے
قائل جہاں ہے رجعت مہر منیر کا

لغزش کہاں قدم کو اگر دستگیر ہے
بازو نبیؐ کا ہاتھ خدائے قدیر کا

حاصل تھا بعد مرگ سلیماں کا مرتبہ
تابوت خود اٹھا شہ گردوں سریر کا

نام علی ہو وردِ زباں وقت نزع بھی
ہو خاتمہ بخیر الٰہی اسیر کا

سنہ ۱۲۷۰ھ

رند لکھنوی

منقبت

شیر حق واقفِ خفی و جلی
محرمِ رازِ دارِ لم یزلی

بات جو دل میں آئی منہ سے کہی
رند رکھتا نہیں کسی سے لگی

بعد احمد سمجھ علی کو وصی
ورد کر صبح و شام نام علی

عشق بازی میں یہ ہوا حاصل
دل کے جھگڑے میں مفت جان چلی

لوگ بد وضع ہیں زمانہ کے
آبرو رکھ لے نبی کے وصی

مجھ سا بیکس نہیں زمانہ میں
شمع تک گور پر نہ جس کے جلی

زندگانی ہے میری مثل حباب
مغتنم ہے گھڑی جو کوئی ٹلی

ذوالفقار علی ہے میری زباں
رکنے والی نہیں یہ اتنو چلی

دل پژمردہ کا یہ حال ہے اب
جیسے مرجھا گئی ہو کوئی کلی

یا علی کہہ کے مار دشمن کو
زور بازو سمجھ تو نام علی

ہے زباں منہ میں نام کو گویا
بات نکلی کبھی بری نہ بھلی

رند بے دست و پا ہے مشکل میں
اب مدد کیجیے یا علیِ ولی

۱۲۲۲ تا ۱۲۶۵ ھ

فائق لکھنوی

منقبت

ہوا آغاز و انجام اس طرح سے نظم خلقت کا
نبی مقطع رسالت کا علی مطلع امامت کا

ہوا بیت الحرم مشرق ترے نور ولادت کا
تو ہے مصراع اول مطلع صبح امامت کا

کرے کیا وصف انساں اس کے اوج کاخ عزت کا
فلک زینہ ہے جسکی بارگاہ عرش رفعت کا

جو ذات پاک ختم مرسلیں ہے مطلع اوّل
تو حیدر حسن مطلع ہے بیاض نظم قدرت کا

روا ہے بے خودان عشق حیدر کا دہر سجدا
نجف ہے قبلۂ ایماں ادب دان محبت کا

اٹھا زخم دامندار فرق پاک سے یہ تھا
خدا کے گھر میں پایا آپ نے خلعت شہادت کا

فضائے عالم قدس سے ردائے پاک رکھتا ہے
کہ جبریل امیں جاروب کش ہے صحن تربت کا

بجا ہے کہیے گیارہ باب گر اولاد اطہر کو
ہے تیری ذات دیباچہ گلستان امانت کا

بلا شک جائے گا جنت کو سیدھا آپ کا پیرو
خضر نقش قدم ہے جادۂ راہ ہدایت کا

نہ پہونچے گا بجز حب علی تا منزل مقصد
کہ اس کا عشق صادق بھی خضر ہے راہ جنت کا

پڑی جب درمیاں دم میں نکالا حق کو باطل سے
یہ اک ادنیٰ سا جوہر ہے تری تیغ عدالت کا

علی مرتضیٰ کو زیب دیتا ہے یہ شان یداللہی
کہ وہ اک پیش دست کارکن ہے دست قدرت کا

زمیں سے تا فلک روشن ہے قدر و منزلت اسکی
بلا شک نیر اعظم علی ہے برج عظمت کا

کبھی اندام سے خورشید کے رعشہ نہیں جاتا
اثر باقی ہے اب تک شیر حق کے رعب و صولت کا

منور میرا شمع بزم دیں تشریف لائے گا
فائق مجھ کو نہیں ہے خوف تاریکیٔ تربت کا

۱۲۶۵ھ

آغا حسن (امانت) لکھنوی

قصیدہ

مداح میں ہوا سشہ گردوں جناب کا — ذرہ کو حق نے رتبہ دیا آفتاب کا
لکھا جو وصف روئے شہ بوتراب کا — مطلع ہوا نظیر افق آفتاب کا
ہے دل میں نور عشق رخ بوتراب کا — جلوہ ہے ایک ذرہ میں سو آفتاب کا
عاشق ہوں میں ازل سے رخ بوتراب کا — عالم ہو داغ دل میں نہ کیوں آفتاب کا
ہم نام ہے جو دور فلک میں تراب کا — اس ڈر سے کانپتا ہے بدن آفتاب کا
ظاہر ہو سب پہ رتبہ نہ کیوں بوتراب کا — روشن ہے ذرہ ذرہ پہ حال آفتاب کا
پرتو ہے دل میں عشق رخ بوتراب کا — ہے عکس اپنے آئینہ میں آفتاب کا
کافر ہو جس کو ذوق ہو جام شراب کا — ہے جوش اپنے سینہ میں کوثر کی آب کا
وصفِ ابوتراب میں چلنے لگا قلم — رستہ بتا دیا مجھے ملک ثواب کا
میں جوشِ عشق ساقیٔ کوثر سے مست ہوں — ہوتا ہے نشہ اور کسی کو شراب کا
سائل علی سے ہیں مے کوثر کے اے فلک — ساغر ہمارے ہاتھ میں دے آفتاب کا
اس کی سموم قہر، جو دریا پہ رخ کرے — ہو جائے قحط مردم آبی پہ آب کا
گن گن کے کاٹتا ہے جو حب علی میں دن — دھڑکا نہیں ہے کچھ اسے روز حساب کا
کیفیت شراب طہورا جو کھل گئی — جی بھر گیا شراب سے مجھ دل کباب کا
کیا آبرو ہے دشتِ نجف کے غبار کی — گردوں پہ جا کے بنتا ہے لکہ سحاب کا
ہر ابوتراب اگر ہو گی زیر خاک — عالم لحد میں ہو گا شب ماہتاب کا
باغ نجف کو دیکھ کے برگ خزاں کی طرح — منہ زرد ہو گیا ہے گلِ آفتاب کا

کرتے ہیں لطف دہر کے مشکل کشائیاں
کیا مومنوں پہ لطف و کرم ہے جناب کا

مشکل کشائی کرنے کو تشریف لاتے ہیں
آتا ہے وقت نزع میں جب اضطراب کا

کیا لذتیں ہیں ساقیِ کوثر کے عشق میں
دل ہجر میں جلے تو مزہ ہے کباب کا

باراں ہے کشتِ دل کے لئے وہ فلک جناب
قہر و کرم اشارہ ہے برق و سحاب کا

کافر ہے شک ہے کچھ جسے حیدر کے باب میں
داماد خاص ہے یہ رسالت مآب کا

دل نے کہا کہ چل کے زمینِ نجف پہ سو
آیا مجھے خیال اجل کے جو خواب کا

یارب یہ منہ سے نکلے امانت کے زیر خاک
عاشق ہوں جان و دل سے شہ بوتراب کا

خلیق:

مرثیہ

تجھ سے جب بہر سفر سیّد عالم نکلے
سر جھکائے ہوئے با دیدۂ پُرنم نکلے
خویش و فرزند کمر باندھ کے باہم نکلے
رو کے فرمایا کہ اس شہر سے ہم نکلے

رات سے گریہ و زاری کی صدا آتی ہے
دیکھیں قسمت ہمیں کس دشت میں لیجاتی ہے

رُخ گیا شہ نے سوئے قبرِ شہنشاہ انام
بہر تسلیم جھکے متصل باب سلام
اور بڑھ کر جو گئے قبر کے نزدیک امام
عرض کی آیا ہے آج آخری رخصت کو غلام

یہ مکاں ہم سے اب اے شاہ زمن چھٹتا ہے
آج حضرت کے نواسے سے وطن چھٹتا ہے

چین سے سب ہیں گھروں میں مجھے ملتا نہیں چین
سخت آفت میں پھنسا آپ کا ہے نورِ عین
ٹکڑے دل ہوتا ہے جب رو کے حرم کرتے ہیں بین
ننھے بچوں کو بھلا لے کے کدھر جائے حسینؑ

شہر میں چین نہ جنگل میں اماں ملتی ہے
دیکھیے قبر مسافر کی کہاں ملتی ہے

یہ وہ دن ہیں کہ پرندے بھی نہیں چھوڑتے گھر
مجھ کو درپیش ہے ان روزوں میں آفت کا سفر
ساتھ بچوں کا ہے اے بادشاہ جن و بشر
ہر کہیں قتل کا ساماں کہیں لٹ جانے کا ڈر

تنگ جینے سے ہوں پاس اپنے بلا لو نانا
اپنی تربت میں نواسے کو چھپا لو نانا

آپ کی قبر منور سے بچھڑنا ہے ستم
کیا قلق ہوئے گا یاد آئے گا روضہ جس دم
موت در پے ہے اٹھتے نہیں اس جا سے قدم
نانا صاحب مجھے جینے نہیں دینے کا یہ غم

دیکھیے کون سے جنگل کو بسانا ہوگا
پھر کر اب اس قبر پہ کاہے کو آنا ہوگا

جس مہینے سے اٹھا آپ کا سر سے سایہ　　کوئی ساعت کوئی دم چین نہ ہم نے پایا
ماں کے ماتم میں رہے رنج سہے دکھ پایا　　باپ مارے گئے پیغام یتیمی آیا
نہ سنے تھے جو ستم مرگِ حسنؑ میں دیکھے
ٹکڑے بھائی کے کلیجے کے لگن میں دیکھے

خانہ کعبہ کا مشتاق ہوں اے ربِّ حبیب　　یہ دعا کیجیئے ہو آخری حج مجھ کو نصیب
کوئی حسرت نہ رہے دل میں کہ ہے موت قریب　　ٹھیک منزل پہ پہونچ جائے یہ بیمار غریب
اس نوا سے کو مگر بھول نہ جانا نانا!
ذبح کے وقت مدد کو میری آنا نانا!

یہ بیاں کر کے جو تعویذ سے لپٹے سرور　　یوں ہلی قبر کہ تھرائی ضریحِ انور
آئی تربت سے یہ آواز حبیبِ داور　　تیری غربت کے میں صدقے میرے مظلوم پسر
کوئی سمجھا نہ میری گود کا پالا تجھ کو!
ہائے اعدا نے مدینے سے نکالا تجھ کو

اے میرے گیسوؤں والے میرے صابر شبیرؑ　　میرے بیکس میرے مظلوم مسافر شبیرؑ
نہ رہا کوئی تیرا یاور و ناصر شبیرؑ　　ہائے اے گور غریباں کے مسافر شبیرؑ
تو جہاں جائے گا پیارے وہیں چلتا ہونگیں
خاک اڑاتا ہوا تربت سے نکلتا ہونگیں

سنکے یہ شہ نے کیا آخری رخصت کا سلام　　نکلے روتے ہوئے اس روضۂ انور سے امام
شہ سے اس دم کیا رو رو کے یہ زینبؑ نے کلام　　قبر پر ماں کی مجھے لے چلو یا شاہِ انام
لوگ ہمراہ ہیں محمل کے میں کیونکر جاؤں
ماں کی تربت سے بجز ایک بار لپٹ کر جاؤں

شب کو رخصت کے لئے بیں جو گئی دکھیاری　　تھی عجب قبر پہ اماں کے اداسی طاری
ہائے کیا یاس تھی کیا بے کسی کیا تنہائی　　رو کے تربت سے اٹھی بہن تو یہ آواز آئی
ایک بار اور ادھر صبح کو آنا زینبؑ
ساتھ شبیرؑ کو بھی قبر پہ لانا زینبؑ

بولیں زینبؑ کہ اس آواز پہ بیٹی قرباں   میرے بھائی پہ بڑا وقت ہے اے اماں جاں
یہ سفر خوف کا اور پاس نہیں کچھ ساماں   سب یہ لڑکے ہیں صغیر اور نہیں کوئی جواں
جن کے خط آئے ہیں وہ قوم جفا پیشہ ہے
مارے جائیں نہ مسافر یہی اندیشہ ہے

آئی زہراؑ کی صدا اے میری پیاری زینبؑ   کیا کروں میں کہ میری روح کو ہے رنج و تعب
جگہ میری میرے شبیرؑ کے تو ساتھ ہے اب   کام آنا ہو مصیبت میں گرفتار یہ جب
واری اماں نہ کسی دکھ سے کنارا کرنا
اپنے پیاروں کو نہ اس بھائی سے پیارا کرنا

اب بلاؤ ادھر عباسؑ دلاور ہے کدھر   وہ فدا ہے میرے پیارے پہ میں صدقے اس پر
شکم غیر سے ہے کون وہ میرا ہے پسر   یہ صدا سن کے برادر کو پکارے سرور
ابھی رہوار کو آگے نہ بڑھاؤ بھائی
یاد آتی ہیں اماں ادھر آؤ بھائی

آ کے سر رکھ دیا عباسؑ نے پائیں مزار   آئی آواز کہ زہراؑ ترے ہاتھوں کے نثار
اپنے پیارے کے برابر تجھے میں کرتی ہوں پیار   دھیان بھائی کی حفاظت کا رہے اے وفادار
کوئی غربت میں اسے مار نہ ڈالے کوئی!
میرا شبیرؑ ہے اب تیرے حوالے بیٹا

یہ بیاں کر کے چلے واں سے شہ کون و مکاں   بے کسی چہرے پہ تھی آنکھوں سے آنسو تھے رواں
لوگ سر پیٹ کے اس دم یہ ہوئے گریہ کناں   پیچھے تابوت کے جس طرح سے ہو شور و فغاں
غل تھا اے سید ذیجاہ خدا کو سونپا
اے مدینہ کے شہنشاہ خدا کو سونپا

اسی عالم میں ہوئے پانچ مہینے جو بسر   اور ہوا ماہ محرم بھی عیاں گردوں پر
چاند کو دیکھ کے رونے لگی صغراؑ گھر پر   کہا نانی نے کہ اب شاہ کی آتی ہے خبر
ہو چکا حج بھی محرم میں حسینؑ آئیں گے
اس مہینے میں یقیں ہے کہ حسینؑ آئیں گے

کہا صغراؑ نے کہ ہاں دن تو ہیں وعدہ کے قریب   آکے دیکھوں گی دکھائے گا جو مجھ کو نصیب
جلد آئیں تمہیں محبوب الٰہی کے حبیب   اب تو اس رنج سے ثانی میری حالت ہے عجیب
شہ سے کب ہوتا ہے ملنے کا قرینہ دیکھیں
کیا دکھاتا ہے محرم کا مہینہ دیکھیں

ہفتم ماہ محرم کی ہوئی جب کہ سحر   بند پانی ہوا فرزند پیمبرؐ پہ ادھر
ہاں لہو ہونے لگا فاطمہؑ صغراؑ کا جگر   کبھی تڑپی کبھی نالاں تھی کبھی پیٹی سر
چھا گیا دل پہ غم ایسا کہ دوا ترک ہوئی
پانی پینا ہوا موقوف غذا ترک ہوئی

عصر کے وقت پکاری بہ صد اشک افشانی   پھاڑ دو اب میرے کرتے کا گریباں نانی
دیکھو روضہ پہ محمدؐ کے ہے کیا ویرانی   بال کھولو کہ ہوا قتل نبی کا جانی !
خاک شیشہ میں لہو ہو گئی آکر دیکھو
لٹ گیا گھر صف ماتم کو بچھا کر دیکھو

صاف آئی میرے کانوں میں کسی کی یہ صدا   چین سے اہل وطن شہر میں سوتے ہو کیا
کٹ گیا ہائے جگر بند پیمبرؐ کا گلا !   آج دنیا میں ہوا خاتمۂ آل عبا
فاطمہؑ خاک اڑاتی ہیں علیؑ روتے ہیں
جا کے پرسا دو کہ تربت میں علی روتے ہیں

کر خلیق اب نہ بیاں دختر بیمار کے بین   ہر گلی کوچہ میں فریاد تھی اور شور و شین
یاس و امید کے عالم میں ہر اک تھا بے چین   بہر تفصیل یہ سنتے نہ ہوئے قتل حسین
کچھ خبر اب تو نہ قاصد کی زبان آئی !
خط کے بدلے شہ بیکس کی نشانی آئی

خلیق

مرثیہ

ہوا آخر میں یہ ظاہر کہ بابا کا سفر ٹھہرا — مجھی کو چھوڑنا گھر میں انہیں مدنظر ٹھہرا
یہ شب ہے درمیاں اب کوچ کنبہ کا سحر ٹھہرا — دم اس بیمار کا غم سے لبوں پر آن کر ٹھہرا
لگیں کہنے الٰہی آج میرا دم نکل جائے
جو بابا کے جدا ہونے کا دل سے غم نکل جائے

جدائی مجھ سے باباجان کی دیکھی نہ جائیگی — مری جان حزیں ہرگز نہ یہ صدمہ اٹھائے گی
نظر بابا کی صورت جس گھڑی مجھ کو نہ آئیگی — اکیلی گھر میں یہ دکھیا پڑی آنسو بہائے گی
نیقن ہے نہ صورت اچھی ہونے کی کوئی ہوگی
نا بابا گھر میں آئیں گے نہ میری زندگی ہوگی

یہ خط کس کا ہے آج آیا مطالعہ جسکو فرما کے — ہوئی تشویش اور آنسو بہے چہرہ پہ آیا کے
پھوپھی زینب کو چپکے سے کہی کیا بات بلوا کر — گئیں حجرے میں کیوں بابا کے اماں جان گھبرا کے
یہ کیا ہے مشورہ ہوتا ہے بات اور بے ہوش جاتے ہیں
سکینہ گود میں بیٹھی ہے اور مجھ سے چھپاتے ہیں

سنہ ۱۲۴۸ھ

ضمیمہ

مرثیہ

آفاق میں کیا رتبۂ مہر پدری ہے — اغراض سے خالی تو مطالب سے بری ہے
بیٹے کی دل و دیدہ میں اک جلوہ گری ہے — اس درد سے بدتر کوئی درد جگری ہے
فرزند جو سب ہو گئے پوشیدہ نظر سے
پس ساتھ ہی رونق بھی نکل جاتی ہے گھر سے

گھر لٹ گیا جس وقت قضا کر گیا فرزند — دنیا ہوئی ویران جہاں مر گیا دل بند
اور ہو جو پسر حسن میں جتنا ہے دو چند — شیریں سخن و قابل و مطبوع خردمند
وہ گم ہو تو پھر باپ کا عالم کہو کیا ہے
اس پر جو کرے ضبط تو یہ عین رضا ہے

دکھلائے خدا داغ نہ فرزند جواں کا — یہ داغ خریدار ہے ماں باپ کی جاں کا
اولاد کا غم شغل ہے فریاد و فغاں کا — جب ہو نہ دل آرام تو آرام کہاں کا
یہ داغ کسی صاحب اولاد سے پوچھو
شبیر سے یا بانوئے ناشاد سے پوچھو

یاں تک سخن تازہ کیا طبع نے پیدا — وہ نور نبی اور نبی نور خدا کا
یہ سلسلۂ نور کہاں جا کے ہے پہونچا — اکبر کو جو دیکھو تو بتاؤ کسے دیکھا
واللہ زیارت کا سزاوار ہے اکبر
نعم البدل احمد مختار ہے اکبر

مانند دعائے سحری قدر سا ہے　　ماتھا ہے کہ دیباچہ انوار خدا ہے
دو زلف نے اک چاند سا منہ گھیر لیا ہے　　وہ سں شب قدر و شب معراج ہوا ہے
دو زلفیں ہیں رخسار دل افروز بھی دو ہیں
یاں شام بھی دو ہیں بخدا روز بھی دو ہیں

اس پر بھی تو میں نے تمہیں میداں کی رضا دی　　الفت کہاں لغت تو ترے دل سے اٹھا دی
جیتا ہے ابھی تو یہ تری یاد بھلا دی　　تصویر بھی تیری ورق دل سے مٹا دی
یاں تک بھی تو کہتا نہیں تم خیمہ میں ڈالو
تم باپ سے رونے کی بھی جا ہو تو قسم لو

جس وقت یہ فرمایا شہ ہر دو سرا نے　　کچھ سوچ کے اکبر بھی لگے اشک بہانے
گردوں پہ فغاں اہل حرم کی لگی جانے　　میداں کا ارادہ کیا شاہ شہدا نے
پردہ در خیمہ کا اٹھا کر نکل آئے
روتے ہوئے پیچھے علی اکبر نکل آئے

یوں ماں نے پکارا ادھر آؤ علی اکبر　　آئے مجھے رضا لینے کو جاؤ علی اکبر
اس لشکر اعدا کو بھگاؤ علی اکبر　　اب خون کے دریا میں نہاؤ علی اکبر
کی آخری تسلیم جو اس رشک قمر نے
اک آہ کی تب بانوئے تفتیدہ جگر نے

ناگاہ جھکا فوج پہ شبیر کا پیارا　　میدان شقاوت نہ دیا لاہوا سارا
پسپا ہوئے اعدا نہ رہا جنگ کا یارا　　خورشید فلک کو نہ رہی تاب نظارا
غصہ میں جو دیکھا شہ بیکس کے خلف کو
مشرق سے چلا بھاگ کے مغرب کی طرف کو

اک جا پہ وہ تلوار نہ دیتی تھی دکھائی　　یوں مرگ مفاجات ادھر آئی ادھر آئی
ہونے جو لگی لشکر اعدار کی صفائی　　ہر طائر جاں کرنے لگا تن سے جدائی
تھا شور کہ اس تیغ سے عبرت کا محل ہے
تلوار نہیں یہ پر شہباز اجل ہے

وہ برق تڑپتی ہوئی جس غول پہ آئی　　گہ فرق پہ گہ زیور گردن نظر آئی
گہ دوش پہ گہ سینہ پہ گہ تا بہ کمر آئی　　گہ سر پہ گری ناخن پا تک اتر آئی
ٹکڑے تن اشرار کے یک جا پہ نہیں تھے
تھا غرق کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں تھے

تھا آب دم تیغ سے طوفان کا اسباب　　تھی موج فنا سر سے گذرتا تھا پڑا آب
دریا تھا وہ لشکر تو ہر اک حلقہ تھا گرداب　　اعضائے بریدہ صفت ماہی بے آب
آب دم خنجر پہ علم داروں کے دم تھے
جب تیغ علم کی تو علم صاف قلم تھے

یاں وار کیا پشت پہ ظالم نے قضارا　　اکبر نے پلٹ کر وہیں نیزہ اسے مارا
اتنے ہی پلٹنے میں غضب گرد یا مارا　　بس سر کے بل آیا نہ رہا ساتھی کا یارا
واں شاہ گرے بانو کو غش آگیا گھر میں
اک نیزے نے سوراخ کئے تین جگر میں

مجروح لپسر کا جو سنا شاہ نے نالہ　　مضطر ہوئے پر خوف سے بانو کو سنبھالا
بانو نے یہ گھبرا کے کہا اے شہ والا　　سینہ میں ہوا جاتا ہے دل کچھ تہ و بالا
حیران ہوں یہ کس کی صدا آتی ہے رن سے
سننے سے اس آواز کے جی ہو گیا سن سے

ادنیٰ ترا بندہ ہوں سو طاقت مری کیا ہے   اس داغ کا دل ہو متحمل تو مزا ہے
میرا بھی تو اب کوچ کا سامان لگا ہے   دو چار گھڑی کا یہ پس و پیش ذرا ہے
بانو پہ عجب طرح کی آفت یہ پڑی ہے
یارب تری لونڈی کی مجھے فکر بڑی ہے

پاس آ کے شہ بیکس و مظلوم پکارے   خیمہ میں چلو بیٹے کو ہم لائے تمہارے
اہل حرم اندر گئے لے کر اسے سارے   بیٹے کو لیا گود میں پھر شاہ نے بارے
فرمایا ترے باپ کی آغوش ہے بیٹا
سویا کئے جس پر یہ وہی دوش ہے بیٹا

ناگہ علی اکبر کی لگی سانس اکھڑنے   اور ہاتھ لگا زخم پہ ہر مرتبہ بڑھنے
بانو نے جو دیکھا لگے آثار بگڑنے   اب کوئی ہے جو دے نہ مرے گھر کو اجڑنے
بولی مجھے اب صبر دے یارب یہ دعا ہے
فرزند مری گود میں دم توڑ رہا ہے

سنہ ۱۲۱۸ھ

دلگیر لکھنوی

سلام

سلامی وصف زلف شاہ خوشخو ہو نہیں ہو سکتا
رہ پیچیدہ ہے دخل اک سر مو ہو نہیں سکتا

اٹھایا جب در خیبر علی نے بولے پیغمبر
بازو اور یہ زور بازو ہو نہیں سکتا

بجا عباس کے لاشے نے منہ اپنا چھپایا تھا
سوئے اہل زمیں خورشید کا رو ہو نہیں سکتا

جب آیا ذکر بیعت بولے شہ فرزند پیغمبر
مطیع کافر و بدکار و بدخو ہو نہیں سکتا

سوا عباس غازی کے وہ طالب تھا
رہے پیاسا کوئی سقہ لب جو ہو نہیں سکتا

سراپا شاہ کا کہنا سراپا کار مشکل ہے
پریشانی میں کیا اک وصف گیسو ہو نہیں سکتا

خط باریک خنجر شہ کی گردن پر مزین تھا
سواد نجف کے خوشنما مو ہو نہیں سکتا

قضا کو کرنا تھا ہم پلہ اصغر شاہ سے ورنہ
گلے اور ہاتھ میں ناوک ترازو ہو نہیں سکتا

تعجب ہے مجھے دلگیر گر ساماں نہیں کوئی
غم شہ میں بیاباں مرگ بھی تو ہو نہیں سکتا

سنہ ۱۲۵۱ھ

مرثیہ

وہ دلاور ہوا جس وقت علمدار امام
پہلے تو جھک کے کیا زینب بے کس کو سلام

غرق اندوہ میں آیا وہ سوئے شاہ انام
عرض کی شکر عنایت کا کرے کیا یہ غلام

عبد ناچیز ہوں اور دین کے سلطان ہو تم
ذرۂ خاک ہوں اور مہر درخشاں ہو تم

فوج گو تھوڑی ہے پہ باندھو اس فوج کی صف — خدمتیں بانٹو انہیں اے جگر شاہ نجف
کچھ جواں داہنی طرف بھیجو تو کچھ بائیں طرف — ایک تو فوج ہے کم مفت نہ ہو جائے تلف
کچھ جواں خیمہ کی چوکی پہ معین کر دو
پاس خیمہ کے نہ آنے دیں کسی ظالم کو

سنا جس وقت یہ فرمان شہ عرش جناب — حکم سردار علم دار بجا لایا شتاب
دم میں تیار کیا فوج کشی کا اسباب — پہلے مارے گئے میدان میں شاہ اصحاب
پھر خزاں ہو گیا زہرا کا چمن میدان میں
بعد ازاں قتل ہوا ابن حسن میدان میں

جب کہ مارا گیا میدان ستم میں نوشاہ — دیکھا عباس نے تب سوئے شہ عرش پناہ
شہ دیں جان گئے بھائی ہے اب رخصت خواہ — آنسو آنکھوں سے گرے منہ سے کہا بسم اللہ
الغرض اذن شہنشاہ امم کو لے کر
آیا میدان میں عباس علم کو لے کر

جب کہ عباس سے تھی چل رہی رن میں شمشیر — متصل خیمہ اقدس کے کھڑے تھے شبیر
پردہ کے پاس کھڑی تھیں شہ دیں کی ہمشیر — شاہ نے زینب ناشاد سے یوں کی تقریر
کام میدان میں بھائی مرا کیا کرتا ہے
حق علم داری کا عباس ادا کرتا ہے

سنہ ۱۲۵۱ھ

خلیل

مرثیہ

وشت میں یوسف کنعان حسن آتے ہیں
راحت جان شمس و زمن آتے ہیں
غیرت حسن حسینان وطن آتے ہیں
گل رخ و گلبدن و غنچہ دہن آتے ہیں
عطر دامن سے معطر ہے ہوا جنگل کی
ناز فردوس پہ رکھتی ہے زمیں مقتل کی

ڈر سے پیدل ہوئے پسپا جو رسالے بھاگے
مورچے لوٹ گئے برچھیوں والے بھاگے
بزدلے جو تھے وہ جاں اپنی چرا لے بھاگے
پنجۂ شیر سے اپنے کو بچا لے بھاگے
کہتے آپس میں ہیں جاں اب مری بچ جائے گی
یہ نہ واقف ہیں قضا سر پہ بلا سوئے گی

جو نمودار ہیں گھیرے ہے انہیں خوف جدال
ہوش بالکل نہیں بدتر یہ سواروں کا ہے حال
پشت رہوار پہ کاٹھی کی جگہ کس گئی ڈھال
سیدھے بیٹھے ہیں کہ الٹے نہ کچھ اس کا ہے خیال
باگ سے کچھ نہ علاقہ نہ خبر گوڑے کی
ہیں لئے جاتے عناں ہاتھ میں دم گوڑے کی

جرأت فارس میداں کو سمجھتے ہیں ہم
ہمت شیر نیستاں کو سمجھتے ہیں ہم
ارجن و رستم و ہاماں کو سمجھتے ہیں ہم
تہمتن و زال و نریماں کو سمجھتے ہیں ہم
دیو بھی آئے اسے کودک ناداں سمجھیں
عرصۂ رزم کو بازیچۂ طفلاں سمجھیں

تیغ چمکائیں جو ہم فوج کا خرمن جل جائے — برق پر برق گرے قلعۂ آہن جل جائے
زرہ گل جائے اور فولاد کا جوشن جل جائے — خاک ہو جائے سپر کوہ کا دامن جل جائے
خوف بجلی کو بھی جلنے کا ہو وہ آگ لگائیں
کاہ سے کوہ تلک خاک کے تودے بن جائیں

گھٹ گیا تن میں بھپر بڑھ کے جسے تاک گئی — صف ہوئی صاف جدھر صورت سفاک گئی
قہر حق سے نہ بچا جس پہ غضب ناک گئی — تہلکہ پڑ گیا جس سمت وہ بے باک گئی
سیکڑوں کٹ گئے جی داروں کے جی چھوٹ گئے
پاؤں اکھڑے جو پیادوں کے پرے لوٹ گئے

اس طرف سے جو ادھر مار کے دو چار گئی — عجب انداز عجب ڈھنگ سے خونخوار گئی
غیض میں جس پہ گئی شکل دل آزار گئی — جو پڑا سامنے خالی نہ اسے مار گئی
سر قلم کر دیا شق سینۂ سفاک کیا
دل کے ٹکڑے کئے پہلوئے جگر چاک کیا

بڑھ کے چار آئینہ والوں کا برا حال کیا — جوران کو ہمہ تن آئینہ تمثال کیا
غرق خوں ہو کے کبھی اپنا بدن لال کیا — خاک میں اس کو ملایا اسے پامال کیا
غُسل تھا کس حُسن سے یہ شعلہ فگن پھرتی ہے
اوڑھ کر سرخ ردا تازہ دلہن پھرتی ہے

تھے جو لاکھوں سے ادھر معرکہ آرا ضیغم — یوں پکارا شہ دیں کہ تمہیں میری قسم
دیر میں دھوپ میں اعدا سے لڑے ہو پیہم — روک لو ہاتھ ٹھہر جاؤ ذرا لے لو دم
ہر گھڑی طالب امداد خدا سے ہو تم
تھم کے لڑنا کہ کئی روز کے پیاسے ہو تم

سن کے اس بات کو کچھ دیر جو ٹہرے صفدر　　آ گئے پھر کے جو بھاگے ہوئے تھے بانی شر
یک بیک چھا گئی گھنگھور گھٹا غازی پر　　ابر دش جھوم کے برسانے لگا تیر و تبر
پھر تو ہر سمت اندھیرا سا ہوا مقتل میں
غل ہوا غیرتِ خورشید چھپا بادل میں

تازہ زخموں کا کھلا جب تن نازک پہ چمن　　گل سا رنگیں نظر آنے لگا ہر عضوِ بدن
تھے جو مائل ہوئے گلزار شہادت سمہ تن　　مسکراتے ہوئے سرو چمنستان حسن
خدمتِ شیرِ خداوند جہاں میں پہونچے
نکہت گل کی طرح باغ جناں میں پہونچے

سنہ ۱۲۱۱ھ

فصیح

مرثیہ

نکلے خیمہ سے جو لے کر علی اصغر کو حسین   دونوں ہاتھوں پہ دھرے تھے تن لاغر کو حسین
اس پہ ڈالی ہوئی اک اجلی سی چادر کو حسین   دھوپ میں سایہ کئے لائے تھے دلبر کو حسین
اشک آنکھوں سے نہ تھمتے تھے بہے جاتے تھے
سر جھکائے ہوئے خاموش چلے جاتے تھے

دل میں کہتے تھے کہ اے خالق وجلال   میں نے کچھ چیز نہیں مانگی کسی سے تا حال
آج حیران ہوں آتا ہے یہ ہر بار خیال   ان لعینوں سے کروں آپ کا کیونکر میں سوال
آج کا روز قیامت سے نہیں کم مجھ کو
علی اصغر کا ہے واللہ بڑا غم مجھ کو

اس طرف تھے شہ بیکس کے یہ پر درد سخن   اس طرف دور سے یہ دیکھ کے بولے دشمن
کیا ہے شبیر کے ہاتھوں پہ یہ مانند کفن   اک لگا کہنے کہ ہوتا ہے یہ مجھ پہ روشن
تشنگی سے کسی معصوم کا دم نکلا ہے
دفن کرنے اسے یہ کشتۂ غم نکلا ہے

ناگہاں تاک کے بیرحم نے مارا اک تیر   حلق اصغر کا چھدا دوست جناب شبیر
تیر جس وقت لگا چونک پڑا غش سے صغیر   اس کا پیکاں سے گلا بند ہوا وقتِ اخیر
چاہتا تھا کہ کرے گریہ نہ رو سکتا تھا
حلق میں تیر تھا اور باپ کا منہ تکتا تھا

۱۲۹۱ء

میر اسد علیخاں آصفی

مرثیہ

گھر سے جب بہر سفر حضرت شبیر چلے ۔۔۔ سر کٹانے کے لئے مالک تقدیر چلے
روتے اور پیٹتے سب صاحب تطہیر چلے ۔۔۔ کہا صغرا نے کہ ہے ہے شہ دلگیر چلے
آئے گا چین مجھے ہجر پدر میں کیونکر
جی لگے گا مرا کیا جانیے گھر میں کیونکر

مل کے صغرا سے گئے قبر پیمبر پہ حسین ۔۔۔ عرض کی آیا ہے اب آپ کا یہ نور العین
سن نہیں سکتا ہوں میں زینب و کلثوم کا بین ۔۔۔ قبر میں اپنی بلا لیجئے تو آئے چین
ہر گھڑی وعدہ طفلی مجھے یاد آتا ہے
کوئی مقتل کی طرف کھینچے لئے جاتا ہے

سنہ ۱۲۹۱ھ

سلامت علی دبیر

رباعی

کیا قامت زہرا و علی زیبا ہیں — ایمان کے گویا دو الف یکجا ہیں
ان دونوں کے فرزند ہیں گیارہ معلوم — جیسے دو الف سے یازدہ پیدا ہیں

سلام

مجرئی ہے سوگوار ماہ حیدر چاندنی — اشک شبنم میں ٹپکا کرتی ہے شب بھر چاندنی
مجرئی فرش نجف سے کب ہو ہمسر چاندنی — چاندنی جھاڑو تو جھڑتی ہے زمیں پر چاندنی
اے فلک اندھیر ہے عابد کا زنداں بے چراغ — اے زمیں کیا قہر ہے دنیا میں گھر گھر چاندنی
تا کمالِ چاردہ معلوم روشن سب پہ ہو — چودھویں شب کو رہا کرتی ہے شب بھر چاندنی
شمر نے چاہا کہ حضرت سے جدا عباس ہوں — یہ نہ سمجھا چاند سے چھوٹے گی کیونکر چاندنی
خاکساروں کا ہر اک دھبہ سے دامن پاک ہے — گرد آلودہ نہیں ہوتی زمیں پر چاندنی
مہدی دیں ہیں نہاں فیض ہدایت ہے عیاں — چاند جیسے ابر میں اور جلوہ گستر چاندنی
اے خوشا طالع کہ ہے نام حسن سے ہم عدد — کیوں نہ ہو روشن دلوں میں نام آور چاندنی
احمد مختار ہیں نور خدا کے آسماں — حیدر و زہرہ قمر، شبیر و شبر چاندنی
ہو گیا تھا خون غم سے خشک اور رنگت سفید — فرش پر سجاد کا تھا جسم لاغر چاندنی

اک مہ داغ عزا میں کتنے جلوے ہیں دبیرؔ
قبر پہ باہر چراغاں اور اندر چاندنی

دبیر

سلام

گئے سوئے میداں جو اکبر دوبارہ — سلامی ہوا گھر میں محشر دوبارہ
عجب تفرقہ تھا تن و سر میں جب سے — ہوا دفن فرزند حیدر دوبارہ
کہا والدہ نے یہ مرنے کی جلدی — نہ ہچکی بھی لی تو نے اکبر دوبارہ
کہا شہ نے کیا تیر ظالم نے مارا — کہ تڑپا نہ ہاتھوں پہ اصغر دوبارہ
اجاڑا تھا اے چرخ کس طرح تو نے — لب جو نہ سادات کا گھر دوبارہ

دبیر ایک خوبی طبیعت کی یہ ہے
کہ ثابت کیا جا بجا ہر دوبارہ

دبیر

اے حجرئی اس بحر میں وہ شعر سنا گرم
جو مطلع خورشید سے مطلع ہوا سوا گرم

اے حجرئی اشک آتے ہیں ہنگام بکا گرم
ٹھنڈی ہے تری آہ پہ تاثیر ہے کیا گرم

کہتے تھے علی ہے یہ شہادت گہہ شبیر
اے دیدۂ تر اں میں نہ رکھنا کوئی حبا گرم

اکبر نے زبانِ شہ دیں لے کے دہن میں
کی عرض زباں آپ کی کیا خشک ہے کیا گرم

چادر نہ میسر ہوئی لاشِ شہدا کو
ہاں دھوپ کی گردوں نے اڑائی تھی ردا گرم

عابد نے کہا پڑ گئے تلوؤں میں پھپھولے
یہ دھوپ سے ہے خاک بیابان بلا گرم

یہ سوز غم شاہ تھا صغرا کے جگر میں
جو حلق سے ہوتی تھی اترتے ہی زباں گرم

یہ دھوپ سہی فاطمہ کے لال نے رن میں
جو تن پہ زرہ ہو گئی مانند قبا گرم

تعریف دبیر اپنی ہے مصراع خلیق اب
ٹھنڈی تھی زمیں گو کہ یہ بتیں ہوئیں کیا گرم

سلامت علی دبیرؔ

مرثیہ

توڑا غمِ عباس نے جب شہ کی کمر کو
اکبر بھی چلے چھوڑ کے مظلوم پدر کو
گھبرائے ہوئے کہتے تھے شہ بیٹے کے سر کو
اب تھاموں کمر کو کہ سنبھالوں میں جگر کو
دم باپ کا اکبر نے اکھڑتا ہوا چھوڑا
چھوڑا ہمیں اور پاؤں رگڑتا ہوا چھوڑا

دریا کی طرف دیکھ کے کہتے تھے کہ آؤ
عباس کہاں ہو علی اکبر کو مناؤ
اک عمر کی دولت مری لٹتی ہے بچاؤ
کیا کہہ کے میں روکوں اسے تم یہ تو بتاؤ
اک درد نیا اٹھتا ہے رہ رہ کے جگر میں
فرزند برابر کا بچھڑتا ہے پدر سے

خالق مجھے اکبر کا نہ لاشہ نہ دکھا دے
احسان کرے موت جو اس وقت میں آ دے
اس وقت کوئی لشکرِ کفار میں جاوے
اور میری طرف سے مرے قاتل کو سنا دے
جا کے بہت تیز جو شمشیر جفا ہو
اس وقت گلا کاٹ تو احسان ترا ہو

شبیر یہ فرماتے تھے اور اشک تھے جاری
اور موت کھڑی تھی لئے اکبر کی سواری
بانو درِ خیمہ پہ کھڑی کرتی تھی زاری
کہتی تھی کہ بے آس ہمیں کرتے ہو واری
ملنے کو بھی ماں سے نہیں آتے ہو بلا لوں
حق دار کو بے حق کئے جاتے ہو بلا لوں

ناگاہ یہ غل آلِ پیمبر نے مچایا   یا شاہ خبر لیجئے زینب کو غش آیا
کیا جانئے کیا ان کے قضا نے ہے سنایا   جو ہوش میں پھر زینب بے کس کو نہ پایا
عرصہ ہوا کھولا تھا ذرا دیدۂ نم کو
اب نبض کسی ہاتھ کی ملتی نہیں ہم کو

زینب سے زیادہ یہاں بیہوش تھے شبیر   یہ غل جو سنا بانو سے کرنے لگے تقریر
ہے خیر تو یہ شور ہے کیا بانوئے دلگیر   کیا جھولے میں دم توڑتا ہے اصغر بے شیر
یا مر گیا وہ کل سے جو بیہوش پڑا تھا
بیمار تھا مظلوم تھا محتاج دوا تھا

بانو نے کہا یہ جو کمر باندھے کھڑے ہیں   اور آپ سے فردوس کے جانے پہ اڑے ہیں
اور زخم اٹھانے کے بھی مشتاق بڑے ہیں   ان کے لئے سب لوگ مصیبت میں پڑے ہیں
تم آن کے دیکھو تو نہیں ہوش کسی کو
غش آیا ہے صاحب علی اکبر کی پھوپی کو

اکبر کو لئے خیمہ میں وہ جو آیا   اک ایک کو مردہ وہاں شبیر نے پایا
زینب کو زمیں سے شہ بیکس نے اٹھایا   بولے کہ میں ناحق اسے پردیس میں لایا
قربان کیا بیٹوں کو مجھ بھائی کے اوپر
ہے تیسرا فاقہ میری ماں جائی کے اوپر

پھر شانہ ہلا کر کہا لو ہوش میں آؤ   ہم کہتے نہ تھے انس نہ اکبر سے بڑھاؤ
بانو نے کہا شہ سے کہ شانہ نہ ہلاؤ   خوشبو انہیں تم گیسوئے اکبر کی سنگھاؤ
پھر ہوش میں یا شاہ ابھی آجائے گی زینب
گر مر بھی گئی ہوگی تو جی جائے گی زینب

بو گیسوئے مشکیں کی جو اک کے سونگھائی   وہ خواہر شاہ شہدا ہوش میں آئی
شہ دیں سے کہا جیتی ہوں کیوں روتے ہو بھائی   پر خوف سے مر جاؤں نہ میں غم کی ستائی
مجبور تو حضرت کی مصیبت نے کیا ہے
بیٹوں کا بھی مرنا مجھے اب بھول گیا ہے

پھر دیکھ کے اکبر کی طرف بولی وہ دکھیا   بھیا مجھے بتلاؤ کہ یہ کہتے ہیں اب گیا
شہ بولے ہمیں چھوڑتے ہیں یکہ و تنہا   یہ دھیان نہیں کرتے کہ مظلوم ہے بابا
میں کیا کہوں جو آج خوشامد مری کی ہے
قسمیں مجھے دے دے کے رضا مرنے کی دی ہے

اب تک تو یہ کب کے چمن خلد کو جاتے   اور ظلم کی برچھی بھی کلیجہ پہ ہی کھاتے
اس وقت تلک لاش بھی خیمے میں نہ لاتے   ملنے کو بھی یہ بلکہ حرم سے نہیں آتے
دو دن سے اجل پھرتی ہے اکبر کی نظر میں
جب غش میں سنا ہے تمہیں تب آئے ہیں گھر میں

ہوش اڑ گئے زینب کے یہ سن کر یہ گفتار   تھے آپ بھلا کون رضا دینے کے مختار
تم عابد و اصغر کے ہو مالک شہ ابرار   اکبر کو تو سب جانتے ہیں ہے وہ مرا دلدار
کیوں اذن دیا تم نے میری جان کو غم ہے
مختار رضا دینے نہ دینے کے تو ہم ہیں

میں نے تو اب تلک اسے نظر بد سے بچایا   کھانا بھی اسے اوٹ میں دامن کے کھلایا
الحمد کو دم کر لیا پانی جو پلایا   دامن پہ سلایا اسے سینہ پہ سلایا
اپنا جسے سمجھے تھے وہ بیگانہ ہوا ہے
اٹھارہ برس بعد یہ پھل ہم کو ملا ہے

شہ رونے لگے دیکھ کے زینب کا مقدر — اور ڈال دیا بیٹے کو زینب کے قدم پر
کہنے لگے کیوں روتی ہو صدقے یہ برادر — کب میں نے کہا آپ کا بیٹا نہیں اکبر
میں اس کا نہ مختیار نہ بانوئے حزیں ہے
مالک کوئی اکبر کا سوا تیرے نہیں ہے

مچھلی سی تڑپنے لگی زینب جگر افگار — اور کان میں بانو کے یہ کرنے لگی گفتار
رو کے سے ہمارے نہیں رکتا ترا دلدار — تو روک اسے بیٹے کی ماں ہوتی ہے مختار
یہ لال ترا آج جو رن جاوے گا بانو
اک روز برے وقت میں کام آوے گا بانو

چپکے سے کہا بانوئے مغموم نے رو کر — رو کے سے رکے گا نہ کبھی بھی علی اکبر
ہیں مجھ سے زیادہ تو حقوق آپ کے ان پر — کس بات کا دعوےٰ میں کروں بیکس و مضطر
دل ٹکڑے ہے تن سرد ہے منہ بانو کا فق ہے
ایک دودھ پلانے کا بس ان پر میرا حق ہے

یہ بات عجیب یاس سے بانو نے سنائی — سادات نے رو رو کے ہے دی حق کی دہائی
اس رونے میں آواز محمد کی یہ آئی — بانو تیری آہوں نے قبر میری ہلائی
سر کھول نہ اپنا کہ میری روح کو غم ہے
تجھ کو میرے دندان شکستہ کی قسم ہے

اے میری بہو اے میری بانو جگر افگار — اک چیز کا کرتا ہے سوال احمد مختار
زہرا کی بہو ہے تو نہ کرنا کچھ اب انکار — کرتا ہے بہت پیار سخی کو میرا غفار
حق دودھ کا تو بخش اور اکبر کو جدا کر
یہ اپنی کمائی میری امت پہ فدا کر

بانو نے کہا یہ تو نواسہ ہے تمہارا   جو آپ کا مقصد ہے وہی قصد ہمارا
امت ہمیں پیاری ہے اکبر نہیں پیارا   ہو بخششِ امت ہمیں یہ بھی ہے گوارا
اکبر سے کہا جاؤ گلا رن میں کٹا دو
اٹھارہ برس کی میری دولت کو لٹا دو

خیمہ سے روانہ ہوئے اکبر سوئے میداں   بانو کی چلی روح تو زینب کی چلی جاں
شبیر کو خیمہ نظر آنے لگا ویراں   یاں رن میں نمودار ہوئے اکبر ذیشاں
کیا نور تھا ہم صورتِ محبوبِ خدا تھا
اک شور اٹھا صلے علیٰ صلے علیٰ کا

ناگہاں پسر سعد نے لشکر کو پکارا   نوفل نے جو عباس علم دار کو مارا
گو باشۂ مرداں کو کیا قتل دوبارا   ہے کوئی جو یہ حکم بجا لائے ہمارا
تصویر مٹا ڈالو رسولِ عربی کی
دنیا میں زیارت نہ رکھو آج نبی کی

سن کر یہ سخن رونے لگے صاحب اولاد   پھر کھینچ کے شمشیر بڑھے کتنے ہی جلاد
اکبر نے پڑھی نادِ علی اور ہوئے شاداب   بانو در خیمہ پہ کھڑی کرتی تھی فریاد
جلادوں کو انبوہ میں جو دیکھا پسر کو
زینب سے کہا تھام لو اب میرے جگر کو

بانو بھی در خیمہ سے شہ کو یہ پکاری   والی مرے وارث مرے میں آپ کے واری
اکبر نے کیا زیر و زبر لشکر ناری   صد شکر زیادہ ہوئی توقیر ہماری
فرمائیے تو پیارے سے ہاتھوں کو اٹھا کر
لے لوں بلائیں میں علی اکبر کی اب جا کر

خاتون قیامت کی صدا آئی یہ اس آن اے بانو تو خیمہ سے نکلنے کا نہ کر دھیان
موجود تیری ساس ہے یاں برسر عریاں میں دیر سے ہوتی ہوں ترے لال کے قرباں
جس جا پہ مقتل میں لحد اکبر کی بنی ہے
زہرہ وہ زمیں گیسوؤں سے جھاڑ رہی ہے

بانو سے ابھی فاطمہ یہ کرتی تھی گفتار ناگاہ علی اکبر پہ ہوئی تیروں کی بوچھار
میدان شہادت سے اٹھا بین یہ اک بار نیزہ علی اکبر کے کلیجہ سے ہوا پار
زخمی کیا جلادوں نے ہم شکل نبی کو
غش آتا ہے مقتل میں رسول عربی کو

دکھلائے خدا بیٹے کا نہ داغ پدر کو اس زور سے صدمہ ہوا زہرا کے پسر کو
عمامہ دیا پھینک برہنہ کیا سر کو مقتل کو چلے تھامے ہوئے دل و جگر کو
جلادوں سے یہ کہتے تھے رو رو کے بتاؤ
اکبر ہیں کہاں لاش مجھے ان کی دکھاؤ

یہ کہتا تھا اور روتا تھا زہرہ کا وہ دلبر جنگل سے جو آئی یہ صدا کان کے اندر
آتے ہو تو آؤ یہاں اے سبط پیمبر اب ایڑی رگڑتا ہے فرزند زمیں پر
ہر عضو بدن سرد ہوا جاتا ہے بابا
رک رک کے میرے سینہ سے دم آتا ہے بابا

رو رو کے کہا آنکھیں جو یہ کھولے ہوئے ہیں اکبر میرے دیدار کی حسرت میں موئے ہیں
برچھی تھی لگی سینہ ہمشکل نبی میں نوک اس کی کھٹکتی تھی دل ابن علی میں
پھر لاشہ جواں بیٹے کا گودی میں اٹھایا
مظلوم وہ لاشہ لئے خیمہ میں جو آیا

ہوش اتنے میں کچھ بانو کے دل خستہ کو آیا — اس بیکس و مظلوم نے زینب کو اٹھایا
آنکھ اس نے کھولی تو یہ رو رو کے سنایا — بی بی علی اکبر کو تو قسمت نے چھڑایا
شرماؤ تو رومال کو آنکھوں پہ دھروں میں
اب بیٹھ کے اس لاش پہ کچھ بین کروں میں

زینب کا جگر پھٹنے لگا حرف یہ سن کر — کہنے لگی افسوس جوانی تیری اکبر
منہ رکھ دیا پھر لاش کے مجروح جگر پر — سرور سے یہ کہتی تھی کہ سبط پیمبر
چھاتی تو ذرا سونگھ تو ہمشکل نبی کی
یاد آتی ہے اب لاش کے سینہ سے علی کی

شہ نے کہا میں لاش پہ اس کی جو گیا تھا — اک دشت تھا ویراں کہ یہ اس میں پڑا تھا
تنہائی پہ میں ان کی پہلے سے کڑھا تھا — پر سارے شہیدوں سے نصیب ان کا بڑا تھا
بالیں پہ تو سر ننگے پیمبر نظر آئے
اور سینہ سے لپٹے ہوئے حیدر نظر آئے

اس حرف سے غش ہوگئی سب آل پیمبر — خاموش و بیتاب تو جگر غم سے ہے مضطر
کر عرض یہ شبیر سے اے نائب حیدر — ظلمات سے اس ہند کے کر مجھ کو تو باہر
خنداں طلب زر ہے نہ دولت کی طلب ہے
واللہ مجھے تیری محبت کی طلب ہے

سلامت علی دبیر

مرثیہ

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے　　رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے　　ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

ہر بند کھلا قبر میں رستم کے کفن کا　　اور چرخ پہ ڈھلنے لگا بہرام کا مٹکا
تھا ہوش تہمتن کو نہ اپنے سر و تن کا　　نام اڑ گیا چہروں سے سلاطین زمن کا
جس شیر نے شیروں سے سدا پنجہ کیا ہے
جنگاہ میں آج اس نے قدم رنجہ کیا ہے

ناگاہ ہوا غل کہ علمدار وہ آیا　　لخت جگر حیدر کرار وہ آیا
قہر و غضب حضرت جبار وہ آیا　　فرزند پیمبر کا مددگار وہ آیا
اب جانوں کے بچنے کا کوئی طور نہیں ہے
عباس ہے عباس کوئی اور نہیں ہے

نیزے کو ہلایا کبھی ترچھا کبھی آڑا　　پڑھ پڑھ کے رجز باغ فصاحت کا اجاڑا
ظالم نے کئی پشت کے مردوں کو اکھاڑا　　یوں ہی مری ہمت نے جگر شیروں کا پھاڑا
ہم پنجہ نہ رستم ہے نہ سہراب ہے میرا
مرحب بن عبد القمر القاب ہے میرا

یاں سیف زباں سیف الہٰی نے علم کی　　فرمایا مرے آگے یہ تقریر بہ ستم کی
گر منہ سے کہا کچھ تو زباں صاف قلم کی　　کونین نے گردن مرے دروازے پہ خم کی
طاقت ہے ہماری اسد اللہ کی طاقت
پنجے میں ہمارے ہے ید اللہ کی طاقت

سلامت علی دبیرؔ

مرثیہ

ہم طالعِ ہُما مرادِ ہم رسا ہوا　　طاؤس کلکِ مدح اُڑا اور ہما ہوا
مطلع ہمارا مطلعِ مہرِ سما ہوا　　اور دوحۂ کلام سراسر ہرا ہوا
مصرع ہوا کہ سرو وہ دارالسلام کا
عطرِ گلِ ارم ہوا حاصل کلام کا

او دل سرورِ دل کو اس دم وہ کام کر　　ہر اہلِ دل ہو محو وہ مدحِ امامؑ کر
حاصل صلا کلام کا دارالسلام کر　　کر اس محل کو طور وہ اسدم کلام کر
عالم ہو سارا مہر کا اور طور ماہ کا
اسدم ہو دور دور مگر واہ واہ کا

سرگرم مدح ہو کہ ارم اس کا حوصلہ　　حاصل مداد مردِ ملک حور کر دلا
لوحِ طلائے حمرۂ مہرِ سما کو لا　　اور ہو کمال کلک گہر سلک کا مکلا
وہ مدح ہو کہ صلِّ علیٰ دُور دُور ہو
وہ واہ واہ ہو کہ ہر اک کو سرور ہو

او کلک لمع طور کا لا اور کر مداد　　عالم اُدھر طلوعِ سحر کا ادھر سواد
حاسد کو آگ کر او دل معہ وداد　　ہر حُور ہر ملک مگر اسدم ہو محو داد
لکھ آہ آہ سرورِ والا گہر کا حال
حالِ وداعِ اہلِ حرم اور سحر کا حال

ہر گاہ مہرِ طالعِ درد و الم ہوا　　سرگرمِ کارِ مرگ امامِ اُمم ہوا
ہر سُو علم ملال کا اس دم علم ہوا　　اور ہمدمِ حسام و دم اس کا دم ہوا
محوِ رہِ الٰہ ہوا دل امامؑ کا
مردم کو حوصلہ ہوا دارالسلام کا

اُس دم کا وہ ہراس وہ وسواسِ مَرد مَرد — وہ حولِ مرگ اور وہ دھڑکا وہ دل کا درد
وہ دُکھ وہ درد اور وہ الم اور آہِ سرد — وہ مہر کا طلوع سحر گاہ سارا گرد
حاصل دل امامؑ کا وہ مدعا ہوا
حورِ ارم کا حوصلہ دل کو سوا ہوا

اُسدم ہوا امام کو ہر طرح کا الم — اس طرح کا الم دل عالم کو ہوگا کم
رو کر کہا کہ دل کو ہو گو صدمہ اور ہم — سر ہو مہم اگر ہوا اللہ کا کرم
اس امر کا امام کو صدمہ سوا ہوا
سر ہوگا آہ اہل حرم کا کھلا ہوا

رو رو کر آہ اہل حرم کو کہا کہ آؤ — اولاد کو دلاسا دو للہ رحم کھاؤ
گردِ ملال دور کرو دل کو کم کڑھاؤ — روحِ رسولؐ و مادرِ اطہر کو کم رُلاؤ
ہو دُور درد دل کا وہ اسدم دوا کرو
ہو مدعا حصول ہمارا دعا کرو

اور آہ لاؤ ہمسر معصومہ کو ادہر — ہوگا کمال اس کو الم کھولا ہوگا سر
اُس دل ملول کو کہو لو مل لو اک دگر — اس امر کا مدام رہا آہ اسکو ڈر
دل ہوگا دل ملول کا مسرور کس طرح
طالع کا ہوگا لکھا ہوا دور کس طرح

سرور کو لو وداع کرو آہ مار مار — سہہ لو ہمارا درد و الم اور کرو سوار
ہوگا محمد کار ہمارا وہ کردگار — مل لو کہ ہوگا عصر کو واللہ ہمارا کار
کم طول دو کلام کو ہم کو رہا کرو
سرکار کردگار کا لو آسرا کرو

کسکر کمر کھڑا ہوا معصومہ کا وہ لال — اس دم کمال اہل حرم کو ہوا ملال
مولا کو روک کر کہا صدمہ ہوا کمال — معلوم کس طرح ہو مگر آہ دل کا حال
ہو کس طرح کہ سرور عالم سوار ہو
لو آؤ ہم کو مار کے اسدم سوار ہو

ہمراہ لاؤ اور دو ہم کو ملال امام روکر ہلاک ہوگا ہر ایک آہ لا کلام
سو کھا گلا امام کا اور آہ وہ حسام سو حصّہ ہو سر دو اگر ہو ہمارا کام
کِس طرح مرگِ سرورِ عالم گوارہ ہو
ہو ہم کو کس کا آسرا کس کا سہارا ہو

اس دم ورود ہمسرِ معصومہ کا ہوا رو لال گم حواس سر اس کا کھُلا ہوا
آکر کہا کہ روح کو صدمہ سوا ہوا مادر کا آہ آہ سراسر کہا ہوا
دم لو امامؑ مادرِ اطہر کا واسطہ
اور سر کو کھول کر کہا اُس سر کا واسطہ

ہو گا امام والدہ کا آہ سر کھُلا ہم کو دم وداع لحد رو رو کر کہا
گر مورد ہلاک ہمارا ہوا لاڈلا روک اس کو اور راہ کو ہمراہ رہ سدا
عالم کل اس امام اہم کا عدو ہوا
دُکھ اس کو وہ ہوا کہ کم اس کا لہو ہوا

مادر وہ کلام اگر ہو کرو عمل اس کا وہ حال ہم کو کہو کس طرح ہو کل
سرور کا وہ کلام کہ ہر دل کو ڈالا مل ہر لاڈلا ہلاک ہوا لو دہل دہل
للّٰہ کوہ درد و الم کو اُکھاڑ دو
اس دم لحد کو کھود لو اور ہم کو گاڑ دو

اس کلمہ و کلام کو عرصہ ہوا سوا وہ سوگوار گردِ سرِ سرور ہوا
کہرام آہ آمدِ معصوم کا ہوا اُس دم کہا کہ لوگو ہوا دل کو آسرا
مادر کا لو ورود ہوا کم کرو صدا
کم کم کرو کلام کہ معلوم ہو صدا

رو کر کہا کہ مادرِ اطہر مرا اسلام کوہِ الم گرا کہ ہوا آہ دل کا کام
کس کام کا وہ دم کہ ہوا اس دم ہلاک امام دُکھ درد کہہ لو والدہ اور ہو لو ہم کلام
ہمراہ ہم کو لو کرو مسرور والدہ
اس دردِ لادوا کو کرو دور والدہ

معصومہ کو الم ہوا اور رو رو کر کہا ۔ او دل ملول کھول سر اور وہول کو اڑا
ہو گا ہلاک عصر کو وہ لاڈلا مرا ۔ اس کو رہا کرا در کر اللہ کا آسرا
گر لاکھ روک اس کو مگر ہو گا وہ ہلاک
عالم ہو گر ادہر کا ادہر ہو گا وہ ہلاک

معصومہ کا کلام ہوا مصرع الم ۔ اللہ کہہ کر آہ ہوا سرد اُس کا دم
رو کر کہا لہو ہوا اس دم ہمارا کم ۔ لو لوگو لو ہلاک ہوا سرور اُمم
اور آہ مار کر کہا مل لو امامؑ آئے
اسوار ہو سدہار وا امام اور کام آئے

وہ سارا گھر اور اس وہ الحرم کا حال ۔ اولاد کا امام کو درد و الم کمال
اس کا ملال دل کو ہوا اس کا گہہ ملال ۔ ہر دم مگر ہوس کہ ہو اللہ کا وصال
رو کر ہلاک سارا وہ سرور کا گھر ہوا
کہرام آہ آہ ادہر اور ادہر ہوا

کر کر وداع اہل حرم کو مآلِ کار ۔ طالع ہوا رسولؐ کا وہ مہر وار
اور طور سا کھڑا ہوا مولا کا راہوار ۔ دم کر دعا کو سرور عادل ہو سوار
اُس دم مگر کلام ہوا دور دور کا
موسیٰ ہوا سوار وہ رہوار طور کا

عالم وہ محو امام ہرا ہوا ۔ ہر ہمدم امام اسے رہ کھڑا ہوا
کر کر سلام امامؑ کو محو دعا ہوا ۔ گرد سرِ امام علم وہ کھڑا ہوا
ہر سو کلام عام ہوا واہ واہ کا
گرد سر امام ہوا ہالہ ماہ کا

وہ ڈُو۔ ڈُور مہر وہ عکس اس کا دُور دُور ۔ وہ عالم طلوعِ سحر اور وہ سرور
ہر روہ مہر و ماہ وہ صحرا وہ کوہ طور ۔ حکم امامِ ہر دو سرا کا ہوا صدور
آمادۂ ہلاک ہو محکم کمر کرو
کس کر کمر کو معرکہ سر کو سر کرو

عسکر وہ واہ واہ کہ اس طرح کا ہو کم — وہ معرکہ گروہ مددگار کارکم
وہ ہمدم امامؑ امم مورد کرم — وہ دولہا وہ ماہرو وہ علمدار وہ علم
دلدار وہ امامؑ کا ہمرو رسولؐ کا
آرام اور سرور دل اس دل ملول کا

ہر مرد کا وہ دل کہ اگر ہو وہ حملہ ور — در ہم گروہ معرکہ ہو ہو کمال ڈر
للکار کر اسد کو کھڑا وہ اسد ہو گر — وہ سرد ہو دم اس کا ہوا دھر ادھر
ہو معرکہ علم دم حملہ حسام ہو
اس دم حلال گاو سمک لا کلام ہو

وہ مالک ممالک محروسۂ ولا — وہ سالک مسالک اسلام اور ہدا
وہ مورد عطائے کرم طالع ہما — وہ گرد راہ سرور و سردار دوسرا
مہر وداد ماہ کرم ہمدم امام
کو وہ اساس سر دار محرم امام

ہر ماہرو امامؑ کا اس دم ادھر ادھر — اور ولولہ کمال علمدار کو مگر
کھولا علم کہا کہ ولا کر مہم کو سر — رومال کو ہلا رہا ہر دم وہ گرد سر
وارد ہوا عدو کہا گھوڑا اڑا اڑا
گرد سر امام امم وہ ہما اڑا

ہر دل کو آمد آمد سرور کا ڈر ہوا — ہر دم کو درد آہ ادھر اور ادھر ہوا
طالع ہوا وہ مہر طلوع سحر ہوا — اور کلمہ و کلام مگر ہم دگر ہوا
وارد ہوا اسد اسد کردگار کا
سرمہ لگاؤ گرد سم راہوار کا

آرام اور سرور عدو کو سوا ہوا — دل محو آمد آمد مہر عطا ہوا
ہر ہمدم امامؑ کو وہ ولولہ ہوا — اس دم علم امام دو عالم کھڑا ہوا
ہر دم گل درود ملا اس امام کو
اور گھوم کر کھڑا ہر اک سلام کو

رو کو گلِ مراد کہو اور کھلا کہو   اور روحِ طاہرِ دلِ اہلِ ولا کہو
اور لمعہ طور کہو مہرِ سما کہو   اور طالعِ ملک کہو مسلِ علی کہو
دل کو کہو کہ سورہ کلامِ الٰہ کا
مطلع لکھا اس کو مہر کا اور لمعہ ماہ کا

سر کو مہم مدحِ سرِ سرور بڑا   کس طرح ہمسر اس سر مو ہو دوسرا
اور کلکِ دود لمعۂ طور اس کو لکھ سدا   اُس دم مگر معمّہ کھلا اس کلام کا
عمامۂ رسولؐ دو عالم دھرا ہوا
اللہ کا کلام سراسر کھلا ہوا

مسرور ہر ملک ہوا اور محو مرد مرد   اعدا کو درد سر وہ مگر اہلِ دل کا درد
عالم وہ عکسِ رو کا کہ دل ہر عدو کا سرد   عالم وہ گرد رہ کا کہ ہو کوہ طور گرد
مامور ہر ملک ہوا اس دم درود کا
ہر سو صدا کہ گرم کرو دم درود کا

اس دم ہوا کلام کا طور کلام طور   گردِ سرِ امام ہوا وہم کا وصول
او کلک سلسلہ ہوا اس دم مگر حصول   لکھ کاکلِ امامؑ کو آہ دلِ رسولؐ
کاکل کو دود لمعہ رو لا محالہ لکھ
لکھ اس کو ماہ کاکل والا کو ہالہ لکھ

لوحِ سرِ امامِ اُمم طالعِ ہما   اوّل کرو مطلع اس کا لکھا ہوا
آکر رگا وہ وار کہ اس کا لہو گرا   مل مل گرا اس دم آہ لہو در دو کر کہا
اللہ گوارہ کرا اس دم لہو مرا
دل کو ہوا ملال ہوا لال رو مرا

وہ لوحِ سر اُدھر اُدھر واہ دو ہلال   حاصل ہوا ہلال کو لو ماہ کا وصال
کہکر مگر ہلال محرم ہوا ملال   مردم کرو مطالعہ وہ مطلع کمال
حاصل مگر سرور ہوا اہلِ کمال کو
لو ورد کر لو لو سطرِ دعائے ہلال کو

اس مدح کا ہوا دلِ مدّاح کو ملال — درد دلِ رسولؐ کا کس طرح ہو گا حال
کہہ اور مدح لوح کہ اس دم ہو وہ کمال — لو دم کہ درود کہو اس کو لوح لال
لکھو مطلّا لوح کلام اللہ کو
اور لوح سر کا عکس لکھو مہر و ماہ کو

مدح محل مردمِ مہر عطا کرو — ہو دل کو وہ سرور کہ مکروہ دور ہو
حاصل ہو اسم گر سر علم و عمل کو لو — مردم کو آہ ہو اور محل کو حرم کہو
عالم سحر کا اور وہ مردم کا واہ واہ
ہر ڈورہ لال اس کا رگِ گل سا واہ واہ

اور حالِ سیّد اوسط رو کم کھُلا دِلا — کس طرح ہمسر اس کا مگر ہو گا دوسرا
مردم کو لاؤ واہ کہو اس کو کہو عطا — اُس کو اگر سمک کہو رو کو کہو سما
ہر گال کو کہو گل حمرا کھلا ہوا
لو کہہ دو لعل و دُر کا معما کھلا ہوا

دو ماہ کاملِ اور وہ ہو ہالہ دار ادہر — عالم ادہر سما کا اُدھر عالم سحر
مردم کہو دعا و حصار اس کو ہمدگر — درد اہم مدح گلو کس طرح ہو سر
سرو ارم امام اُمم کا گلا ہوا
اور وسمہ اس گلو کا گلو گا لہو ہوا

اس دم ہمارا کلک ہوا ہمدم حسام — کامل ہو مدح ماہ ہدا کم ہوا وہ کام
دل لمحہ اور صدر ارم صدر لا کلام — مدح کمر کا ہو صلہ دل کو رہِ مدام
عالم دلا کمر کا ہو معدوم کس طرح
ہم کو رہِ صراط ہو معلوم کس طرح

لو رو لو اور گلو کو کرو ہمدم حسام — رو و عطا و ماہ کرم ساعد امام
گر ہمسر اُس کا دوسرا ہو ہوا وا کلام — اللہ کا کرم کہو سرور کو والسلام
اس دم کہو ہما کو حسام ملال دو
مردم کہو کہ مرد ملک حور ڈال دو

واللہ رہوار کو وہم رسا کہو   آہو کو ہمدم اُس کا کہو اور ہوا کہو
دلدل کا ہمسر اس کو کہو گرد وا کہو   طاؤس اس کو گاہ کہو گہہ ہما کرو
گم کردہ راہ عکس اِدہر اور اُدہر رہا
کوڑا صدا کا اس کو صدا کا نگر رہا

وارد ہوا امام امم حاصل کلام   ہمدم اُدہر گروہ عمر اور ادہر امام
اس معرکہ کو سر کرو اعدا کا حکم عام   دوڑا ؤ راہوار کو کر لو علم حسام
ہر ہر عدو مسلح ادھر کو آڑا ہوا
کالا علم گروہ عمر کا کھڑا ہوا

مکر و حسد اُدھر کو ادہر مہر اور کرم   دل کو ادہر سرور ادھر درد اور الم
وہ مار اور مورہ وہ دو لاکھ اور کم   ہر سو ادہر کو رخ وحسام و علم علم
اعدا اُدہر کو اور ادہر ہمدم امامؑ
سرگرم معرکہ ہوا ہر دم دمِ امامؑ

ہر سو محاصرہ ہوا ہر سو کو معرکہ   ہر ہمدم امام مُوا عرصہ کم ہوا
وہ رمح اور آہ وہ ہمسر رسولؐ کا   وہ حرملہ اور آہ وہ معصوم کا گلا
سرور کا دل وہ مرگ علمدار آہ آہ
دولہا کا مردہ اور سُم رہوار آہ آہ

سرگرم آہ آہ ہوا سرور اُمم   دل کو ہوا کمال علمدار کا الم
اولاد کا الم ہوا گہہ صدمۂ حرم   اور دولہا کا ہلاک ہوا آہ دل کو سم
گاڑا علم کو اور کہا لو آؤ حاسدو
معصومہ کو رسولؐ رلواؤ حاسدو

صدمہ کمال ہوگا ہمارا رسولؐ کو   معلوم ہوگا معرکہ سارا رسولؐ کو
کس طرح ہوگا درد گوارا رسولؐ کو   گر ہم کو مارا حاسدو مارا رسولؐ کو
واللہ اس کا معرکہ کل ہوگا حاسدو
واللہ کل ہمارا عمل ہوگا حاسدو

لکھا مکرر آؤ ادھر کو امام آؤ   مسرور دل ہمارا کرو لو حرم کو لاؤ
ہم کو حلال اور حرام آؤ اور سکھاؤ   لو ماء سرد اور ہواؤ طعام کھاؤ
لاؤ ماء سرد دکھلاؤ طعام کو
آرام دو سرور دکھاؤ امام کو

اس طرح لکھو اور کرو اللہ کو گواہ   دہ وعدہ اور وہ عہد کرو اور مکر واہ
دو ہم کو صدمہ اور الم اور ہو سد راہ   اس طرح کا معاملہ کم ہو گا آہ آہ
سودا کرو معاد کا امرِ حلال کا
لو حوصلہ ہوا ہو اگر ملک و مال کا

دہ وعدہ اور وہ مکر و حسد واہ حاسدو   لو مطلع ہوا اور ہو آگاہ حاسدو
اس دم معاملہ کرو للہ حاسدو   مسلم ہو کلمہ گو ہو ڈرو آہ حاسدو
حاصل ملال ہو گا دعا گو کو مار کر
صدمہ کمال ہو گا دعا گو کو مار کر

للہ رحم کھاؤ اور آکر مدد کرو   اور دور حرص اور طمع اور حسد کرو
حاکم کو لکھو صلح کرو اور کد کرو   اس دم کہا ہمارا کرو اُس کو رد کرو
آرام دو رسولؐ کو ہم کو رہا کرو
آلِ رسولؐ و اہلحرم کو رہا کرو

تا حد سرور ہم کو ہو گر ہو ہمارا کام   گر سر ہوا الگ ہوا آرام کو دوام
اسلام محو ہو گا مگر آہ لا کلام   حاکم کو ہو گا آہ ہمارا الم مدام
گم رہ ہو آہ آہ کرو ڈر معاد کا
واللہ ہو گا محکمہ کل عدل و داد کا

معلوم کر لو حاسدو آدمؑ ہوا ہلاک   آگاہ ہو رسولؐ مکرم ہوا ہلاک
واللہ مرا رسولؐ کا ہمدم ہوا ہلاک   ہمسر مرا امام دو عالم ہوا ہلاک
ہو گا دوام عمر کو کس طور حاسدو
کہدو مدام کس کا رہا دور حاسدو

معلوم ہوگا حال مراکل کو کم سوا والله ہم کو آ ہو ملا عرصہ کم لگا
اور حلۂ ارم ہوا ہم کو سدا عطا وارد ہوا ملک مع عمامۂ وردا
ہم امام دوسرا کم ہوگا حاسدو
مورد مگر ہمارا ارم ہوگا حاسدو

ہو وردِ اہل ملک کو گو سورۂ دہر کا کہدو اگر ہو حال ہمارا لکھا ہوا
مدح کردگار ہمارا رہا سدا کس طرح دوسرا ہوا اولی الامر ہم سوا
اور وہم گر ہو لاؤ کلام الٰہ کو
اسدم گواہ مہر کو لو اور ماہ کو

الماس حکم ولعل دل و گوہر اہم مہر عطاؤ ماہ ہدا ہالۂ کرم
والد ہمارا سرور کل مالک ارم طومار علم طول عمل سرور امم
والله رہا وہ محرم اسرار کردگار
ہوگا سدا وہ مالک سرکار کردگار

مولد کہو کہ کس کا گھر الله کا ہوا کرار کس کا اسم دم معرکہ ہوا
اور کس کو سرد و گرم دو عالم عطا ہوا کہوا دو گر ہوا در اسدالله دوسرا
والله وہ اسد ہوا محرم رسولؐ کا
ہمسر رسولؐ کا ہوا ہمدم رسولؐ کا

مداح کردگار ہوا اس امامؑ کا مولا وہ کہہ و مہ کا ہوا اور عوام کا
مالک ہوا وہ حور کا دارالسلام کا عالم گواہ ہوگا مگر اس کلام کا
گو اس کو حاسدو کہو کل کو عدس کہو
مولا کہو امام کہو دادرس کہو

روداد حملۂ اسدالله کہو مگر وہ معرکہ وہ دو دھار اور وہ اس کا ڈر
وہ گو ہساعدو کہ ہو عالم کو اس کا ڈر للکار کر ہوا اسدالله حملہ ور
آکر کھڑا ہوا علم احمدؐ کا گاڑ کر
اور رو کا وار کو در محکم اُکھاڑ کر

محو کلام اُدھر کو وہ روح دل رسولؐ　　صدمہ اِدھر گروہ عمرؓ کو ہوا حصول
اسدم عمر کمال ڈرا اور ہوا ملول　　آکر کہا کلام کو کم دو امام طول

گر حوصلہ ہو صلح لو عہد دو امامؑ
محکوم حکم حاکم اسلام ہو امام

للکارا وہ امامؑ کہ او مصدر حرام　　محکوم ہو گا حاکم مردود کا امام
گر اس طرح کا دوسرا ہو گا ادا کلام　　سر ہو گا اس گروہ کا واللہ اور حسام

اللہ کا عدو ہو وہ ہمسر ہمارا ہو
آول وہ امر کس طرح ہمکو گوارا ہو

وہ حرص ہم کرم و طمع اور ہم عطا　　ہم طور وہ گروہ سحر اور ہم دعا
ہم لہو اور وہ دود وہ درد اور ہم دوا　　طاؤس ہم وہ مار وہ سگ اور ہم ہما

گمراہ اُس کو ہم کو کہو سالک وداد
مردود اُس کو ہم کو کہو مالک وداد

گمراہ اُس دم آگ ہوا رو کو موڑ کر　　للکارا گھوڑا ڈال کر اسدم اِدھر اُدھر
اور ہر سوار کو کہا محکم کرو کمر　　آؤ رسالہ دار کرو اس مہم کو سر

کاوا لگاؤ گرم کرو رہوار کو
لو ملک و مال مار لو گر اس سوار کو

صمصام کو علم کرو آؤ دلاورو　　لو حملہ ور ہو گھوڑا اُڑاؤ دلاورو
اور ہم کو طور حملہ دکھاؤ دلاورو　　لو راہ اور وار لگاؤ دلاورو

وسواس دل کا دور کرو اس کو مار لو
آرام اور سرور کرو اس کو مار لو

الماس لو گہر لو صلا اور لال لو　　گھوڑا لو اور علم لو رسالہ لو ڈھال لو
واللہ مہر ملک لو صد ہا محال لو　　محصول ملک دام و درم ماہ و سال لو

سر لاؤ اس کا مار لو اس دل ملول کو
حاکم کو دو سرور رولاؤ رسولؐ کو

اور ہو گا مالدار وہ سردار دوسرا   محصول ملک و مال کا اس کو سدا ملا
واللہ ہو گا مال اِدہر اور اُدہر دھرا   لو اس کو مارا اور لو مال حرم سرا
اس گھر کو گھس کر آگ لگاؤ دلاورو
سر کھول دو حرم کا رلاؤ دلاورو

دل اس گروہ کا ہوا آمادۂ ہوس   آمادہ ہر عدو ہوا اسدم کمر کو کس
حکم عمر ہوا کہ الگ ہو سوار دس   اور دل ملول اودہر کو دو عالم کا دادرس
کہرام ادہر ادہر کو کہ لاؤ سر امامؑ
سرگرم آہ آہ مگر مادر امامؑ

وارد ہوا محلہ وارم کا مال دار   اسم اس کا درعہ معرکہ آرا وہ کردہ کار
ہمراہ سو سوار مدد کو ممدِ کار   کوہ اُحد وہ اور وہ رہوار کوہسار
آکر کہا کہ حکم گر اس دم عمر کا ہو
واللہ کام سرور والا گہر کا ہو

مسرور دل عمر کا ہوا اور کہا کہ آؤ   ہمراہ سو سوار لو اور عصہ کم لگاؤ
کر لو علم حُسام کو رہوار کو اڑاؤ   لو ملک و مال لعل و گہر اور سر کو لاؤ
عالم کو ہو سرور کہ درد و ملال ہو
اسدم مگر ہلاک اسداللہ کا لال ہو

کر کر وداع عمر کو وہ درعہ ہوا سوار   گرم اس طرح ہوا کہ ہوا گرد رہوار
سرمکھ ہوا امامؑ کا آکر وہ کوہسار   سر کو ہلا ہلا کہا آوَل ہو کس کا وار
درہم ہوا اسد اسد کردگار کا
گھوڑا ادہر کھڑا ہوا اس راہوار کا

للکار کر کہا کہ لگا وار او عدو   کر رام گھوڑا اور ہو ہموار او عدو
دکھلا کمال ہم کو وہ کر کار او عدو   سر کر مہم کار کو آ مار او عدو
کس کام کا وہ دل کہ کمال اسم ڈر ہوا
معلوم ہو گا حال الگ کس کا سر ہوا

ڈر کر کمال ور عدا ادہر حملہ ور ہوا اور سر اُدہر کو ہمسر معصومہ کا کھلا
گہہ آہ مار کر کہا رو سرور ہدا گہہ سر کو کھولکر کہا لوگو کرو دعا
للہ دو صدا اسد کردگار کو
تو آڑ کر لو ڈھال کو اور ہو کو وار کو

اسدم دل امامؑ ادہر گاہ گہہ اُدہر وار اس کا رو کا روح کو صدمہ ہوا مگر
اس دل ملول کو کہا رو آہ مار کر سر کو دُعا کرو کہ کر اللہ مہم کو سر
للکار کر کہا کہ عدوا اور وار کر
مردود الگ کھڑا ہو احمصام مار کر

وار اس کا روک کر وہ اسد حملہ آدہر ہوا کر کر علم حسام دو دم کو کہا کہ آ
مردود وار روک ہمارا وہ سر اُڑا گر دل کو اور حوصلہ ہو وار کو لگا
اسدم کمال ڈر ہوا اس کو حسام کا
گو سر کا وہ مگر ہوا سر گر حسام کا

اسدم لگا وہ وار کہ کر ڈالا سر کو دو کر ڈالا سر کو دو کہ سراسر کمر کو دو
کر ڈالا وہ واہ سگ حملہ آور کو دو رہوار ادہر کو دو ہوا اسوار اُدہر کو دو
وار اسدم اس امام کا وہ کارگر ہوا
آدہا عدوا دہر ہوا آدہا اُدہر ہوا

اسدم ہوا دل عمر سعد کو ملال ڈر کر کہا کہ واہ ہوا اس طرح کا حال
گر ہر سوار الگ الگ اس دم لڑا کمال ہوگا ہلاک کس طرح معصومہ کا وہ لال
حملہ ہو کل کا وار ہو ہر سو حسام کا
مل کر لڑو کہ کام ہو اس دم امام کا

کر کر صلاح ہمد گر اسدم کہا کہ آؤ ملکر لڑو امامؑ امم کو مگر گراؤ
وار حسام و رمح و علم دو ترکر لگاؤ اہل حرم کو ہمسر معصومہؑ کو رُلاؤ
الہام امامؑ کو ہوا اسدم کہ لو حسام
دل کھول کر امام لڑو اور لو حسام

کسکر کمر کو معرکہ آرا ہوا اسد　　اور کر دعا کو دم کہا اللہ کر مدد
للکارا اس طرح کہ ہوا گم دلِ حسد　　صحرا ہلا ہوا ہوا ہر دام اور دد
ہر سو کہ حملہ ور وہ امامؑ ہُدا ہوا
رہوار ہر سوار کا ڈر کر کھڑا ہوا

اسدم حسام گاہ ادھر اور گہہ اُدھر　　گہہ مارا اس سوار کو گہہ اُس کو دوڑ کر
دم اُکھڑا اس عدو کا گرا اُس عدو کا سر　　اس کو ہوا ملال ہوا اُس عدو کو ڈر
اس طرح محو سرور والا گہر ہوا
وہ روکا اس کو مارا اُدھر حملہ ور ہوا

دلال مرگ کا دم حملہ ہوا ورود　　سوداگرِ عدم کو ہوا ہر طرح کا سود
وارِ حسام سکۂ درہم دل حسود　　املاک اور حسد کا ہوا صرّۂ ورود
ہر اکِ عدو ملاک ہوا آہم حک ہوا
روکا لا اہل حسد کا محک ہوا

وردِ ملک ملک ہوا الملک الامام　　ہمدم امامؑ کا دم حملہ دم حسام
اسدم ہوا وہ کام ہوا ہر عدو کا کام　　ہر سُو ہوا حُسامِ دُو دم کا کلام عام
راہ عدم کا او عمر سعد وہم کر
رو وار کر حسام کا آسہم سہم کر

محصول دو حسام کو سردار و سر کو لاؤ　　لو آؤ اور حملہ کرو اور سر گراؤ
مولا کو مار سر دکھا کر کہو کہ آؤ　　کر لو علم حسام کو رہوار کو اُڑاؤ
آ آکر اور وار لگاؤ امام کو
دُکھ دو الم دو اور رلاؤ امام کو

حاصل ہوا حسام کو محصول حملہ کم　　سردار کا سر اور علمدار کا علم
دل اہل دل کا اور حسام دو دم کا دم　　لوہا سلاح کا حسد و مکر کا عدم
ملک عدم ہلاک ہوا دم عوام کا
اسدم رہا امامؑ کا دم اور حسام کا

ہر سو گرا لہو ہوا صحرا لہو لہو   اور دم ہوا حسام دو دم کا لہو لہو
سارا ہوا امامؑ کا گھوڑا لہو لہو   ہر دم لہو لہو دل اعدا لہو لہو

سر لال لال اہل حسد کا گرا ہوا
ہر سو کو واہ لالہ احمر کھلا ہوا

ہر سو صدا کہ رحم کرو سرور ہدا   ہر کلمہ گو ہلاک ہوا وا محمدا
اس طرح اور حملہ ہوا گر امامؑ کا   عالم ہوا ہلاک کہو کس کا دم رہا

روکو حسام سرور عالم کا واسطہ
معصومۂ امامِ مکرم کا واسطہ

وہ رحمدل امامؑ وہ ہر کلمہ گو کا حال   کر رحم رو کا وار کو دل کو ہوا ملال
سر ڈال کر کھڑا ہوا معصومہ کا وہ لال   رو کر کہا کہ آہ ہوا دردِ دل کمال

لو آؤ ہم کو مار و کہ حاصل سرور ہو
سر ہو الگ کہ درد و الم دل کا دور ہو

ہمدم ہلاک اور مددگار ہو ہلاک   ہم رو رسولؐ کا مرا دلدار ہو ہلاک
آرام کس طرح ہو علمدار ہو ہلاک   ہر محو راہ داور دادار ہو ہلاک

صدمہ ہو کس کا کس کا گوارا امامؑ کو
ہو آہ آہ کس کا سہارا امامؑ کو

کس کس کو کھو کر آہ امامِ اُمم رہا   آرام کس طرح رہا کس طرح دم رہا
ہر لمحہ ہم کو صدمہ ہوا اور الم ہوا   عالم کا ہم کو حوصلہ واللہ کم ہوا

آرام ہو ہمارا اگر آہ کام ہو
سوکھا ہوا گلا ہو مرا اور حسام ہو

اور کہہ کہا کہ آؤ علمدار ہو کدھر   آؤ کرو وداع مددگار ہو کدھر
آمادہ مرگ کا ہوا سردار ہو کدھر   لو آؤ روکو وار کو دلدار ہو کدھر

ہر سو محاصرہ ہوا آکر مدد کرو
اعدا کو روکو وار کو دلدار رد کرو

محو ہلاک ادھر کو امامؑ ہدا ہوا — اعدا کا آہ گرم اُدھر معرکہ ہوا
اسوار گرد اور وہ سرور کھڑا ہوا — ہر دل کو ولولہ ہوا اور حوصلہ ہوا
اور ہمد گر کلام کہ مارو امامؑ کو
حملہ کرو گراؤ سوارو امام کو

مسرور ہر سوار رُو لا کر امامؑ کو — للکارا گہہ وہ گھوڑا ملا کر امامؑ کو
دوڑا اُدھر وہ وار لگا کر امامؑ کو — اور مارا آہ سہم دکھا کر امامؑ کو
گہ وار رمح کا لگا اور گہہ حسام کا
اور آہ آہ کر رہا دل اس امام کا

کھا کر وہ وار آہ امامؑ اُمم گرا — سر ڈال کر وہ سرور عالا ہمم گرا
ماہ رسولؐ مالک حور و ارم گرا — سالار کل کا رہ رَو ملک عدم گرا
در دا اُدھر وہ سرور والا گہر گرا
عمامۂ رسولؐ دو عالم ادھر گرا

کہرام آہ آہ اِدھر اور اُدھر ہوا — سر اُس دم آہ ہمسر معصومہ کا کھلا
گہہ رُو کو موڑ کر کہا سرور مؤا موا — گہہ آہ مار کر کہا کوہ الم گرا
گہہ دھول اڑا کر آہ کہا وا محمدا
آہ ہلاک امامؑ ہوا وا محمدا

والدکو ہو ماورا طہر کو ہو آؤ — سرور کا آہ کام ہوا مار سر دلاؤ
حل آکے اس مہم کو کرو داد کو دلاؤ — ڈھارس دو ہم کو رحم کرو عرصہ کم لگاؤ
لو والدہ وہ سر دلہو ڈال کر رہا
للہ آہ آہ الگ اس کا سر ہوا

مڑ کر کہا کہ اے عمر سعد رحم کھا — ہو گا حصول مار کر اس کو الم سوا
احمدؐ کو مارا آہ گر اس کا لہو ہوا — در داحسام اور وہ سوکھا ہوا گلا
اکر ہمارا کار رہا کر امامؑ کو
للہ ہم کو مار رہا کر امامؑ کو

گہہ اُس امام کو کہا اللہ سو دکھاؤ ڈھلواؤ گرد اور لہو ردکا آؤ آؤ
آکر وداع ہم کو کر دا ور سدا آناؤ للہ ہم کلام ہوا ور آ، سر ہلاؤ
لو آ، راہ ملک عدم ہم کو مار کر
ہمراہ دل ملول کو لو وار وار کر

اسدم الم کمال ہوا اس امام کو رو کر کہا کہ اہل حرم کو دلاسا دو
اللہ کا آسرا کرو اور آہ کم کرو سر کو رد اکو ہمسر معصومہ او ٹھو لو
دل کو ملال ہوگا اُدہر رو کو موڑ لو
سرور ہلاک ہوگا اُدہر رد کو موڑ لو

کر کر علم حسام کو وار دعدو ہوا درد اوہ سگ ہوا اور ہوو ہمدا امام کا
دکھلا کر اس کو آہ وہ سوکھا ہوا گلا رو کر کہا کہ مار مگر مابہ سر دلا
رو کر کر آہ آہ سو آل امام کو
رکھ دہار رگڑا آہ مکرر حسام کو

لو اہل درد امام دو عالم ہوا ہلاک رو لو کہ وہ امام مکرم ہوا ہلاک
مولا ہمارا ہمسر آدم ہوا ہلاک کہہ کہکر آہ سرد وہ اسدم ہوا ہلاک
دردا کدو ادہر سر اہل حرم ہوا
اور سر اُدہر امام اہم کا علم ہوا

معصومہ کا ورود ہوا اُس دم آہ آہ گر گر گرا اور آہ اوڑ اکر وہ گرد رہ
سر کھولا سارا اور کہا اللہ رہ گواہ مل کر لہو گلو کا کہا واحمدا
لو آؤ دادو دکھ را الاڈلا مُوا
معصوم اسدم آہ مرا دو سرا مُوا

ہوگا عطارد اسم مترا ہمارا عام کس کس کا اس طرح کا مسلم ہوا کلام
رو کہ آہ کلک کو کہ ہوا اہل دل کا کام اسدم محل دعا کا ہوا کہہ کہ او امام
ہم کو صلا کلام کا اسدم عطا کرو
للہ کام دل کا ہمارا روا کرو

ببر علی انیس

مرثیہ

مدّاح ہو اک ملک امام دو سرا کا   مسرور ہو دل لکھ کلمۂ صلِ علےٰ کا
مطلع ہو کہ عالم ہو مہ و مہر سما کا   مدّاح ہو مورد کرم و مہر و عطا کا
سردارِ دو عالم کا اگر رحم و کرم ہو
اس مدح کا واللہ صلہ حور و ارم ہو

سردار دو عالم اسداللہ کا دلدار   مدّاح کا مولا ملک و حور کا سالار
حلّالِ ہمہم اور دو عالم کا مددگار   مالک کا ہوا حکم رسولؐ اس کا ہو سوار
ممدوح ہو مہر و مہ و لوح و سما کا
اور حامد و محمود رسولؐ دو سرا کا

در دادہم ماہِ محرم کو وہ معصوم   حاکم ہو مگر ہو عمرؔ سعد کا محکوم
الماس ہو ورد اور ہو صد آہ و مغموم   ہو عسکر و ہر اہل ولا مردہ و معدوم
داماد و ولد اور علمدار کا ہو درد
ہر ہمدم و ہمدرد و مددگار کا ہو درد

دس لاکھ عدو گمرہ و مکار ادھر آہ   اک سرور سردار دو عالم کا ادھر آہ
ہر دم الم اولاد کا وہ حال دگر آہ   صدمہ وہ علمدار کا وہ درد کمر آہ
وہ دل کہ ہر اک ہمدم و دلدار کا صدمہ
صد آہ وہ داماد و مددگار کا صدمہ

للکارا عدو اک کہ امام آؤ ادھر کو   دکھلاؤ حواس اور ہر اک دار کو روکو
صمصام کو ولولۂ حملہ اگر ہو   مُردہ دلِ اطہر ہو اگر راہ عدم لو
اک مرد ہو گر ہمدم و دلدار ہو آ کر
اسد دم حملہ وہ مددگار ہو آ کر

گر حوصلہ ہو سرور و سردار امم کو — آمادۂ حملہ ہو کرہ دور کرم کو
ہو دہاک علم گرد صمصام دودم کو — معلوم اسداللہ کا معرکہ ہمکو
کامل ہو دلاور رہوا گرد ارہود کو
کرار ہو کرار ہو کرار ہو رو کو

اک گرد اُدھر کا ہوا گر حملہ در آکر — صمصام کا اک وار ہو حملہ ہو مکرر
گردو مع رہوار ہو وہ گرد دلاور — ہمسر ہو وہ آکر کہ ہو کہسار کا ہمسر
اک وار گراں کا ہوا سالار کو مارا
ہو دھوم کہ لو سرور سردار کو مارا

ہو معرکہ گر عسکر کرار کو لاؤ — داماد و ولد اور علمدار کو لاؤ
ہر ہمدم و ہمدرد و مددگار کو لاؤ — گر ولولۂ حملہ ہو رہوار کو لاؤ
درد و الم و صدمہ ہو گر راہِ عدم لو
دل کو ہو اگر حوصلہ صمصام دودم لو

لو سرور و سردار دو عالم ہوا اسوار — وہ وار حسام اسداللہ کا وہ رہوار
صمصام دودم اور وہ رہوار ہما وار — وہ حور وہ آہو وہ ہوا وہ ملک اطوار
رہوار وہ رہوار وہ رہوار ہما گرد
حور و ملک و آہو و طاؤس و ہما گرد

سردار دو عالم سا سوار اور وہ گھوڑا — دوڑا وہ اگر کوہ ذم رم ہوا ردڑا
اک لمحہ رکا گرد وہ ہوا کا ہوا کوڑا — کوڑا وہ ہوا کا ہوا لو اس کو وہ موڑا
گھوڑا دم حملہ ملک اطوار اُڑا وہ
اور آہو و طاؤس و ہما وار اُڑا وہ

رہوار وہ رہوار کہ طاؤس و ہما گرد — رہوار وہ رہوار کہ ہو مہر و سما گرد
رہوار وہ رہوار کہ آہو و ہوا گرد — رہوار وہ رہوار کہ ہر وہم رسا گرد
اس سرور و سردار کا رہوار وہ رہوار
اُڑ کر ہوا حور و ملک اطوار وہ رہوار

حملہ ور ادہر احمد مرسل کا ہوا لال   لو کھولا حسام اسد اللہ کا رومال
گر گر ہوا اعدا کا ہوا لو دگر احوال   سر اس کا گرا اور دو دھڑ اس کا ہوا لال
صمصام کو روکا وہ ہوا سر دہر اک گرد
اور عسکر اعدا کا ہوا گرد ہر اک گرد

لو عسکر اعدا کا وہ اسوار ہوا دو   اسوار وہ دوا اور وہ رہوار ہوا دو
رہوار وہ دوا اور وہ سالار ہوا دو   سالار وہ دوا اور علمدار ہوا دو
گر گر وہ دم اُکھڑا ادہر اس کا دہڑ اُس کا
دھڑ اس کا دم حملہ الگ اور سر اُس کا

اک وار حسام اسد اللہ کا گر ہو   دل مردہ ادہر اور ہوا روح اُدہر ہو
دھڑ کا ہو دلاور کو الگ گرد کا سر ہو   دو ڈھال ہو دو صد ردو رہوار و کمر ہو
ہو مہر کہ ہو ماہ کہ کہسار ہو دو ہو
صمصام دو دم کا اگر اک وار ہو دو ہو

سردار دو عالم اسد اللہ کا ادہر ماہ   اور حاکم اعدا عمر سعد اُدہر آہ
دس لاکھ عدد ایک حسام اسد اللہ   صمصام اِدہر اور اُدہر ہر سر گمراہ
وہ دو ہوا رہوار اُڑا سر وہ عدو کا
صحرا کو ملا حُلّہ احمر وہ لہو کا

لو دُور ہوا ولولۂ عسکر مکار   حملہ وہ اسد کا ہوا صمصام کا وہ وار
اعدا کا گرا دھڑ وہ اُڑا ہر سر سردار   وہ سر دہوا لو وہ ہوا دو مع رہوار
دہلا وہ ہر اک کو وہ ہوا رعد کو دھڑکا
اعدا کو ہوا ڈر عمر سعد کو دھڑکا

اک وار ہوا عسکر مکّار کو مارا   عسکر کو وہ مارا وہ علمدار کو مارا
مارا وہ علمدار کو سالار کو مارا   سالار کو مارا وہ ہر اسوار کو مارا
اسوار کو مارا ہوا رہوار ادہر دو
رہوار ادہر دو ہوا کہسار ادہر دو

وہ ڈر ہوا صمصام کا دہلا دل ہر مرد صدمہ وہ ہوا روح کو وہ دل کو ہوا درد
سرگرم حسام اسداللہ عدو سرد وہ عسکر اعدا کا ہر اک گرد ہوا گرد
رہوار اُدہر دو ہوا اسوار اِدہر دو
لو سر ہوا اعدا کا مع صدر وہ گمرہ دو

صمصام دو دم کا ہوا سردار کو دھڑکا سردار کو دھڑکا ہوا سالار کو دھڑکا
سالار کو دھڑکا ہوا اسوار کو دھڑکا اسوار کو دھڑکا ہوا رہوار کو دھڑکا
رہوار کو دھڑکا ہوا عسکر کو ہوا ڈر
عسکر کو ہوا ڈر کہ ہر اک سر کو ہوا ڈر

گر وار ہو صمصام امام دوسرا کا گرگ و اسد و آہو و طاؤس و ہما کا
روح و دل و وہم و ہوس حرص و ہوا کا حور و ملک و مہر و مہ و لوح و سما کا
کہسار کا صحرا کا ادہر حال دگر ہو
اور سر الگ اس عسکر اعدا کا اُدہر ہو

اعدا کو حسام اسداللہ کا ہوا ڈر درہم ہوا سارا عمر سعد کا عسکر
آمادہ حملہ ہوا اک گرد دلاور اور ہمسر سرور رہوار اُڑا کر
للکارا عدو سرور و سردار امم کو
لو وار ہمارا کرو رد روک لو ہم کو

اک وار ہمارا ہوا گر سرور و سردار ہر گرد ہو سرمہ دم حملہ مع کہسار
گادہ ہو کہ ہو طوس کہ ہو سام سا اسوار ہمسر اگر آکر ہو وہ دو ہو مع رہوار
اسدم اگر اک وار ہو صمصام دودم کا
دھڑ دور ہو سر دور ہو سردار اُمم کا

اسدم دم حملہ ہوا گر وار ہمارا ہو دھوم کہ سالار کو سردار کو مارا
مداح ہو عسکر عمر سعد کا سارا گر معرکہ ہو سرور و سردار کو گوارا۔
صمصام لو حملہ کرو رہوار اُڑا کر
دکھلاؤ حسام اسداللہ کو آکر

صمصام وہ صمصام گر اک وار ہو اس کا — دارا کو ہو ڈر سا در ہو کاؤس کو ڈھڑکا
ہو کوہِ اُحد گرد سر طور ہو سرما — دل کو ہو اگر ٹہ حملہ آؤ سر صحرا

رہوار ہما وار ملک وار کو روکو
صمصام کو لو ڈھال کو لو وار کو روکو

سردار دو عالم مرا اک وار اگر ہو — کہسار کو دھڑکا ہو مہ و مہر کو ڈر ہو
ہو طوس کا دھڑ دور الگ سام کا سر ہو — گا وہ ہوا گردِ وہ مع صدر و کمر ہو

داما دو ولد اور علمدار ہو لاؤ
گر ہمدم و ہمدرد و مددگار ہو لاؤ

دھڑکا ہوا گر دل کو مددگار کو لاؤ — گر دلولہ حملہ ہو کرار ہو آؤ
رہوار و ہما وار ملک وار اڑاؤ — اک وار حسام اسد اللہ کا دکھاؤ

آگاہ ہو معلوم ہو سردار اُمم کو
دس لاکھ کو لو مار اگر مار لو ہم کو

لو وار ہوا سرور سردار اُمم کا — اور رحم و کرم دور ہوا اہل کرم کا
وہ حملہ ہوا وار وہ صمصام و دم کا — رہرو ہوا مردود وہ ملکِ عدم کا

سر دو ہوا دھڑ دو ہوا مکار ہوا دو
وہ گردِ دلاور مع رہوار ہوا دو

ایک حملہ سرور ہوا مردود کو مارا — مکار ڈرا اور دم معرکہ ہارا
کاؤس کو دھڑکا ہوا دہلا دلِ دارا — درہم ہوا عسکر عمر سعد کا سارا

اسوار ادھر دو ہوا رہوار اُدھر دو
سردار ادھر اور علمدار اُدھر دو

اک وار ہوا عسکرِ مکار ہوا گرد — عسکر وہ ہوا گرد وہ سالار ہوا گرد
سالار ہوا گرد علمدار ہوا گرد — ہر گرد دلاور مع رہوار ہوا گرد

ڈر اہل سما کو ہوا اور حور کو صدمہ
کہسار کو دھڑکا ہوا اور طور کو صدمہ

وہ سرورِ سردار وہ صمصام وہ رہوار — وہ طور اسد اللہ کا صمصام کا وہ وار
رہوار وہ رہوار ہماؤ ملک اطوار — اور ہمہمہ اس کا وہ دمِ حملہ اسد وار
ڈر حور و ملک کو ہوا اور دام کو دد کو
دہڑ کا سرِ صحرا ہوا ہر گرگ و اسد کو

صمصام وہ صمصام وہ سردارِ دو عالم — رہوار کا عالم ملک و حور کا عالم
عسکر ہوا سارا عمرِ سعد کا درہم — سر کا ہوا دہڑ کا ہر اک اسوار کو اس دم
رو کر کہا رہوار ہوا گام کو روکو
للہ کرو رحم کہ صمصام کو روکو

سردارِ دو عالم کرم و مہر عطا ہو — للہ حسام اسد اللہ کو روکو
رہوار ہما وار کو لو روک لو دم لو — للہ مہم رحم کرو راہ دو ہم کو
مالک ہو مددگار ہو سردارِ امم ہو
کامل ہو دلاور ہو مگر اہلِ کرم ہو

گمراہ ہوا حاکم مکار ہمارا — لو رحم دکھاؤ اسد اللہ کا سارا
ہو مہر کہ عسکر عمرِ سعد کا ہارا — سردارِ دو عالم کو ہوا رحم گوارا
صدمہ ہوا گو دل کو مگر آہ کو روکا
رہوار و حسام اسد اللہ کو روکا

راحم ہوا معصوم اسد اللہ کا دلدار — صمصام کو روکا مع رہوار ہما وار
آمادۂ حملہ ہوا اس دم ہر اک اسوار — دوڑا عمرِ سعد مع عسکرِ مکار
اک سرور و سردارِ امم لاکھ عدو گرد
گھرا وہ ہر اک گھاؤ و صحرا وہ لہو گرد

وہ درد وہ صدمہ وہ مددگارِ دو عالم — وہ موسمِ گرما وہ مددگارِ دو عالم
وہ عسکرِ اعدا وہ مددگارِ دو عالم — وہ وار ہر اک کا وہ مددگارِ دو عالم
دس لاکھ عدو وا درہ اک اہلِ کرم آہ
صمصام سہا دم اور وہ سردارِ امم آہ

اس عسکرِ مکار کو طمع گہر و مال — دس لاکھ عدو گرد وہ معصومہ کا اک لال
وہ حالِ امام اور وہ رہوار کا احوال — وہ گھاؤ سراسر وہ لہو اور وہ سر لال
لو سرور و سردار و مددگار گرا آہ
دردا! اسد اللہ کا دلدار گرا آہ

وہ گرد وہ سردار امم کا سرور آہ — حملہ ادھر اعدا کا ادھر گرد لہو آہ
وہ صدر امام دوسرا کا وہ عدو آہ — صمصام دو دم اور وہ سرور کا گلو آہ
صد آہ کہ معصوم کو کرار کو مارا
سردار امم سرور و سالار کو مارا

صدمہ ہوا روح اسد اللہ کو اس دم — اور حال رسولؐ دوسرا کا ہو درہم
صد آہ وہ دردِ دلِ معصومہ عالم — وہ صدمہ وہ حالِ حرم سرورِ اکرم
رو کر کہا لو سرور سردار کو مارا
آہ اسد اللہ کے دلدار کو مارا

آہ اسد اللہ مددگار کو مارا — آہ اسد اللہ کے کرار کو مارا
آہ اسد اللہ کے سردار کو مارا — آہ اسد اللہ کے سالار کو مارا
معصوم کا مُردہ ہو ہر اک اہل حسد ہو
آہ اسد اللہ مددگار و لدہو

مردود کو کس طرح ہوا آہ گوارا — معصوم کو سرلار کو کرار کو مارا
صد آہ عدم سرور و سردار سہارا — دردا وہ محمد اور وہ مددگار ہمارا
دھڑ دور رہا اہل کرم و مہر و عطا کا
اور سر ہوا الگ آہ امام دوسرا کا

وہ سرور معصوم وہ مہر اسد اللہ — معدوم وہ معصومۂ عالم کا ہوا ماہ
دردا ہوا سرور دل عسکر گمراہ — درد و الم و صدمہ حرم کو ہوا صد آہ
حور و ملک و لوح و سما کو ہوا صدمہ
صد آہ رسولؐ دوسرا کو ہوا صدمہ

اعدا کو ہوا حکم عمر کا اِدھر آؤ   اوّل دلِ اہلِ حرم اس طرح دکھاؤ
ہمراہ شرِ سرورِ سردار کو لاؤ   اور وہ سرِ سردارِ اُمم کل کو دکھاؤ
مسرور ہو دل لو گہر و مال و درم کو
اور آگ لگا کر کرو محصور حرم کو

مسمار کرو گھر حرم اہلِ کرم کا   مورد ہو دل مردہ ہر اک دردِ الم کا
لال و گہر و مال لو کل اہلِ حرم کا   ہمراہ لو سر سرور و سردارِ اُمم کا
حاکم کو دکھا کر کہو کرّار کو مارا
لو عہدہ کہ معصوم کو سردار کو مارا

صد آہ کہ ہو آلِ محمدؐ کا کھلا سر   صدمہ اسد اللہ کو ہو کہرام ہو گھر گھر
مسمار ہو معصومہ کا گھر آہ سراسر   مسرور ہو دردا عمر سعد کا عسکر
داؤدؑ کو روح اللہ و موسیٰ کو صدمہ
حور و ملک و آدمؑ و حوّا کو ہو صدمہ

صد آہ وہ معصوم وہ معصومہ کا دلدار   وہ ماہِ رسولؐ دوسرا اور وہ کرّار
مہر اسد اللہ ملک و حور کا سالار   وہ سرور و سردار دو عالم کا مددگار
وہ گرد وہ صحرا وہ لہو آہ ہوا اس کا
صمصام عدو اور گلو آہ ہوا اس کا

دردا ہو امام دوسرا اور ہو صمصام   ہو مالک و سردار گھرا اور ہو صمصام
معصوم ہو وہ محو دعا اور ہو صمصام   صد آہ ہو سرور گلا اور ہو صمصام
ہو صدر امامِ اُمم اور اہلِ حد ہو
الما رہو وردا اور آل اللہ کا اسد ہو

مسرور ہو دردا عمر سعد کا عسکر   مہموم ہر اک اہلِ حرم آہ ہو رو کر
وہ آگ وہ صحرا وہ الم اور وہ صرصر   آلودۂ گرد آہ وہ معصوم وہ سرور
دردا کہ ہو روح اسد اللہ کو صدمہ
ہو مہر و سما و سمک و ماہ کو صدمہ

وہ طاہر و اطہر اسد اللہ کا دلدار   سردار دو عالم ملک و حور کا سالار
معصومہ کا وہ لال محمد کا وہ اسوار   دھڑ اس کا ہو آلودۂ گرد اور سم رہوار
صد آہ ہوا اس سرور و سردار کا سر دور
ہر اہل حرم اس کا ہو دور اور ہو گھر دور

وہ گرد وہ صحرا وہ لہو اہل کرم کا   دھڑ دور وہ سردار و مددگار امم کا
وہ عسکر مکار وہ گھر اہل حرم کا   مورد ہوا اور دو الم و صدمہ و ہم کا
صدمہ ہوا روح اسد اللہ کو سوا آہ
لو روؤ کہ سر آل محمد کا کھلا آہ

مہر اسد اللہ کرم و مہر عطا ہو   للہ کرو رحم امام دوسرا ہو
لو واسطہ معصوم کا مسموع دعا ہو   مادح کو عطا حور و ارم اس کا صلہ ہو
حلّالِ مہم رادِ ہر اہل حسد ہو
سردار امم آؤ مددگار مدد ہو

رباعی

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا   ظلم علم صاحب معراج ملا
ممبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم   اب چاہیے کیا تخت ملا تاج ملا

سلام

رنج دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں
جز غم آل عبا ہم اور غم رکھتے نہیں

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے ہیں

دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے ان کے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

یہ دوات و خامہ ہیں بلکہ فصاحت کا نشاں
کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

زور سے اس کے لیا ہے ہم نے میدان سخن
اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

ایک کشکول تو کیا ایک نقد جاں ہے پاس
ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

جو سخی ہیں مال دنیا سے ہیں خالی ان کے ہاتھ
اہل دولت جو ہیں وہ دست کرم رکھتے نہیں

یہ مکاں محبوب حق کا ہے نہ آنا اس طرف
بلا اجازت یہاں ملایک بھی قدم رکھتے نہیں

مرثیہ

دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے
دنیا میں پسر باپ کی زینت کا سبب ہے

اولاد کا ہونا بھی بڑی بخشش رب ہے
یہ سچ ہے مگر داغ بھی بیٹے کا غضب ہے

رونے کی ہے جا ظلم نیا کرتی ہے تقدیر
شبیرؓ سے اکبرؓ کو جدا کرتی ہے تقدیر

بیٹا بھی وہ بیٹا کہ ہے تصویر پیمبر
اخلاق میں مانند حسنؓ زور میں حیدرؓ

خوش لہجہ و خوش خصلت و خوش وضع سراسر
معشوق جہاں رونق دیں عاشق داور

انصاف سے سب صاحب اولاد بتائیں
اس طرح کے فرزند کو مرنے کی رضا دیں

مہر پدری ایک طرف اکبرؓ کا ہے یہ حال غیروں کا بھی دل غم سے ہوا جاتا ہے پامال
آغاز جوانی ہے اور اٹھارواں ہے سال ماں کی یہ تمنا ہے کہ دولہا بنے یہ لال
کیا طرفہ مصیبت علی اکبرؓ پر پڑی ہے
ہیں بیاہ کے دن اور اجل سر پہ کھڑی ہے
اس دم شہ بیکس کو ہے تشویش نہایت بابا یہ غضب لائی ہے فرزند کی رخصت
گر دیتے ہیں رخصت تو گوارا نہیں فرقت روکیں تو نہیں ہوتی ہے امت کی شفاعت
کیا صدمہ ہے؟ کیا فکر ہے؟ کیا رنج و تعب ہے؟
ہر طرح سے مشکل ہے ہر اک طرح غضب ہے
اس فکر میں مغموم کھڑے تھے شہ والا ناگاہ یہ آواز علیؓ کی ہوئی پیدا
شبیرؓ تمہیں تو ہو تمہیں یہ نہیں زیبا کہتی ہے سخی ابن سخی آپ کو دنیا
کیا تم نے فراموش کیا میرے چلن کو
ڈے ڈالا تھا ہم نے تو رہ حق میں حسنؓ کو
اکبرؓ کے جواں مرنے کا کرتے ہو عبث دھیان بیٹے ہوئے زینب کے فدا تم پہ مری جان
عباسؓ کو امت پہ کیا آپ نے قربان فرزند کی رخصت میں یہ تشویش ہے اس آن
مرنے کی رضا دیجئے ہم شکل نبی کو
امت سے زیادہ نہ کرو پیار کسی کو
یہاں حیدرؓ شبیرؓ سے ہوتی تھی یہ گفتار اور خیمہ کے در پر تھی کھڑی بانوئے لاچار
سن کر یہ سخن آ کے پکاری بہ دل زار کیا مشورہ فرماتے ہوا سید ابرار
گھبراتی ہے اس وقت مری جان بدن میں
یہ کون مرے لال کو بھجواتا ہے رن میں
شہ نے کہا بانو سے کھلا تم پہ یہ اسرار یہ کون اجازت کے لئے کرتا ہے تکرار
یہ اس کی ہے آواز جو ہے کل کا مددگار یہ وہ ہے لڑا جو رہ حق میں ہے کئی بار
خیبر شکن و صفدر و شیر احدی ہے
اے بانو! یہ داد علی اکبرؓ کا علیؓ ہے

یہ سنتے ہی غش ہو گئی بانوئے خوش اوقات
شہ خیمہ میں آئے علی اکبرؓ کو لئے سات
ایک ایک سے چلّا کے کہی شاہ نے یہ بات
اے بیبیو ہے آخری اکبرؓ سے ملاقات
اب تم سے جدا ہو کے یہ دلبر نہ ملے گا
یوسفؑ تو ملے تھے علی اکبرؓ نہ ملے گا

سب لینے لگے آن کے اکبرؓ کی بلائیں
روتی تھی کوئی اور کوئی دیتی تھی دعائیں
اکبرؓ نے کہا بیبیاں عابدؓ کو بھی لائیں
وہ ہم سے ملیں ہم انہیں چھاتی سے لگائیں
میدان میں اب جا کے میں کب ہے کو پھروں گا
کچھ دل میں ہے ارمان سو عابدؓ سے کہوں گا

سجادؓ جب آئے انہیں چھاتی سے لگایا
وہ بات کہی جس سے کہ عابدؓ کو غش آیا
گیسو کو ہٹا کان سے منہ اپنا لگایا
وہ بات کہی جس سے کہ عابد کو غش آیا
اک حشر ہوا بیبیوں کی آہ و فغاں سے
غل تھا کہ ہوئی رحلت سجادؓ جہاں سے

اکبرؓ سے کھڑی کہتی تھی ماں غم کی ستائی
کیا تم نے کہا لال جو غش ہو گیا بھائی
سجادؓ نے تسکین ذرا غش سے جو پائی
بانو نے قسم روح پیمبر کی دلائی
بولی کہ کلیجے میں مرے درد اٹھا ہے
سچ ہم سے کہو کیا علی اکبرؓ نے کہا ہے

عابد نے کہا کیا کہوں کرتے ہیں جو ارشاد
کہتے ہیں مدینہ میں اگر جانا ہو سجاد
اور پوچھیں جوانان مدینہ مری روداد
کہنا کہ گلا خشک تھا اور خنجر فولاد
مت بھولیو ہم کو جو کہیں پائیو پانی
پیاسوں کو مرے نام پہ پلوائیو پانی

یہ سن کے حرم کرنے لگے گریہ و زاری
زینب نے کہا کچھ تو کہو ہم سے بھی واری
اکبرؓ نے کہا تم سے ہے یہ عرض ہماری
خوش آتی ہے بو فدوی کو چھٹپن سے تمہاری
مقتل میں مری لاش پہ جب آئیو زینبؓ
تم اپنی ردا میں مجھے کفنائیو زینب

اکبرؓ نے غرض شاہ کو روتے ہوئے چھوڑا رہوار کو مہمیز کیا مار کے کوڑا
مانند نظر دوڑ گیا دشت میں گھوڑا رُخ مثل کماں اپنا کماندار نے چھوڑا
وارد علی اکبرؓ ہوئے جو تیر کی مانند
سرخم تھے شجاعوں کے بھی شمشیر کی مانند

کہتا ہے یہ راوی میں کھڑا تھا سر میداں اک مرتبہ واللہ ہوا حشر کا ساماں
تاریک زمیں اور سیہ گنبد گرداں لشکر نظر آتا تھا نہ شئے، بیاباں
ہلنے لگے چودہ طبق افلاک و زمیں کے
تھرا کے گرے قبے قیام شہ دیں کے

اور رن سے چلی آتی ہے آواز برابر بابا مرے جلد آؤ موا اب علی اکبرؓ
خیمہ میں اس آواز سے برپا ہوا محشر سر پیٹنے کی صاف صدا آتی تھی باہر
نے قاسم نوشاہ، نہ عباسؑ علیؑ کو
اس طرح نہ سیدانیاں رُوتی تھیں کسی کو

پردہ درِ خیمہ کا گرا خاک پہ ناگاہ اک بی بی سیہ پوش برآمد ہوئی جوں ماہ
سر ننگے، گریباں پھٹے، بال کھلے آہ ہر مرتبہ چلاتی تھی واقرۃ عیناہ
اٹھارواں سال اور یہ قضا آہ مری جاں
انیس برس کے بھی نہ کہلائے مری جاں

اے چاند مرے گھر کے مری آنکھوں کے تارے اے چین مرے دل کے مرے لاڈلے پیارے
اے میرے پُر ارمان مرے پیاس کے مارے اس وقت مجھے کوئی تری لاش پہ وارے
آتی تھی یہ کہتی ہوئی اور صرف بکا تھی
لکھا ہے کہ وہ خواہر شاہ شہدا تھی

مرثیہ

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے — جلوہ کیا سحر کے رخِ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے — مڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے
آخر ہے رات حمد ثنائے خدا کرو
اٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

ہاں غازیو یہ دن ہے جدال و قتال کا — یاں خوں بہے گا آج محمد کی آل کا
چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہرا کے لال کا — گذری شبِ فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جس کی شام — یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہونچ جائیں تشنہ کام — لکھے خدا نماز گزاروں میں اس کا نام
سب ہیں وحیدِ عصر یہ غل چار سو اٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے سرخرو اٹھے

یہ سن کے بستروں سے اٹھے وہ خدا شناس — اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کیے سب نے بے ہراس — باندھے عمامہ آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی رخوں پہ نور — خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دور
فیاض حق شناس اولوالعزم ذی شعور — خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حسنِ صوت سے خط برملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

ساونت بُردبار فلک مرتبت دلیر · عالی منش سبا میں سلیماں، وغا میں شیر
گرُدان وہراںؔ کی زبردستیوں سے زیر · فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر
دنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے تھے
دریا دلی سے بحر کو قطرہ سمجھتے تھے

تقریر میں وہ رمز و کنائے کہ لاجواب · نکتہ بھی منہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن کتاب بلاغت کا ایک باب · سوکھی زبانیں شہد فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعران عرب تھے مرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے

لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو · پیدا تنوں سے پیرہن یوسفی کی بو
غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو · پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خو
پتھر میں ایسے لال صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا کہ ملک ہیں بشر نہیں

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب · پر تھی رخوں پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب · ہوتے ہیں خاکسار غلام ابوتراب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئنوں میں جلا اور ہو گئی

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزان خوش خصال · جنمیں کئی تھے حضرت خیر النسا کے لال
قاسم سا گلبدن علی اکبر سا خوش جمال · اک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال
سب کے رخوں کا نور سپہر بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور · دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور · وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادی مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

قربان صنعت قلم آفرید گار
تھی ہر ورق پہ صنعت ترصیع آشکار
عاجز ہے فکرت شعرائے ہنر شعار
ان صنعتوں کو پائے کہاں عقل سادہ کار
عالم تھا قدرت رب عباد پر
مینا کیا تھا وادی مینو سواد پر

وہ نور اور وہ دشت سہانا سادہ فضا
دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل و نالۂ مرغان خوشنوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے نخل گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کوکو کا شور نالۂ حق سرہو کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم
جاری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوک زباں تھی خدا کی مدح

چیونٹی بھی ہاتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار
اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حی یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار
تسبیح تھی کہیں کہیں تہلیل کردگار
طائر ہوا میں مست ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبی کے پھول — خوشبو سے جن کی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دُنیا کی زیب و زینت کاشانۂ بتولؑ — وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسولؑ
ماہِ عزا کے عشرہ اول میں لٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لُٹ گیا

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار — پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گلعذار
دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار — جاگے وہ ساری رات کے وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے پھولوں کی کلیاں بکس گئیں

وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگار گوں کی شاں — گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسماں
بیچوبہ سپہر بنے جس کا سائباں — بیت العتیق دیں کا مدینہ جہاں کی جاں
اللہ کے حبیب کے پیارے اسی میں تھے
سب عرش کبریا کے ستارے اسی میں تھے

گردوں پہ ناز کرتی تھی اس دشت کی زمیں — کہتا تھا آسمان دہم چرخ ہفتمیں
پردے تھے رشک پردۂ چشمانِ حورِ عیں — تاروں سے فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں
دیکھا جو نور شمسۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبحِ گل آفتاب پر

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں — تشریف جانماز پہ لائے شہِ زماں
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہِ انس و جاں — صوتِ حسن سے اکبرِ مہرو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؑ کی کانوں میں آ گئی

چپ تھے طیور جھومتے تھے وجد میں شجر — تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
محو ثنا کلوخ و نباتات و دشت و در — پانی سے مُنہ نکالے تھے دریا کے جانور
اعجاز تھا کہ دلبر شبیر کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

ناموس شاہ ہوتے تھے خیمے میں زار زار
چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوے نامدار
زینب بلائیں لیکے یہ کہتی تھی بار بار
صدقے نمازیوں کے موذن کے میں نثار
کرتے ہیں یوں ثنا و صفت ذو الجلال کی
لوگوں اذاں سنو مرے یوسف جمال کی

یہ حسنِ صوت اور یہ قرأت بہ شد و مد
حقا کہ افصح الفصحا ہے انہیں کا جد
گویا ہے لحن حضرت داؤدِ با خرد
یا رب رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد
شعبے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسولؐ میں

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے
عین الکمال سے تجھے بچے خدا بچائے
وہ خوش بیاں کہ جس کی طاقت دلوں کو بھائے
دو دو دن ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے
غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسین پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نور عین پر

صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامت الصلوٰۃ
قائم ہوئی نماز اٹھے شاہ کائنات
وہ نور کی صفیں وہ مصلی ملک صفات
قدموں سے جن کے ملتی تھی آنکھیں رہ نجات
جلوہ تھا تا بہ عرش معلیٰ حسین کا
مصحف کی لوح تھی کہ مصلیٰ حسین کا

قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز
بسم اللہ آگے جیسے ہو یوں تھے شہ حجاز
سطریں تھیں یا صفیں عقب شاہ سرفراز
کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
صدقے تھے سحر بیاض پہ بین السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحف ناطق کے نور کی

امید مغفرت ہے خدائے علیم سے
غیر از کرم کچھ اور نہ ہوگا کریم سے
لیکن ڈگیں نہ پاؤں رہ مستقیم سے
پہلے اشارہ ہے یہ الف لام میم سے
حبل المتیں یہی ہے نجات ان کے ہاتھ ہے
قرآں کا اور آل محمدؐ کا ساتھ ہے

باہم مکبّروں کی صدائیں وہ دلپسند کرّوبیانِ عرش تھے سب جس سے بہرہ مند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دوچند خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے مہِ نو تھے رکوع میں

اک صف میں سب محمد و حیدر کے رشتہ دار اٹھارہ نوجواں ہیں اگر کیجیے شمار
پر سب جگر فگار و حق آگاہ و خاکسار پیرو امامِ پاک کے دانا سے روزگار
تسبیح ہر طرف تہ افلاک انہیں کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک انہیں کی ہے

دنیا سے اٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود ان کے لئے تھی بندگی واجب الوجود
وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں

ہاتھ ان کے جب قنوت میں اٹھے سوئے خدا خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب وا
تھرائے آسمان ہلا عرشِ کبریا شہپر تھے دونوں ہاتھ پے طائرِ دعا
وہ خاکسار محوِ تضرع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دعائیں تھیں عرش پر

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام آئے مصلّے کو جوانانِ تشنہ کام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہِ خاص و عام آنکھیں ملیں قدم پہ کسی نے باحترام
کیا دل تھے کیا سپاہ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

سجدے میں شکر کے کوئی تھا مردِ باخدا پڑھتا تھا کوئی حرز سے قرآں کوئی دعا
نعتِ نبی کہیں تھی کہیں حمدِ کبریا مولا اٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا
فاقوں پہ تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر
یا رب مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

زاری تھی التجا تھی مناجات تھی ادھر   واں صف کشی و ظلم و تعدی و شور و شر
کہتا تھا ابن سعد یہ جا جا کے نہر پر   گھاٹوں سے ہوشیار ترائی سے باخبر
دوروز سے ہے تشنہ دہانی حسین کو
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسین کو

بیٹھے تھے جانماز پہ شاہ فلک سریر   ناگہ قریب آکے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوئے لشکر شریر   عباس اُٹھے تول کے شمشیر بے نظیر
پروانہ تھے سراج امامت کے نور پر
روکی سپر حضور کرامت ظہور پر

اکبر سے مڑ کے کہنے لگے سرور زماں   تم جا کے کہدو خیمے میں یہ اے پدر کی جاں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکر گراں   بچوں کو لیکے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردن اصغر ہدف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسر سے شہ آسماں سریر   فضہ پکاری ڈر سے کہ اے خلق کے امیر
ہے ہے علی کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر   اصغر کے گاہوارے تک آکر گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات تو گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

باقر کہیں پڑا ہے سکینہ کہیں ہے غش   گرمی کی فصل یہ تب و تاب اور یہ عطش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیران ماہوش   بچوں کو لیکے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش
یہ کس خطا پہ تیر پیاپے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

اُٹھے یہ شور سن کے امام فلک وقار   ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے رفیق و یار
فرمایا مڑ کے چلتے ہیں اب بہر کردگار   کمریں کسو جہاد پہ منگواؤ راہوار
دیکھو فضا بہشت کی دل باغ باغ ہو
امت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

فرما کے یہ حرم میں گئے شاہ بحر و بر — ہونے لگیں صفوں میں کمربندیاں اِدھر
جوشن پہن کے حضرت عباس نامور — دروازے پر ٹہلنے لگے مثل شیرِ نر
پرتو سے رُخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوش پاک پر

شوکت میں رشک تاج سلیماں تھا خود سر — کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہما کے پر
دستانے دونوں فتح کا مسکن ظفر کا گھر — وہ رعب الاماں وہ تہور کے الحذر
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

خیمے میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال — چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینب کی یہ دُعا ہے کہ اے ربِ ذوالجلال — بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال
بالوے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

آفت میں ہے مسافر صحرائے کربلا — بیکس پہ یہ چڑھائی ہے سید پہ یہ جفا
غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہو گا کیا — ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خدا
فاقوں سے جاں بلب ہیں عطش سے ہلاک ہیں
یارب ترے رسولؐ کی ہم آل پاک ہیں

سر پر نہیں اب علی نہ رسول فلک وقار — گھر لٹ گیا گزر گئیں خاتون روزگار
اماں کے بعد روئی حسن کو میں سوگوار — دنیا میں اب حسین ہے ان سب کا یادگار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اُس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

بولے قریب جا کے شہ آسماں جناب — مضطر نہ ہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
مغرور ہیں خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب — خود جا کے میں دکھاتا ہوں ان کو رہ صواب
موقع بہن نہیں ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

معراج میں رسولؐ نے پہنا تھا جو لباس　　کشتی میں لائیں زینب اسے شاہ دیں کے پاس
سر پر رکھا عمامۂ سردار حق شناس　　پہنی قبائے پاک رسول فلک اساس
بر میں درست و چست تھا جامہ رسولؐ کا
رومال فاطمہ کا عمامہ رسولؐ کا

شملے کے دو سرے جو پڑے تھے بصد وقار　　ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
بل کھا رہا تھا زلف سمن بو کا تار تار　　جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل کی اصل کیا ہے یہ گیسو کے پیچ ہیں

کپڑوں سے آ رہی تھی رسولؐ زمن کی بو　　دولھا نے سونگھی ہوگی نہ ایسی دولھن کی بو
حیدر کی فاطمہ کی حسین و حسن کی بو　　پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بو
لنڈھتا تھا عطر وادی عنبر سرشت میں
گل جھومتے تھے باغ میں رضواں بہشت میں

پوشاک سب پہن چکے جس دم شہ زمن　　لیکر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
چلائی ہائے آج نہیں حیدرؑ و حسنؑ　　اماں کہاں سے لائے تمہیں اب یہ بے وطن
رخصت ہے اب رسولؐ کے یوسف جمال کی
صدقے گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی

صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے　　پیٹا منہ اپنا زینب عصمت پناہ نے
پہنی زرہ امام فلک بارگاہ نے　　بازو پہ جوشنین پڑھے عز و جاہ نے
جوہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے اتنے ستارے چمک گئے

یاد آ گئے علی نظر آئی جو ذوالفقار　　قبضے کو چوم کر شہ دیں روئے زار زار
تولی جو لیکے ہاتھ میں شمشیر آبدار　　شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو نصرت قریب ہو
زیب اس کی تجھ کو ضرب عدو کو نصیب ہو

باندھی کمر سے تیغ جو زہرا کے لال نے　　پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
دستانے پہنے سرور قدسی خصال نے　　معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں مہرِ نبوت کی شان تھی

ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام　　تیار اُدھر ہوا علم سیّد انام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام　　روتی تھی تھامے چوب علم خواہرِ امام
تیغیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینب کے لال زیرِ علم آکھڑے ہوئے

گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گلعذار　　مرفق تک آستینوں کو اُلٹے بصد وقار
جعفر کا رعب دبدبۂ شیر کردگار　　بوٹا سے اُن کے قد پہ نمودار و نامدار
آنکھیں ملیں علم کے پھریرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

گہ ماں کو دیکھتے تھے گہ جانبِ علم　　نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثار شہِ امم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم　　آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
کیا قصد ہے علی ولی کے نشان کا
اماں کسے ملے گا علم نانا جان کا

کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہ خوش خصال　　ہم بھی محق ہیں آپ کو اس کا ہے خیال
پاس ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال　　اس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزت طلب ہیں نام کے اُمیدوار ہیں

بے مثل تھے رسولؐ کے لشکر کے سب جواں　　لیکن ہمارے جد کو نبی نے دیا نشاں
خیبر میں دیکھتا رہا منہ لشکرِ گراں　　پایا علم علی نے مگر وقتِ امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے انہیں کے ہم ہیں انہیں کے نواسے ہیں

زینب نے تب کہا کہ تمہیں اس سے کیا ہے کام   کیا دخل مجھکو مالک و مختار ہیں امام
دیکھو نہ کیجو بے ادبانہ کوئی کلام   بگڑوں گی میں جو لو گے علم کا زباں سے نام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے ہو یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے

سر کو ہٹو بڑھو نہ کھڑے ہو علم کے پاس   ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہ فلک اساس
کھوتے ہو اور آئے ہوئے تم مرے حواس   بس قابل قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگو گے تم جو بُرا یا بھلا کہوں
اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

عمر ین قلیل اور ہوس منصب جلیل   اچھا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل   ہاں اپنے ہم سنوں میں تمہارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچے غور کرے پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ کیوں بشر اس کی ہوس کرے

ان ننھے ہاتھوں ہاتھوں سے اُٹھے گا یہ علم   چھوٹے قدوں میں سب سے سنوں میں سبھوں سے کم
نکلیں تنوں سے سبط نبی کے قدم پہ دم   عہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے

پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر فخر روزگار   زیبا نہیں ہے وصف اضافی پہ افتخار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار   دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کارزار
تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علی کے ہیں

کیا کچھ علم سے جعفر طیار کا تھا نام   یہ بھی تھی اک عطائے رسول فلک مقام
بگڑی لڑائیوں میں بن آئے انہیں سے کام   جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
بیجاں ہوئے تو نخل وغا نے ثمر دیئے
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دیئے

لشکر نے تین روز ہزیمت اُٹھائی جب　　بخشا علم رسولِ خدا نے علی کو تب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرِ رب　　در بند کر کے قلعہ کا بھاگی سپاہ سب
اکھڑا وہ یوں گراں تھا جو در سنگ سخت سے
جس طرح توڑ لے کوئی پتّا درخت سے

نرغے میں تین دن سے ہے مشکلکشا کا لال　　اماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
پوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال　　میں لٹ رہی ہوں اور تمہیں منصب کا ہے خیال
غمخوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو نام کے

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام　　غصّے کو آپ تھام لیں اے خواہر امام
واللہ کیا مجال جواب لیں علم کا نام　　کھل جائے گا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام
فوجیں بھگا کے گنج شہیداں میں سوئیں گے
تب قدر ہو گی آپ کو جب ہم نہ ہوئیں گے

بس کہہ کے یہ ہٹے جو سعادت نشاں پسر　　چھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو مجھے خبر　　ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بُری لگی
بچو یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری لگی

زینب کے پاس آ کے یہ بولے شہِ زمن　　کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنیں بہن
شیروں کے شیر عاقل و جرار وصف شکن　　زینب وحید عصر ہیں دونوں یہ گلبدن
یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کے اور ارادے ہی اور ہیں

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ ولولے　　بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے
اقبال کیونکر ان کے نہ قدموں سے منہ ملے　　کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے
بے شک یہ ورثہ دار جناب امیر ہیں
پر کیا کہوں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

بس جس کو تم کہو اسے دیں فوج کا علم — کی عرض جو صلاح شہ آسماں حشم
فرمایا جب سے اُٹھ گئیں زہرائے با کرم — اُس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خُرد ہو
جس کو کہو اُسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

بولیں بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام — ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسماں مقام — قرآں کے بعد ہے تو علی ہی کا کچھ کلام
شوکت میں قد میں شان میں ہمسر کوئی نہیں
عباس نامدار سے بہتر کوئی نہیں

عاشق غلام خادم دیرینہ جاں نثار — فرزند بھائی زینت پہلو وفا شعار
جرار یادگارِ پدر فخر روزگار — راحت رسان مطیع و نمودار و نامدار
صفدر ہے شیر دل ہے بہادر ہے نیک ہے
ہمشکل سیکڑوں میں ہزاروں میں ایک ہے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن — ہاں تھی یہی علی کی وصیت بھی اے بہن
اچھا بلائیں آپ کدھر ہے وہ صف شکن — اکبر چچا کے پاس گئے سُن کے یہ سخن
کی عرض انتظار ہے شاہِ غیور کو
چلیے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

عباس آئے ہاتھوں کو جوڑے حضورِ شاہ — جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
زینب وہیں علم لیے آئیں بہ عز و جاہ — بولے نشاں کو لیکے شہ عرش بارگاہ
ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

رکھکر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار — ہمشیر کے قدم پہ ملا منہ بہ افتخار
زینب بلائیں لیکے یہ بولیں کہ میں نثار — عباس فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار
ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
ان آفتوں سے بھائی کو لیکر نکل چلو

کی عرض میرے جسم پہ جس وقت تک ہے سر   ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوج بدگہر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر   دیکھیں اٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب کیا جگر
ساونت ہیں پسر اسد ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کے

منہ کر کے سوئے قبر علی پھر کیا خطاب   ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عرض خاکسار ہے بس یا ابوتراب   آقا کے آگے میں ہوں شہادت سے کامیاب
سر تن سے ابن فاطمہ کے روبرو گرے
شبیر کے پسینے پہ میرا لہو گرے

یہ سن کے آئی زوجۂ عباسِ نامور   شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
لیں سبط مصطفیٰ کی بلائیں بچشم تر   زینب کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی رتبہ غلام کا

سر کو لگا کے چھاتی سے زینب نے یہ کہا   تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا
کی عرض مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں تو فدا   بانوئے نامور کو سہاگن رکھے خدا
بچے جییں ترقی اقبال و جاہ ہو
سایہ میں آپ کے علی اکبر کا بیاہ ہو

قسمت وطن میں خیر سے پھر شہ کو لیکے جائے   یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسین آئے
اُمّ البنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے   جلدی شب عروسی اکبر خدا دکھائے
مہندی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دولھن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

ناگاہ آ کے بالی سکینہ نے یہ کہا   کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا ان کو مبارک کرے خدا   لوگو مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علی کے نشان کی

عباس سکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ — عمو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولے لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ — اب تو علم ملا تمہیں پانی مجھے پلاؤ
تحفہ کوئی نہ دیجیے نہ انعام دیجیے
قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجیے

باتوں پہ اس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام — کی عرض آ کے ابن حسن نے کہ یا امام
انبوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوج شام — فرمایا آپ نے کہ نہیں ذکر کا مقام
عباس اب علم لئے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

ڈیوڑھی پہ خادمان محل کی ہوئی پکار — آتے ہیں اب حضور خبردار ہوشیار
خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار — نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

ناگہ بڑھے علم لیئے عباسِ باوفا — دوڑے سب اہل بیت کھلے سر برہنہ پا
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے یہ اک ایک سے کہا — لو الوداع اے حرم پاک مصطفےٰ
صبح شب فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

شہ کے قدم پہ زینب زار و حزیں گری — بانو پچھاڑیں کھا کے پسر کے قریں گری
کلثوم تھرتھرا کے بروئے زمیں گری — باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری
اُجڑا چمن ہر اک گل تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

دیکھی جو شان حضرت عباس عرش جاہ — آگے بڑھی علم کے پس از تہنیت سپاہ
نکلا سرا سے دو عالم کا بادشاہ — نشتر بدل تھی بنت علی کی فغان و آہ
رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گل آفتاب سے

مولا چڑھے فرس پہ محمد کی شان سے
ترکش لگایا ہرنے پہ کس آن بان سے
نکلا یہ جن و انس و ملک کی زبان سے
اُترا ہے پھر زمیں پہ براق آسماں سے
سارا چلن خرام میں کبکِ دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دولھن کا ہے چہرہ پری کا ہے

غصے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھیے
جوبن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے
تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق ہے
بالادوی میں اوس کو ہما پر بھی فوق ہے

تھم کر ہوا چلی فرسِ خوش قدم بڑھا
جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں علم بڑھا
رایت بڑھا کہ سرو ریاض ارم بڑھا
پھولوں کو لیکے بادِ بہاری پہونچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہونچ گئی

پنجہ ادھر چمکتا تھا اور آفتاب ادھر
اُس کی ضیا تھی خاک پہ ضو اس کی عرش پر
زرریزی علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
دولھا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر
تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع کے
اُلجھے ہوئے تھے تار خطوطِ شعاع کے

اللہ ری سپاہ خدا کی شکوہ و شاں
بجھنے لگے جنود ضلالت کے بھی نشاں
کم سن کسے علم کے تلے ہاشمی جواں
دنیا کی زیب دین کی عزت جہاں کی جاں
ایک ایک دودمانِ علی کا چراغ تھا
جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا

لڑکے وہ سات آٹھ سہی قد سمن عذار
گیسو کسی کے چہرے پہ دو اور کسی کے چار
حیدر کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار
کھیلیں جو نیمچوں سے کریں شیر کا شکار
تیروں کی سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آئے تھے عیدگاہ میں دولھا بنے ہوئے

غرفوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام
دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام
دیکھو درود پڑھ کے سوئے لشکرِ امام
ہمشکل مصطفےٰ ہے یہی عرش احتشام
رایت لیے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اب تک جہاں میں ساتھ نبی و علی کا ہے

دُنیا سے اٹھ گئے تھے جو پیغمبر زماں
ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے سب جہاں
کیونکر سوئے زمیں نہ جھکے پیر آسماں
پیدا کیا ہے حق نے عجب حسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسیں پہ ہے
محبوب حق ہیں عرش پہ سایہ زمیں پہ ہے

ناگاہ تیر اُدھر سے چلے جانب امام
گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجت بھی کی تمام
نکلے ادھر سے شہ کے رفیقان تشنہ کام
بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہ شام
بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیر تنگ تھی
اک اک کی جنگ مالک اشتر کی جنگ تھی

نکلے پئے جہاد عزیزانِ شاہ دیں
نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
روباہ کی صفوں میں چلے شیر خشم گیں
کھینچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

اللہ رے علی کے نواسوں کی کارزار
دونوں کے نیچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا کسی نے جو روکا سپر پہ وار
گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا کچھ شمار
اتنے سوار قتل کیے تھوڑی سی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں
آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کمانیاں
فوجوں میں تھیں نبی و علی کی دہائیاں
شوکت ہوبہو؎ تھی جناب امیر کی
طاقت دکھادی شیروں نے زینب کے شیر کی

؎ ہوبہو یعنی مانند و مثل ۱۲

کس حسن سے حسن کا جواں حسیں لڑا   گھر گھر کے صورت اسد خشمگیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا   سہرا الٹ کے یوں کوئی دولھا نہیں لڑا
حملے دکھا دیئے اسدِ کردگار کے
مقتل میں سوئے ارزق شامی کو مار کے

چمکی جو تیغ حضرت عباس عرش جاہ   روح الامیں پکارے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسر سعد روسیاہ   کشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں میں پیر کے

بے سر ہوئے موکل سرچشمۂ فرات   ہل چل میں مثل موج صفوں کو نہ تھا ثبات
دریا میں گر کے ڈوب گئے کتنے بد صفات   گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ حیات
عباس بھر کے مشک کو یوں تشنہ لب لڑے
جس طرح نہرواں میں امیر عرب لڑے

آفت تھی حرب و ضرب علی اکبر دلیر   غصے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
سب سر بلند پست زبردست سب تھے زیر   جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
سر اُن کے اُترے تن سے جو تھے رن چڑھے ہوئے
عباس سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے

تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک   ہلتی رہی زمیں لرزتے رہے فلک
کانپا کئے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک   نعرے نہ پھر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگام ظہر خاتمہ فوج ہو گیا

لاشے سبھوں کے سبط نبی خود اٹھا کے لائے   قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے   فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

لاشے تھے سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام — ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبی کی قبا تمام
افسردہ و حزین و پریشان و تشنہ کام — برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
بھر لے کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

پوچھو اسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ — اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
فرصت نہ اب بکا سے نہ ماتم سے انفراغ — جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تن پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبر کی لاش پر

مقتل سے آئے خیمہ کے در پہ شہ زمن — پر شدتِ عطش سے نہ تھی طاقت سخن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن — اصغر کو گاہوار سے لے آؤ اے بہن
پھر ایک بار اس مہ انور کو دیکھ لیں
اکبر کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

خیمے سے دوڑی آل پیمبر برہنہ سر — اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر — منہ سے ملے جو ہونٹھ تو چونکا وہ سیمبر
غم کی چھری چلی جگر چاک چاک پر
بہلا لیا حسین نے زانوئے پاک پر

بچے سے ملتفت تھے شہ آسمان سریر — تھا اس طرف کمیں میں بن کاہل شریر
مارا جو تین بھال کا اس بے حیا نے تیر — بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردن صغیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفل شیر خوار — چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحال زار
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار — اے خاک پاک حرمت مہماں نگاہ دار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علی کی ہے
دولت ہے فاطمہ کی امانت نبی کی ہے

پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے — واقف نہیں ہے قبر کی شہلائے تار سے
اے قبر ہوشیار مرے گلعذار سے — گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے
سیّد ہے لال حضرت خیر النسا کا ہے
معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام — آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سرخ فام
زیب بدن کئے تھے بصد عز و احتشام — پیراہن مطہر پیغمبر انام
حمزہ کی ڈھال تیغ شہ لافتا کی تھی
بر میں زرہ جناب رسول خدا کی تھی

رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں راہوار — جرار بردبار سبک رو وفا شعار
کیا خوشنما تھا زین طلاکار و نقرہ کار — اکسیر تھا قدم کا جسے مل گیا غبار
خوش خو تھا خانہ زاد تھا دُلدل نژاد تھا
شبیر بھی سخی تھے فرس بھی جواد تھا

گرمی کا روز جنگ کیونکر کروں بیاں — ڈر ہے کہ مثل شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لوں کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں — رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسماں
آب خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

وہ لوں وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب — کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب — خیمے تھے جو حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چارپائے نہ اُٹھتے تھے تابہ شام — مسکن میں مچھلیوں کے سمندر[1] کا تھا مقام
آہو جو کاہلے تھے تو چیتے سیاہ خام — پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثل موم خام
سرخی اُڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اُترا تھا سائے کی چاہ سے

[1] سمندر ایک جانور ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے اور آگ کھاتا ہے مگر اس روز لیسے ...حرارت اس کہ

آب رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور   جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھی سات پردوں کے اندر عراق میں تر   خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار   ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار   کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے   آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے   گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں   انگارہ تھے حباب تو پانی شرر فشاں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں   تہ پر تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب   چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب   کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ امم   نے دامنِ رسول تھا نے سایۂ علم
شعلے جگر سے آہ کے اٹھتے تھے دم بدم   اودے تھے لب زباں میں کانٹے کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار
آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آب نہر پرند آکے بے شمار
سقے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا جام سب کو پلانا ثواب تھا
اک ابن فاطمہ کے لئے قحط آب تھا

سر پر لگائے تھا پسر سعد چتر زر
خادم کئی تھے مروحہ جنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش مکرر زمیں کو تر
فرزند فاطمہ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ دشت کی وہ جلال آفتاب کا
سنولا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا

کہتا تھا ابن سعد کہ اے آسماں جناب
بیعت جو کیجیے ابھی تو حاضر ہے جام آب
فرماتے تھے حسین کہ او خانماں خراب
دریا کو خاک جانتے ہیں ابن بوتراب
فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آب بقا ہو یہ تو مرے کام کا نہیں

کہدوں تو خوان لیکے خود آئیں ابھی خلیل
چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
کیا جام آب کا تو مجھے دے گا او ذلیل
بے آبرو خسیس ستم گر دنی بخیل
جس پھول پہ پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے
کھلوائے فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے

گر جم کا نام لوں تو ابھی جام لیکے آئے
کوثر یہیں رسول کا احکام لیکے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لیکے آئے
لشکر ملک کا فتح کا پیغام لیکے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

فرما کے یہ نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار
تھرا کے پچھلے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار
آواز کوس حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اٹھا کے جنگ پہ اسوار تل گئے
کالے نشان فوج سیہ رو کے کھل گئے

وہ دھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش کر ہو گئے تھے شور سے کروبیوں کے گوش
تھرائی یوں زمیں کہ اڑے آسماں کے ہوش نیزے بلا کے نکلے سواران درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سواران شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

جب رن میں تیغ تول کے سلطان دیں بڑھے گیتی کے تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانند شیر نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے گویا علی الٹتے ہوئے آستیں بڑھے
جلوہ دیا جری نے عروس مصاف کو
مشکل کشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا سینے سے دم جدا رگ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلی نکل پڑی

آئے حسین یوں کہ عقاب آئے جس طرح کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح
یوں تیغ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

گرمی میں برق تیغ جو چمکی شرر اڑے جھونکا چلا ہوا کا جوشن سے تو سر اڑے
پرکالۂ سپر جو ادھر اور ادھر اڑے روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پر اڑے
ظاہر نشان اسم عزیمت اثر ہوئے
جن پر علی لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

جس پر چلی وہ تیغ دو پارا کیا اسے کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اسے
واں تھی جدھر اجل نے اشارا کیا اسے سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اسے
نے زیں تھا نہ فرس تھا نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی — دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
ایک ایک قصر تن کو زمیں پر گرا گئی — سیل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی
آ پہونچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

اس آب پر یہ شعلہ فشانی خدا کی شان — پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان — استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان
لہر آئی جب اتر گیا دریا چڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

قلب و جناح میمنہ و میسرا تباہ — گردن کشانِ امت خیر الورا تباہ
جنباں زمیں صفیں تہ و بالا پرا تباہ — بے جان جسم روح مسافر سرا تباہ
بازار بند ہو گئے جھنڈے اکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلے اجڑ گئے

اللہ ری تیزی و برش اس شعلہ رنگ کی — چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلبگار جنگ کی — حاجت نہ سان کی تھی اسے اور نہ سنگ کی
خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار رو میں چرخ پہ چڑھتی اترتی تھی

تیغ خزاں تھی گلشن ہستی سے کیا اسے — گھر جس کا خود اجڑ گیا بستی سے کیا اسے
وہ حق نما تھی کفر پرستی سے کیا اسے — جو آپ سر بلند ہو پستی سے کیا اسے
کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ برش دم کے ساتھ ہے

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہوا — گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
چمکی تو الامان کا غل چار سو اٹھا — جو اس کے منہ پہ آ گیا بے آبرو ہوا
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اس کی آنچ سے

بجھ بجھ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی
چمکی تو اُس طرف اُدھر آئی وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی
اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
منہ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوئے تھے جاں سے ہاتھ
گردن سے سر الگ تھا جدا تھے نشاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ
جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہ تھے منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے تھے فقط بھاگ جانے کو

اللہ رے خوف شہ کائنات کا
زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
دریا میں حال یہ تھا ہر اک بدصفات کا
چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا
غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر ورع پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر
منہ کھولے پھرتی تھیں لیکن اِدھر اُدھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر
تھے تہ نشیں نہنگ مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

آیا خدا کا قہر جدھر سن سے آگئی
کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آگئی
دو کر کے خود زین پہ جوشن سے آگئی
کھنچتی ہوئی زمین پہ توسن سے آگئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغ جناب کی
آئی صدا زمین سے یا بوتراب کی

پس پس کے کشمکش سے کماندار مر گئے
چلے تو سب چڑھے رہے بازو اتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے تیروں کے پر گئے
مقتل میں ہو سکا نہ گزارا گزر گئے
دہشت سے ہوش اُڑ گئے تھے مکر و وہم کے
سوفار کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے

تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور　　گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کے سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھا پائے مور　　لشکر میں خوف جاں نے انہیں کر دیا تھا کور
ہوش اُڑ گئے تھے فوج ضلالت نشان کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سوفار جان کے

صف پر صفیں پروں پہ پرے پیش و پس گرے　　اسوار پر سوار فرس پر فرس گرے
اُٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے　　مخبر پہ پیک پیک پہ مر کر عسس گرے
ٹوٹے پرے شکست بنائے ستم ہوئی
دُنیا میں اس طرح کی بھی افتاد کم ہوئی

غصے تھا شیر شرزۂ صحرائے کربلا　　چھوڑے تھا گرگ منزل و ماوائے کربلا
تیغ علی تھی معرکہ آرائے کربلا　　خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا
بستی بسی تھی مردوں کی قریے اُجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے

غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے　　تھی طرفہ کشمکش فلک پیر کے تلے
چلے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے　　چھپتی تھی سر جھکائے کماں تیر کے تلے
اِس تیغ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

چاروں طرف کمانِ کیانی کی وہ ترنگ　　رہ رہ کے ابر شام سے تھی بارش خدنگ
وہ شور و صیحۂ فرس ابلق و سرنگ　　وہ لو وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ
پھنکتا تھا دشتِ کیں کوئی دل تھا نہ چین سے
اس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے حسین سے

سقے پکارتے تھے یہ مشکیں لیے اُدھر　　بازار جنگ گرم ہے ڈھلتی ہے دوپہر
پیاسا جو ہو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر　　مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہل شر
کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو
پیتے تھے سب حسین ترستے تھے آب کو

گرمی میں پیاس کہ پھنکا جاتا تھا جگر — اُف اُف کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر
آنکھوں میں ٹیس اُٹھی جو پڑی دھوپ پر نظر — جھپٹے کبھی ادھر کبھی حملہ کیا اُدھر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے — چلتی تھی ایک تیغ علی لاکھ رنگ سے
چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے — رُکتی تھی نے سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر — پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
مردم کی کشمکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر — گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں زمیں پر جھکا کے سر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا
جس نے کہ سر پہ ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

گھوڑے کی وہ تڑپ وہ چمک تیغ تیز کی — سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی — تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی
آری جو ہوگئیں تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے مُنہ پھرا لیے تھے کارزار سے

اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی — سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
سوکھے تھے لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی — تصویر ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی
ہوتا تھا غل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسینؑ کی — اللہ کا غضب تھا لڑائی حسین کی
دریا حسین کا ہے ترائی حسینؑ کی — دُنیا حسین کی ہے خدائی حسین کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم واسطہ علی اکبرؑ کی روح کا

اکبر کا نام سن کے جگر پہ لگی سناں　　آنسو بھر آئے روک لی رہوار کی عناں
مڑ کر پکارے لاش پسر گوشہ زماں　　تم نے نہ دیکھی جنگ پدر اے پدر کی جاں
قسمیں تمہاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

چلایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابن سعد　　اے وا فضیحتا یہ ہزیمت ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلاف وعد　　اک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثال رعد
نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابن سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر

بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر　　روئیں تن و سیاہ دروں آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے ترکش اجل کا گھر　　تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی طبیعت بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُس کے اور اسی قد و قامت کا ایک یل　　آنکھیں کبود رنگ سیہ ابروؤں پہ بل
بدکار و بدشعار و ستمگار و پر دغل　　جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکروں کے دل
بھالے لیے گسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ ضرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر

کھنچ جائے شکل حرب وہ تدبیر چاہیے　　دشمن بھی سب مقر ہوں وہ تقریر چاہیے
تیزی زباں میں صورت شمشیر چاہیے　　فولاد کا قلم دم تحریر چاہیے
نقشہ کھنچے گا صاف صف کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی　　سادات بے حواس ہراساں، دھنی بلی
ڈر تھا کہ لو حسین بڑھے تیغ اب چلی　　غل تھا ادھر ہیں مرحب و عنتر اُدھر علی
کون آج سربلند ہو اور کون پست ہو
کس کی ظفر ہو دیکھیے کس کی شکست ہو

آواز دی یہ ہاتف غیبی نے تب کہ ہاں
بسم اللہ اے امیر عرب کے سرور جاں
اُٹھی علی کی تیغ دو دم چاٹ کر زباں
بیٹھے درست ہو کے فرس پہ شہ زماں
واں سے وہ شور بخت بڑھا نعرہ مار کے
پانی بھر آیا منہ میں اِدھر ذوالفقار کے

لشکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی لڑائے
وہ بد نظر تھا آنکھوں میں آنکھیں اِدھر گڑائے
ڈھالیں لڑیں سپاہ کی یا ابر گڑگڑائے
غصے میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت کڑکڑائے
ماری جو ٹاپ ڈر کے ہٹے بد لعیں کے پاؤں
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاوِ زمیں کے پاؤں

نیزہ ہلا کے شاہ پر آیا وہ خود پسند
مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا جب وہ بہرہ مند
حملہ ادھر کھنچا کہ چلی تیغ سربلند
وہ تیر کٹ گئے جو دراتے تھے سنگ میں
گوشے نہ تھے کماں میں نہ پیکاں خدنگ میں

ظالم اُٹھا کے گرز کو آیا جناب پر
طاری ہوا غضب خلفِ بوتراب پر
مارا جو ہاتھ پاؤں جما کر رکاب پر
بجلی گری شقی کے سرِ پُرعتاب پر
بد ہاتھ میں شکست ظفر نیک ہاتھ میں
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں

کچھ دست، پا جو ہر کے بچا تھا وہ نابکار
پنجے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار
واں اُس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آبدار
یاں سر سے آئی پشت کے نیچوں پہ ذوالفقار
قربان تیغ تیز شہ نامدار کے
دو ٹکڑے تھے سوار کے دو راہوار کے

وہ دوسرے پہ گرز اُٹھا کر پکارے شاہ
کیوں ضرب ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ
سرشار تھا شراب تکبر سے روسیاہ
جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئی تھی راہ
غافل تھا اسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
لو دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے

آتا تھا وہ کہ اسپ شہ دیں پلٹ پڑا | ثابت ہوا کہ شیر گرسنہ جھپٹ پڑا
تیغ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا | ضربت پڑی کہ گنبد دوّار پھٹ پڑا
پیوند صدر زیں جسد و فرق ہو گیا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر | شیروں سے دشت گرگ سے بن اژدروں سے در
شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر | اڑ کر گرے جزیروں میں جنگل کے جانور
سمٹے پہاڑ منھ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرادیے پر کانپ کانپ کے

آئی صدائے غیب کہ شبیر مرحبا | اس ہاتھ کے لئے تھی یہ شمشیر مرحبا
یہ آبروئے جنگ یہ توقیر مرحبا | دکھلادی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

بس اب نہ کر وغا کی ہوس اے حسین بس | دم لے ہوا ہیں چند نفس اے حسین بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس اے حسین بس | وقت نماز عصر ہے بس اے حسین بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں ازدہام میں
اب اہتمام چاہیئے امت کے کام میں

لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں | پلٹی سپاہ آئی قیامت جہان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں | پھر کھل گئے لپٹ کے پھریرے نشان میں
بیکس حسین ظلم شعاروں میں گھر گئے
مولا تمہارے لاکھ سواروں میں گھر گئے

سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر | چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پہلو کے پار برچھیاں سینے کے پار تیر | پڑتے تھے دس جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ ظل الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسین پر
ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسین پر
یہ دکھ نبی کے گود کے پالے حسین پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسین پر
تیر ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

لاکھوں میں ایک بیکس و دلگیر ہائے ہائے
فرزند فاطمہ کی یہ توقیر ہائے ہائے
بھالے وہ اور وہ پہلوئے شبیر ہائے ہائے
وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے
غصے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کیے حسین پہ ترکش بھرے ہوئے

وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقت جنگ
اک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
صدمے سے زرد ہو گیا سبط نبی کا رنگ
ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلق مبارک کو توڑ کے

لکھا ہے تین پھال کا تھا ناوک ستم
منہ کھل گیا الٹ گئی گردن رکا جو دم
کھینچی چھری گلے کی طرف سے بچشم نم
بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم
ابلا جو خوں نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا
چلو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا

دشمن تھا شہ کا اعور سلمی عدوئے دیں
سر پر لگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں
ماری جگر پہ ابن انس نے سنان کیں
بھاگا گڑو کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
تھرا گئی ضریح رسالت پناہ کی

گرتے ہیں اب حسین فرس پر سے ہے غضب
نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب
غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب
قرآن رحل زیں سے سر فرش گر پڑا
دیوار کعبہ بیٹھ عرش گر پڑا

گر گر کبھی اُٹھے کبھی رکھا زمین پہ سر | اُگلا کبھی لہو تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر | کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر کی کبھی اُدھر
اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بھل گرے

جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا | اُمت نے مجھکو لوٹ لیا وا محمدا
اس وقت کون حق محبت کرے ادا | ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
سیکڑوں ہیں زخم تن چاک چاک پر
زینب نکل حسین تڑپتا ہے خاک پر

پردہ اُلٹ کے بنت علی نکلی ننگے سر | لرزاں قدم خمیدہ کمر غرق خوں جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر | اے کربلا بتا ترا مہمان ہے کدھر
اماں قدم اب اُٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہونچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

اس وقت سب جہان مری آنکھوں میں ہے سیاہ | لوگو خدا کے واسطے مجھکو بتاؤ راہ
سید کدھر تڑپتا ہے اماں کدھر ہیں آہ | کس سمت ہے نبی کے نواسے کی قتل گاہ
شعلے دل و جگر نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ | بس اب سفر قریب ہے للہ گھر میں جاؤ
اب ڈوبتی ہے آل رسولؐ خدا کی ناؤ | یا مرتضیٰ غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ
اب چھوڑ لو نہ دشت بلا میں حسینؑ کو
یا فاطمہ چھپا لو ردا میں حسینؑ کو

بنت علی تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر | کٹتا تھا نور چشم علی کا گلا ادھر
زینب کو منع کرتے تھے ہر چند اہل شر | لیکن وہ دوڑی جاتی تھی بھائی کی لاش پر
پہونچی وہ قتل گاہ میں اس روک ٹوک پر
دیکھا سر حسین کو نیزے کی نوک پر

نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار
سید تری لہو بھری صورت کے میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیّا چھری کی دھار
بھولے بہن کو اے اسدِ حق کی یادگار
صدقے گئی لٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی یادِ الٰہ میں

بھیّا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو
چلّا رہی ہے دخترِ حیدر جواب دو
سوکھی زباں سے بہرِ پیمبر جواب دو
کیوں کر جیئے گی زینبِ مضطر جواب دو
جز مرگ درد ہجر کا چارہ نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

بھیّا میں اب کہاں سے تمہیں لاؤں کیا کروں
کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں
کس کی دہائی دوں کسے چلاؤں کیا کروں
بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں
دنیا تمام اجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

ہے ہے تمہارے نہ خواہر گزر گئی
بھیّا بتاؤ کیا تہِ خنجر گزر گئی
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گزر گئی
صد شکر جو گزر گئی بہتر گزر گئی
سر کٹ گیا ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمہاری جدائی کا داغ ہے

گھر لوٹنے کو آئیگی اب فوج نابکار
کہیو نہ کچھ زباں سے بجز شکر کردگار
خیمے میں جبکہ آگ لگا دیں ستم شعار
رہیو مری یتیم سکینہ سے ہوشیار
بیزار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

رئیس لکھنوی

مرثیہ

نظم طبا طبائی نے اس مرثیہ کو انیس کی ملکیت بتایا ہے یہ تاریخی طور پر غلط ہے۔ رئیس انیس کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ اور انہوں نے انیس ہی کی زیر اثر پرورش پائی تھی اور تلمذ حاصل کیا تھا اس لئے ان کی صلاحیتوں پر انیس کی شاعری کے اثرات کا نمایاں ہونا یقینی امر تھا محض الفاظ کی نشست میں برخاست اور تکنیک کی یکسانیت اس مرثیہ کو انیس کا نہیں بتا سکتی ہے۔

نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری ۔۔۔ ناطقے بند ہیں سُن سُن کے بلاغت میری
رنگ اُڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری ۔۔۔ شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

ایک قطرے کو جو دوں بسط تو قلزم کردوں ۔۔۔ بحرِ مواج فصاحت کا تلاطم کر دوں
ماہ کو مہر کردوں ذرہ کو انجم کر دوں ۔۔۔ گنگ کو ماہرِ انداز تکلم کر دوں
درد سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

اس ثنا خواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مداح ۔۔۔ جدِ اعلیٰ سا نہ ہوگا کوئی اعلیٰ مداح
باپ مداح کا مداح ہے دادا مداح ۔۔۔ عمِ ذیقدر ثنا خوانوں میں یکتا مداح
جو عنایات الٰہی سے ہوا نیک ہوا
نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

طبع ہر ایک کی موزوں قد زیبا موزوں ۔۔۔ صورت سرو ازل سے ہیں سراپا موزوں
نثر بے سجع نہیں نظم معلیٰ موزوں ۔۔۔ کہیں سکتا نہیں آ سکتا کجا ناموزوں
تول لے عقل کے میزان میں جو فہمیدہ ہے
بات جو منہ سے نکلتی ہے وہ سنجیدہ ہے

خلق میں مثل خلیق اور تھا خوشگو کوئی کب   نام لے دھو لے زباں کوثر و تسنیم سے جب
بلبل گلشن زہرا و علی عاشق رب   متبع مرثیہ گوئی میں ہوئے جن کے سب
ہو۔ اگر ذہن میں جودت ہے کہ موزونی ہے
اس احاطہ سے جو باہر ہے وہ بیرونی ہے

بھائی خوش فکرت و خوش لہجہ و پاکیزہ خیال   جن کا سینہ گہر علم سے ہے مالا مال
یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست یہ کمال   معجزہ گر اسے کہیئے نہ تو ہے سحر حلال
اپنے موقع پہ جسے دیکھئے لاثانی ہے
لطف حضرت کا یہ ہے رحمت یزدانی ہے

کیوں نہ ہو بندۂ موروثی مولا ہوں میں   قلزم رحمت محمود کا قطرہ ہوں میں
جس میں لاکھوں دُر و مرجاں ہیں وہ دریا ہوں میں   مدح خوان پسر حضرت زہرا ہوں میں
وصف جوہر کا کروں یا صفت ذات کروں
اپنے رتبہ پہ نہ کیوں آپ مباہات کروں

مبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یارب   شوقِ مداحیٔ شبیر عطا کر یارب
سلک گوہر ہو وہ تقریر عطا کر یارب   نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یارب
جد و آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق نہ ہو گنجلک نہ ہو تعقید نہ ہو

وہ مرقع ہو کہ دیکھیں اُسے گر اہل شعور   ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے کہیں نور
غل ہو یہ ہے کشش مو قلم طرۂ حور   ایک ایک حرف میں ہو صنعت صانع کا ظہور
کوئی ناظر جو یہ نایاب لکیریں سمجھے
نقش ارژنگ کو کاواک لکیریں سمجھے

قلزم فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ   شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ   خوں برستا نظر آئے جو دکھا دوں صف جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے بھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

روزمرہ شرفا کا ہو سلاست ہو وہی
لب ولہجہ وہی سارا ہو متانت ہو وہی
سامعیں جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی
یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وہی
لفظ بھی چست ہو مضمون بھی عالی ہووے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

بے کجی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لئے
سرمہ زیبا ہے فقط نرگس جادو کے لئے
تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لئے
زیب ہے خال سیہ چہرۂ گلرو کے لئے
داند آنکس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

بزم کا رنگ جدا رزم کا میداں ہے جدا
یہ چمن اور ہے زخموں کا گلستاں ہے جدا
فہم کامل ہو تو ہر نامہ کا عنواں ہے جدا
مختصر پڑھ کے رلا دینے کا ساماں ہے جدا
دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں رقت بھی ہو تعریف بھی ہو

ماجرا صبح شہادت کا بیاں کرتا ہوں
رنج و اندوہ مصیبت کا بیاں کرتا ہوں
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں
جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں
جن کا ہمتا نہیں ایک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کبھی ہوں گے نہ صاحب ایسا

صبح صادق کا ہوا چرخ پہ جب وقت ظہور
زمزمہ کرنے لگے یاد الٰہی میں طیور
مثل خورشید برآمد ہوئے خیمے سے حضور
یک بیک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور
شش جہت میں رخ مولا سے ظہور حق تھا
صبح کا ذکر ہے کیا چاند کا چہرہ فق تھا

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر
دمبدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرش زمرد پہ بچھائے تھے گہر
لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب باد صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

بلبلوں کی وہ صدائیں وہ گلوں کی خوشبو دل کو الجھاتے تھے سنبل کے وہ پرخم گیسو
قمریاں کہتی تھیں شمشاد پہ یاہو یاہو فاختہ کی یہ صدا سرو پہ تھی کوکو کو
وقت تسبیح کا تھا عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

آئے سجادۂ طاعت پہ امام دوجہاں اس طرف طبل بجے یہاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلی کہ زباں جن کی حدیث و قرآں وہ نمازی کہ جو ایماں کے تن پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کئے تلواروں میں

عرش اعظم کو ہلاتی تھیں دعائیں ان کی وجد کرتے تھے ملک سن کے صدائیں ان کی
وہ عمامے وہ قبائیں وہ عبائیں ان کی حوریں لیتی تھیں بصد شوق بلائیں ان کی
ذکر خالق میں لب ان کے جو ہلے جاتے تھے
غنچے فردوس کے شادی سے کھلے جاتے تھے

کیا جوانان خوش اطوار تھے سبحان اللہ کیا رفیقان وفادار تھے سبحان اللہ
صفدر و غازی و جرّار تھے سبحان اللہ زاہد و عابد و ابرار تھے سبحان اللہ
زن و فرزند سے فرقت ہوئی مسکن چھوڑا
مگر احمد کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا

اللہ اللہ عجب فوج عجب غازی تھے عجب اسوار تھے بے مثل عجب تازی تھے
لایق مدح و سزاوار سرافرازی تھے گو بہت کم تھے پہ آمادۂ جانبازی تھے
پیاس ایسی تھی کہ آ گئی جاں ہونٹوں پر
صابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

زہد میں حضرت سلماں کے برابر تھا کوئی دولت فقر و قناعت میں ابا ذر تھا کوئی
صدق گفتار میں عمار کا ہمسر تھا کوئی حمزۂ عصر کوئی مالک اشتر تھا کوئی
ہوں گے ایسے ہی محمدؐ کے جو شیدا ہوں گے
پھر جہاد ایسا نہ ہوگا نہ وہ پیدا ہوں گے

گو مصیبت میں تلاطم میں تباہی میں رہے — سر کٹے پاؤں مگر راہِ الٰہی میں رہے
یوں سرافراز وہ سب لشکرِ شاہی میں رہے — جس طرح تیغِ دو دم دستِ سپاہی میں رہے
اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی اُن کو
آبرو ساقیٔ کوثر نے عطا کی اُن کو

وہ تخشع وہ تضرع وہ قیام اور وہ قعود — وہ تذلل وہ دعائیں وہ رکوع اور وہ سجود
یادِ حق دل میں تو سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ درود — یہ دعا خالقِ اکبر سے کہ اے ربِ ودود
یوں لٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے
مگر احمد کے نواسے کا گھر آباد رہے

موم فولاد ہو آوازوں میں وہ سوز و گداز — اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
سر تو سجادوں پہ تھے عرشِ معلّٰی پہ نماز — شیر دل منتخبِ دہر و حیدر و ممتاز
چاند شرمندہ ہو چہرے متجلی ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر نہ مصلی ایسے

جب فریضہ کو ادا کر چکے وہ خوش کردار — کس کے کمروں کو بصد شوق لگائے ہتھیار
جلوہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہِ عرش وقار — علم فوج کو عباس نے کھولا اک بار
دشت میں نکہتِ فردوسِ بریں آنے لگی
عرش تک اُس کے پھریرے کی ہوا جانے لگی

لہر وہ سبز پھریرے کی وہ پنجے کی چمک — شرم سے ابر میں چھپ جاتا ہے خورشیدِ فلک
کہتے تھے صلِّ علیٰ عرش پہ اُٹھ اُٹھ کے ملک — دنگ تھے سب وہ سماں تھا سما تا بہ سمک
کہیے پستی اُسے جو اوج ہما نے دیکھا
وہ سماں پھر نہ کبھی ارض و سما نے دیکھا

اس طرح جب علمِ دلبرِ زہرا جائے — کس سے پھر معرکۂ رزم میں ٹھہرا جائے
سانپ دشمن کی نہ کیوں چھاتی پہ لہرا جائے — لہریں تا بہ فلک جس کا پھریرا جائے
رفعِ شر کو علمِ خیرِ بشر آیا تھا
سورۂ نصر پئے فتح و ظفر آیا تھا

وہ علمدار کہ جو شیر الٰہی کا خلف
گوہر بحر وفا نیّر دیں در نجف
فخر حمزہ سے نمودار تھا جعفر کا شرف
کس طرح چاند کہوں چاند میں ہے عیب کلف
کس نے پایا وہ جو تھا جاہ و حشم ان کے لئے
یہ علم کے لئے تھے اور علم ان کے لئے

سرو شرمائے قد اس طرح کا قامت ایسی
اسد اللہ کی تصویر تھے صورت ایسی
شیر نعروں سے دہل جاتے تھے صولت ایسی
جا کے پانی نہ پیا نہر میں ہمت ایسی
جان جب تک تھی اطاعت میں رہے بھائی کی
تھے علمدار مگر بچوں کی سقائی کی

وہ بہشتی نے کیا جس کو وفا کہتے ہیں
سب انہیں عاشق شاہ شہدا کہتے ہیں
وہ بہادر ہیں وہ شمشیر خدا کہتے ہیں
اُن کو قبلہ تو انہیں قبلہ نما کہتے ہیں
عشق سردار و علمدار کا افسانہ ہے
وہ چراغ رہ دیں ہے تو یہ پروانہ ہے

اک طرف اکبر مہ رو سا جوانِ نایاب
کچھ جو بچپن تھا تو کچھ آمدِ ایام شباب
روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب
آنکھیں ایسی کہ رہا نرگس شہلا کو حجاب
جس نے ان گیسوؤں میں رُخ کی ضیا کو دیکھا
شبِ معراج میں محبوب خدا کو دیکھا

اللہ اللہ اسد اللہ کے نواسوں کا جلال
چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے زلفوں کے بال
نیمچے کاندھوں پہ رکھے ہوئے مانند ہلال
گرچہ بچپن تھا پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال
صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو پلٹ جاتے تھے
مورچے لشکر کفار کے ہٹ جاتے تھے

آستینوں کو چڑھائے ہوئے آمادۂ جنگ
وہی سارا اسد اللہ کا نقشہ وہی ڈھنگ
سُرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہے رنگ
ولولہ صف کے اُلٹنے کا لڑائی کی اُمنگ
جسم پر تیر چلیں نیزۂ خونخوار چلے
شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

یک بیک طبل بجا فوج کے گرجے بادل کوہ تھرائے زمیں ہل گئی گونجا جنگل
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے تلواروں کے پھل مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکل اجل
واں کے چاوش بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوج اسلام میں نعرہ ہوا حیدر کا

شور میدانوں میں تھا کہ دلیرو نکلو نیزہ بازی کرو رہواروں کو پھیرو نکلو
نہر قابو میں ہے اب پیاسوں کو گھیرو نکلو غازیو صف سے بڑھو غول سے شیرو نکلو
رستمو داد وغا دو کہ یہ دن داد کا ہے
سامنا حیدر کرار کی اولاد کا ہے

شور سادات میں تھا یا شہ مرداں مدد ے کعبۂ دیں مدد ے قبلۂ ایماں مدد ے
قوت بازوئے پیغمبر ذی شاں مدد ے دم تائید ہے اے فخر سلیماں مدد ے
تیسرا فاقہ ہے طاقت میں کمی ہے مولا
طلب قوت ثابت قدمی ہے مولا

پیاس میں حرف نہ شکوے کا زباں پر لائیں سینۂ صاف پہ فاقوں میں سنانیں کھائیں
دل نہ تڑپے جو دم نزع نہ پانی پائیں تیرے فرزند کی تائید کریں مر جائیں
لاشے مقتل میں ہوں لاش شہ دلگیر کے پاس
سر ہو نیزے پہ سر حضرت شبیر کے پاس

سامنے بڑھ کے یکایک صف کفار آئی جھوم کر تیرہ گھٹا تاروں پہ یکبار آئی
روز روشن کے چھپانے کو شب تار آئی تشنہ کاموں کی طرف تیروں کی بوچھار آئی
ہنس کے منھ بھائی کا شاہ شہدا نے دیکھا
اپنے آقا کو بحسرت رفقا نے دیکھا

عرض عباس نے کی جوش ہے جراروں کو تیر سب کھاتے ہیں تولے ہوئے تلواروں کو
میہمانوں کا نہیں پاس ستمگاروں کو مصلحت ہو تو رضا دیجیے غمخواروں کو
روسیاہوں کو ہٹا دیں کہ بڑھے آتے ہیں
ہم جو خاموش ہیں وہ منھ پہ چڑھے آتے ہیں

شہ نے فرمایا مجھے خود ہے شہادت منظور — نہ لڑائی کی ہوس ہے نہ شجاعت کا غرور
ان سے منظور نہ تھی جنگ پر اب ہوں مجبور — خیر لڑ لو کہ ستاتے ہیں یہ بے جرم و قصور
ذبح کرنے کے لئے لشکر نازی آئے
کہیں جلدی میرے سر دینے کی باری آئے

حکم پاناتھا کہ شیروں نے اُڑائے تازی — مثل شہباز گیا ایک کے بعد اک غازی
واہ رے حرب خوشا ضرب زہے جاں بازی — اُڑ گیا ہاتھ بڑھا جو پئے دست اندازی
تن و سر لوٹتے ریتی پہ نظر آتے تھے
ایک حملے میں قدم فوج کے اُٹھ جاتے تھے

جس پہ غصہ میں گئے صید پہ شہباز گرا — یہ کماں کٹ کے گری وہ قدر انداز گرا
جب گرا خاک پہ گھوڑے سے تو ممتاز گرا — نہ اُٹھا پھر کبھی جو تفرقہ پرواز گرا
ہاتھ مُنہ کٹ گئے سر اُڑ گئے جی چھوٹ گئے
مورچے ہو گئے پامال پرے ٹوٹ گئے

بعد غیروں کے عزیزوں نے کیا عزم نبرد — سر کو نہیوڑا کے بھرا سبط نبی نے دم سرد
ہوک اٹھی کبھی سینے میں تو دل میں کبھی درد — سُرخ ہوتا تھا کبھی چاند سا چہرہ کبھی زرد
کوئی گلرو تو کوئی سرو سہی بالا تھا
وہ بچھڑنے لگے گودی میں جنہیں پالا تھا

یہی ہنگامہ رہا صبح سے تا وقت زوال — لاش پر لاش گری بھر گیا میدان قتال
مورچے سب تہ و بالا تھے پرے سب پامال — سرخرو خلق سے اُٹھے اسداللہ کے لال
کھیت ایسے بھی کسی فوج میں کم پڑتے ہیں
جو لڑا سب یہی سمجھے کہ علی لڑتے ہیں

قاسم و اکبر و عباس کا اللہ رے جہاد — الاماں کا تھا کہیں شور کہیں تھی فریاد
غل ہر اک ضرب پہ تھا اب ہوئی دنیا برباد — دے گئے خلق میں مردانگی و حرب کی داد
گو وہ دنیا میں نہیں عرش مقام اُن کے ہیں
آج تک عالم ایجاد میں نام اُن کے ہیں

دوپہر میں وہ چمن بادِ خزاں نے لوٹا پتا پتا ہوا تاراج تو بوٹا بوٹا
باپ بیٹے سے چھٹا بھائی سے بھائی چھوٹا ابن زہرا کی کمر جھک گئی بازو ٹوٹا
پھر نہ یاور نہ وہ جانباز نہ وہ شیدا تھے
ظہر کے وقت حسین ابن علی تنہا تھے

ساتھ جو جو کہ بہادر تھے وطن سے آئے سامنے سوتے تھے ریتی پہ سنانیں کھائے
دھوپ میں پیاس سے مثل گل تر مرجھائے مر گئے پر نہ غریبوں نے کفن تک پائے
دھوپ پڑتی تھی یہ دن چرخ نے دکھلایا تھا
نہ تو چادر تھی کسی لاش پہ نہ سایہ تھا

صاحب فوج پہ طاری تھا عجب رنج و ملال زرد تھا رنگ تو آنکھیں تھیں لہو رونے سے لال
کبھی بھائی کا الم تھا کبھی بیٹے کا خیال کبھی دھڑکا تھا کہ لاشیں کہیں ہوں پامال
کبھی بڑھتے تھے دعا کو کبھی رک جاتے تھے
سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی جھک جاتے تھے

بڑھ کے چلاتے تھے بیدرد کہ اب آپ آئیں جوہر تیغ شہنشاہ نجف دکھلائیں
مرنے والے نہیں جیتے جو سنانیں کھائیں کاٹ لیں آپ کا سرتن سے تو فرصت پائیں
پسر سعد سے وعدہ ہے صلہ لینے کا
حکم ہے خیمۂ اقدس کے جلا دینے کا

شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو حاضر ہوں میں نہ تو لڑنے میں نہ مر جانے میں قاصر ہوں میں
فوج بھی اب نہیں بے یاور و ناصر ہوں میں شہر و صحرا بھی تمہارا ہے مسافر ہوں میں
لوٹ لو پھونک دو تاراج کرو بہتر ہے
کلمہ گو لو یہ تمہارے ہی نبی کا گھر ہے

کئی سیدانیاں خیمے میں ہیں پردے والی جن کا رتبہ ہے زمانہ میں ہر ایک پہ عالی
اب نہ وارث ہے کوئی سر پہ نہ کوئی والی ان کو دیجو کوئی رہ جائے جو خیمہ خالی
یہ نبی زادیاں بے پردہ نہ ہوئیں جس میں
ایک گوشہ ہو کہ سب بیٹھ کے روئیں جس میں

سن کے ان باتوں کا اعدا نے دیا جو کہ جواب — گر لکھوں اُن کو تو ہو جائے جگر سنگ کا آب
قلب بھر آگیا ہرگز نہ رہی ضبط کی تاب — دیکھ کر رہ گئے گردوں کو شہ عرش جناب
اشک خالی اُسے کرتے ہیں جو دل بھر آئے
آپ رونے کے لئے خیمے کے در پر آئے

تھم کے چلائے کہ اے زینب و ام کلثوم — تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسین مظلوم
اب میرے قتل کے درپے ہے یہ سب لشکر شوم — ہاں جگا دو اُسے غش ہو جو سکینہ معصوم
نہیں ملتا جو زمانہ سے گزر جاتا ہے
کہہ دو عابد سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے

یہ صدا سن کے حرم خیمے سے مضطر دوڑے — شہ کی آواز پہ سب بیکس و بے پر دوڑے
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے — بچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دوڑے
رو کے چلائی سکینہ شہ والا آؤ
میں تمہیں ڈھونڈھتی تھی دیر سے بابا آؤ

دیکھ کے پردے سے کہنے لگی یہ زینب زار — ابن زہرا تری مظلومی و غربت کے نثار
آؤ چادر سے کروں پاک میں چہرے کا غبار — شہ نے فرمایا بہن مر گئے سب مونس و یار
تم نے پالا تھا جسے ہم اُسے رو آئے ہیں
علی اکبر سے جگر بند کو کھو آئے ہیں

منھ دکھائیں کسے سب سے ہے ندامت زینب — گھر میں آنے کی نہیں بھائی کو مہلت زینب
کھینچ لائی ہے سکینہ کی محبت زینب — بھائی جاتا ہے دکھا دو ہمیں صورت زینب
نہ تو سر کھولو نہ منھ پیٹو نہ فریاد کرو
بھول جاؤ ہمیں اللہ کو اب یاد کرو

کہیو عابد سے یہ پیغام میرا بعد سلام — غش تھے تم پھر گئے دروازے تلک آ کے امام
قید میں پھنس کے نہ گھبرائیو تم اے گلفام — کامیو صبر و رضا سے سفر کوفہ و شام
ناؤ منجدھار میں ہے شور تلاطم جانو
ناخدا جاتا ہے گھر جانے بس اب تم جانو

کہہ کے یہ باگ پھرائی طرف لشکر شام — پڑ گیا خیمۂ ناموس نبی میں کہرام
رن میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے جو امام — رعب سے فوج کے دل ہل گئے کانپا اندام
سر جھکے اُن کے جو کامل تھے زباں دانی میں
اُڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

تھا یہ نعرہ کہ محمد کا نواسا ہوں میں — مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں
زخمی ہونے سے نہ مرنے سے ہراساں ہوں میں — تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں
چین کیا چیز ہے آرام کسے کہتے ہیں
اس پہ شکوہ نہیں کچھ صبر اسے کہتے ہیں

اُس کا پیارا ہوں جو ہے ساقی حوض کوثر — اُس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتح باب خیبر
اُس کا فرزند ہوں کی جس نے مہم بدر کی سر — اُس کا دلبر ہوں میں دی جس کو نبی نے دختر
صاحب تخت ہوئے تیغ ملی تاج ملا
دوش احمد پہ انہیں رتبۂ معراج ملا

وہ علی حق نے جسے عرش سے بھیجی شمشیر — وہ علی جس کا دو عالم میں نہیں کوئی نظیر
وہ علی جو ہوا احمد کا وصی روز غدیر — وہ علی جس کی رسولوں سے سوا ہے توقیر
وہ علی سب سے زیادہ ہے عبادت جس کی
وہ علی گھر میں خدا کے ہے ولادت جس کی

بے وطن ہوں نہ مسافر کو ستاؤ للہ — قتل کیوں کرتے ہو تم کون سا میرا ہے گناہ
اب کوئی ساتھ نہ یاور ہے نہ لشکر نہ سپاہ — تم کو لازم ہے غریبوں پہ ترحم کی نگاہ
ہاتھ آئے گا نہ انعام نہ زر پاؤ گے
یاد رکھو میرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے

نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر — حجت اللہ کے فرزند پہ چلنے لگے تیر
چوم کر تیغ کے قبضہ کو پکارے شبیر — لو خبردار چمکتی ہے علی کی شمشیر
پسر فاتح صفیں وحنین آتا ہے
لو صفیں باندھ کے روکو تو حسین آتا ہے

لو کھنچی تیغ دو سر فوج پہ آفت آئی   لو ہلا قائمۂ عرش قیامت آئی
فتح تسلیم کو آداب کو نصرت آئی   خنر سے غاشیہ برداری کو شوکت آئی
چوم لوں پاؤں جلال اس تگ و دو میں آیا
ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا

آب سید ھے ہوئے رخش نے بدلے تیور   دونوں آنکھیں ابل آئیں کہ ڈرے بانی شر
تھوتھنی مل گئی سینے سے کیا دم کو چنور   مثل طاؤس اڑا گاہ ادھر گاہ ادھر
دمبدم گرد نسیم سحری پھرتی تھی
جھوم کر پھرتا تھا گویا کہ پری پھرتی تھی

ابر ڈھالوں کا اٹھا تیغ دو پیکر چمکی   برق چھپتی ہے یہ چمکی تو برابر چمکی
سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پر چمکی   کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن اُسے ڈستے دیکھا
مینہ سروں کا صف دشمن میں برستے دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے   گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے   روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے
کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہ نو میں دیکھا

اک اشارے میں برابر کوئی دو تھا کوئی چار   کوئی پیادہ کوئی بچتا تھا سلامت نہ سوار
برق گرتی تھی کہ چلتی تھی صفوں پر تلوار   غضب اللہ علیہم کے عیاں تھے آثار
موت ہر غول کو برباد کئے جاتی تھی
آگ گھیرے ہوئے دوزخ میں لئے جاتی تھی

تیغیں عاری ہوئیں ڈھالوں کے اڑے پرکالے   بند سب بھول گئے خوف سے نیزوں والے
جو بڑھے ہاتھ سر دست قلم کر ڈالے   تیغ کہتی تھی یہ سب ہیں میرے دیکھے بھالے
صف پہ صف باندھ کے نیزوں کو عبث تولے ہیں
ایسے عقدے مرے ناخن نے بہت کھولے ہیں

جب کبھی جائزہ فوج ستم لیتی ہوں　　موت سے رحم نہ کرنے کی قسم لیتی ہوں
دو زبانوں سے سدا کار قلم لیتی ہوں　　چہرے کٹ جاتے ہیں لشکر کے تو دم لیتی ہوں
بر طرف ہو کے عدم کے سفری ہوتے ہیں
طبلقیں کشتی ہیں چہرے نظری ہوتے ہیں

وہ برش اور وہ چمک اور وہ صفائی اُس کی　　کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اُس کی
اس کا بازو جو اُٹھایا تو کلائی اُس کی　　جس کی گردن سے وہ گزری اجل آئی اُس کی
صورت مرگ کسی نے کبھی نہ آتے دیکھا
سر پہ چمکی تو کمر سے اُسے جاتے دیکھا

کبھی ڈھالوں پہ گری اور کبھی تلواروں پر　　پیدلوں پر کبھی آئی کبھی اسواروں پر
کبھی ترکش پہ رکھا منھ کبھی سوفاروں پر　　کبھی سر کاٹ کے آپہونچی کمانداروں پر
گر کے اس غول سے اُٹھی تو اُس انبوہ میں تھی
کبھی دریا میں کبھی بر میں کبھی کوہ میں تھی

کبھی چہرہ کبھی شانہ کبھی پیکر کاٹا　　کبھی در آئی گلے میں تو کبھی سر کاٹا
کبھی مغفر کبھی جوشن کبھی بکتر کاٹا　　طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا
برش تیغ کا غل قاف سے تا قاف رہا
پی گئی خون ہزاروں کا پہ منھ صاف رہا

نہ رکی خود پہ وہ اور نہ سر پر ٹھہری　　نہ کسی تیغ پہ دم بھر نہ سپر پہ ٹھہری
نہ جبیں پر نہ گلے پر نہ جگر پر ٹھہری　　کاٹ کر زیں کو نہ گھوڑے کی کمر پر ٹھہری
جان گھبرا کے تن دشمن دیں سے نکلی
ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی

کٹ گئی تیغ تلے جب صف دشمن آئی　　یک بیک فصل فراق سر و گردن آئی
بگڑی اس طرح لڑائی کہ نہ کچھ بن آئی　　تیغ کیا آئی کہ اُڑتی ہوئی ناگن آئی
غل تھا بھاگو کہ یہ ہنگام ٹھہرنے کا نہیں
زہر اس کا جو چڑھے گا تو اُترنے کا نہیں

وہ چمک اُس کی سروں کا وہ برسنا ہر سو — گھاٹ سے تیغ کے اک حشر بپا تھا لب جو
آب میں صورتِ آتش تھی جلا دینے کی خو — اور دم بڑھتا تھا پیتی تھی جو اعدا کا لہو
کبھی جوشن تو کبھی صدر کشادہ کاٹا
جب چلی ضربت سابق سے زیادہ کاٹا

تن تنہا شہ دیں لاکھ سواروں سے لڑے — بے سپر برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
صورتِ شیر خدا ظلم شعاروں سے لڑے — دو سے اک لڑ نہیں سکتا یہ ہزاروں سے لڑے
گر ہو غالب تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو
جو دل و جان علی ابن ابی طالب ہو

تیسرے فاقہ میں یہ جنگ یہ حملے یہ جدال — پیاس وہ پیاس کہ نیلم تھے سراسر لب لال
دھوپ وہ دھوپ کہ سوکھے ہوئے تھے تازہ نہال — لو وہ لو جس کی حرارت سے پگھلتے ہیں جبال
سنگریزوں میں تب و تاب ہے انگاروں کی
سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی

شیر سے تھے کبھی جنگل میں ترائی میں کبھی — ڈھال کو چہرے پہ روکا نہ لڑائی میں کبھی
تیغ حیدر نے کمی کی نہ صفائی میں کبھی — فرق آیا نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی
کبھی ابرو کا بھی ایسا نہ اشارہ دیکھا
جس پہ اک بار چلی اس کو دوپارا دیکھا

آنکھ وہ آنکھ کہ شیروں کی جلالت جس میں — رخش وہ رخش کہ سب برق کی سرعت جس میں
تیغ وہ تیغ عیاں موت کی صورت جس میں — ہاتھ وہ ہاتھ یداللہ کی طاقت جس میں
روک لے وار جگر کیا کسی بے پیر کا ہے
زور وہ جس میں اثر فاطمہ کے شیر کا ہے

جنگ میں پیاس کا صدمہ شہ دیں سے پوچھو — تن تنہا کی دغا لشکر کیں سے پوچھو
زلزلہ دشت پر آفت کا زمیں سے پوچھو — ضرب شمشیر دو سر روح امیں سے پوچھو
باپ اُس فوج میں تنہا پسر اس لشکر میں
کربلا میں یہ تلاطم ہوا یا خیبر میں

اسد اللہ کے صدقے شہِ والا کے نثار — وہی حملے تھے وہی زور وہی تھی تلوار
فتح حیدر نے کیا جنگ میں خیبر کا حصار — مورچے فوج کے حضرت نے بھی توڑے کئی بار
کیوں نہ ہوں احمدِ مرسل کے نواسے تھے حسین
فرق اتنا تھا کہ دو روز کے پیاسے تھے حسین

ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دہائی مولا — ہم نے دیکھی تیرے ہاتھوں کی صفائی مولا
الاماں خوب سزا جنگ کی پائی مولا — آپ کرتے ہیں بُروں سے بھی بھلائی مولا
ہاتھ ہم باندھتے ہیں پھینک کے شمشیروں کو
بخشیے امت نااہل کی تقصیروں کو

آئی ہاتف کی یہ آواز کہ اے عرش مقام — یہ دغا تیسرے فاقہ میں بشر کا نہیں کام
اے محمد کے جگر بند امام ابن امام — لوحِ محفوظ پہ مرقوم ہے صابر تیرا نام
اب نہیں حکم لعینوں سے دغا کرنے کا
ہاں یہی وقت ہے وعدے کے وفا کرنے کا

آج ہے آٹھ بہشتوں کی نئی تیاری — نخل سرسبز ہیں فردوس میں لہریں جاری
شب سے حوریں ہیں مکلل بجواہر ساری — خانۂ دوست میں ہے دوست کی مہمانداری
پیشوائی کو رسول الثقلین آتے ہیں
عرش تک شور یہی ہے کہ حسین آتے ہیں

تھم گئے سُن کے یہ آواز شہِ جن و بشر — روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہے یہ سر
عید ہو جلد اگر ذبح کریں بانیِ شر — شمرِ اظلم ہے کدھر کھینچ کے آئے خنجر
ہے وہ عاشق جو فدا ہونے کو موجود ہے
بس مری فتح یہی ہے کہ وہ خوشنود رہے

کہہ کے یہ میدان میں مولا نے رکھی تیغ دو دم — ہاتھ اُٹھا کر یہ اشارہ کیا گھوڑے سے کہ تھم
رہ گیا سر کو ہلا کر فرس تیز قدم — چار جانب سے مسافر پہ چلے تیرِ ستم
نیزے یوں گرد تھے جیسے گُلِ تر خاروں میں
چھپ گئے سبطِ نبی ظلم کی تلواروں میں

پہلے تیروں سے کمانداروں نے چھاتی چھانی   نیزے پہلو پہ لگاتے تھے ستم کے بانی
سر پہ تلواریں چلیں زخمی ہوئی پیشانی   خوں سے تر ہو گیا حضرت کا رخ نورانی
جسم سب چور تھا پرزے تھے زرہ جامہ کے
پیچ کٹ کٹ کے کھلے جاتے تھے عمامہ کے

برچھیاں مارتے تھے گھاٹ پہ جو تھے پہرے   کس طرف جائے کہاں تیغوں میں بیکس ٹھہرے
ایک ہزار اور کئی سو زخم تھے تن پر گہرے   دیکھنے والوں کے ہو جاتے تھے پانی زہرے
خون میں ڈوبا ہوا وہ مصحف رخ سارا تھا
جزو ہر اک تن شبیر کا سی پارہ تھا

ہاتھ سے باگ جدا تھی تو رکابوں سے قدم   غش میں سیدھے کبھی ہوتے تھے فرس پہ کبھی خم
بہتے تھے پہلوؤں سے خوں کے وہ ریلے پیہم   کوئی بیکس کا مددگار نہ تھا ہائے ستم
مارے تلواروں کے مہلت تھی نہ دم لینے کی
کوششیں ہوتی تھیں کعبہ کے گرا دینے کی

دشت سے آتی تھی زہرا کی صدا ہائے حسین   میرے بیکس میرے بے بس میرے دکھ پائے حسین
در سے چلاتی تھی زینب مرے ماں جائے حسین   کون تیغوں سے بچا کر تجھے لے آئے حسین
فاطمہ رو رہی ہے ہاتھوں سے پہلو تھامے
حکم گر ہو تو بہن دوڑ کے بازو تھامے

ہائے سید ترا تن اور ستم کے بھالے   کس کو چلاؤں کہ جیتے نہیں مرنے والے
اس پہ یہ ظلم دکھوں سے جسے زہرا پالے   کون سر سے ترے تلواروں کی آفت ٹالے
کون فریاد سنے بے سر و سامانوں کی
یہاں تو بستی بھی نہیں کوئی مسلمانوں کی

نہ رہا جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا   گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
غش سے کچھ دیر میں چونکا جو علی کا پیارا   نیزہ سینے پہ سناں ابن انس نے مارا
واں تو نیزے کی انی پشت سے باہر نکلی
یاں بہن خیمہ کے ڈیوڑھی سے کھلے سر نکلی

کھینچ کر سینے سے نیزہ جو بڑھا دشمن دیں ۔ جھک نے حضرت نے رکھی خاک پہ سجدے میں جبیں
تیز کرتا ہوا خنجر کو بڑھا شمر لعیں ۔ آسماں ہل گئے تھرا گئی مقتل کی زمیں
کیا کہوں تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا
پاؤں قرآن پہ رکھا حلق پہ خنجر رکھا

ڈھانپ کر ہاتھوں سے منہ بنت علی چلائی ۔ ذبح ہوتے ہو میرے سامنے ہمنے ہے بھائی
ضرب اول تھی کہ تکبیر کی آواز آئی ۔ گر پڑی خاک پہ غش کھا کے علی کی جائی
اٹھ کے دوڑی تھی کہ ہنگامۂ محشر دیکھا
منہ جو کھولا تو سر شہ کو سناں پر دیکھا

رو کے چلائی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسین ۔ فوج اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسین
کچھ مجھے آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم حسین ۔ ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسین
مڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی
ننگے سر بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی

بس رئیس آگے نہ لکھ زینب ناشاد کے بین ۔ قتل ہو جانے پہ بھی دھوپ میں تھی لاش حسین
قبر میں بھی نہ ملا احمد مختار کو چین ۔ گھر جلا قید ہوئی آل رسول الثقلین
کتنے گھر شاہ کے مر جانے سے برباد ہوئے
لٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہوئے

مرثیہ

جاتا ہے زور بازوئے شہ رزم گاہ میں ۔ مرنے کا اشتیاق ہے خالق کی راہ میں
ہے عرض یہ جناب شہ دیں پناہ میں ۔ فوج ستم سماتی نہیں کچھ نگاہ میں
یہ جاں نثار آپ کا جس وقت جا پڑا
دیکھیں گے پھر حضور کہ کیا معرکہ پڑا

پڑھنے لگے رجز وہ دل و جان مرتضیٰ ۔ تھرا گئے قلب کانپ گیا دشت کربلا
کھلے علم صفوں میں کھلے چھا گئی گھٹا ۔ باجے بجے یزید کے لشکر میں جابجا
درّہ کے جواں بھی شور رجز پڑھتے آتے ہیں
عباس تیغ تولے ہوئے بڑھتے جاتے ہیں

ناگاہ تیر آئے علم دار کی طرف — لشکر بڑھا حسین کے غم خوار کی طرف
بدلی جو آئی ظلم کی جرار کی طرف — دیکھا جری نے غیض سے تلوار کی طرف
دم بھر نہ پھر میان نیام اس کو کل پڑی
گویا تڑپ کے ابر سے بجلی نکل پڑی

ناوک چلے تو شیر نے تولا حسام کو — آیا جلال بازوئے شاہ انام کو
جلوہ دیا جو تیغ ظفر احتشام کو — دم میں اجل نے گھیر لیا فوج شام کو
بڑھتا تھا تیغ کا کہ لہو تن سے گھٹ گئے
ڈھالوں کو منہ پہ لے کے سیاہ کار ہٹ گئے

جس غول پر وہ برق اجل رن میں چل گئی — رنگت سپاہ شام کی فوراً بدل گئی
بجلی سی فوج کیں پہ گری اور نکل گئی — جس صف کو آنچ لگ گئی اس کی وہ جل گئی
شعلوں سے اس کے چار طرف ابتری ہوئی
گویا تھی آب تیغ میں آتش بھری ہوئی

آئی چمک کے سر پہ تو ابرو کو دو کیا — ابرو کو کاٹ کر جو بڑھی   کو دو کیا
ترچھی چلی ادھر سے تو پہلو کو دو کیا — گہ دل اڑا کے سینۂ بد خو کو دو کیا
واں سے بڑھی جو تیغ تو در آئی زین پر
زیں سے گئی فرس میں فرس سے زمین پر

جس پر چمک کے آئی وہ صف پائمال تھی — تلواریں کٹ گئی تھیں عجب چال ڈھال تھی
شناف تھی کبھی تو کبھی خوں سے لال تھی — ڈھالوں کے ابر میں کبھی شکل ہلال تھی
دم میں وہ سرد تھا جسے اس کی ہوا لگی
خوں پی کے چھوڑا جس کے گلے سے وہ جا لگی

مانند برق تیغ دو دم بے قرار تھی — آفت کی باڑھ تھی تو قیامت کی دھار تھی
اس غول میں کبھی کبھی اس صف کے پار تھی — باد سموم تھی غضب کردگار تھی
منہ کٹ گئے تھے لشکریوں کا یہ حال تھا
ہاں تیغ آب دار کا چہرہ بحال تھا

نعرہ کیا شقی نے کہ اے مرتضیٰ کے لال / میں جانتا ہوں دیو کو پشتہ دمِ جدال
صف در ہوں کانپتے ہیں مری ضرب سے جبال / سر پر ہو مجھ سے جنگ میں کوئی یہ کیا مجال
رن پر چڑھا میں جب تو یہ قصہ تمام ہے
تلوار کا دھنی ہوں بڑا میرا نام ہے

بولے یہ تیغ تول کے عباس نیک نام / تو کیا ہے اور دغا تری اور کیا حسام
ظالم غرور و کبر کے لازم نہیں کلام / کھل جائیں گے نبرد میں تیرے ہنر تمام
ہم سے لڑے گا اور سگ بزدل خدا کی شان
نامرد مرد کے ہو مقابل خدا کی شان

یہ سن کے آگ ہو گیا وہ بانیٔ ستم / نیزہ اٹھا کے تیز کیا اسپ تیز دم
سنبھلے فرس پہ حضرت عباس ذی حشم / آئی سناں قریب تو کی تیغ سے قلم
کھینچا پکڑ کے ڈانڈ تو جھٹکا بڑا پڑا
منہ گردن فرس پہ ستمگر کا جا پڑا

پھر تیغ تیز میان سے لے کر وہ نابکار / آیا غضب میں سوئے علمدار نامدار
بولا کہ اے دلیر خبردار ہوشیار / خالی نہ جائے گا کہ غضب کا ہے میرا وار
عالم کے سرکشوں سے یہ گردن جھکی نہیں
تو کیا ہے دیو سے مری ضربت رکی نہیں

چمکی سر جری پہ جو شمشیر بدگہر / عباس نامدار نے لی دوش سے سپر
ظالم نے ضرب کی تو گری تیغ ٹوٹ کر / بولے یہ مسکرا کے علمدار نامور
کہتا تھا تو ابھی کہ قوی تر ہوں گیو سے
کیوں ضرب تھی یہی جو نہ رکتی تھی دیو سے

لے اب ہمارے وار کو روک اے زبوں شعار / گرتی ہے تیرے سر پہ یہ شمشیر آبدار
سنبھلا ادھر فرس پہ شقی بہر کارزار / آ پہونچے تیغ تول کے عباس نامدار
گھوڑا جھجک کے اس کا ادھر کو جو پھر پڑا
مارا بس ایک ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

دیکھا جو شبیر نے کہ گریزاں ہیں اہل شمر آئے اڑا کے اسپ سبک رو کو نہر پر
ٹھنڈی ہوا جو آئی تو ٹکڑے ہوا جگر آیا خیال تشنگیٔ شاہ بحر و بر
جب ایسا باوفا ہو تو کیسا دل کو کل پڑے
منہ کو کلیجہ آگیا آنسو نکل پڑے

پانی سے ہیں قریب جو عباس نامدار اس آب میں اترنے کو گھوڑا تھا بیقرار
دیکھا جو دور دور سپاہ ستم شعار داخل ہوا فرات میں وہ شیر ایک بار
قبضہ کیا ترائی پہ دم میں دلیر نے
مشکیزہ بھر کے رکھ لیا کاندھے پہ شیر نے

ساحل سے نکلے آپ یہ کرتے ہوئے دعا یارب ستم کے تیروں سے اس مشک کو بچا
بچے تڑپ رہے ہیں حرم کرتے ہیں بکا دو دن ہوئے کہ لب نہیں پانی سے آشنا
خورسند مجھ سے فاطمہ کا نور عین ہے
پہونچے یہ آب خیمۂ شہ میں تو چین ہو

جلدی بڑھا یہ کہہ کے بہادر سوئے قیام دیکھا کہ مثل قلعہ ہے ہر سو سپاہ شام
لشکر سے کہہ رہا ہے یہ شمر لعیں کلام برساؤ تیر ظلم یہ قصہ کرو تمام
تصویر بھر دو خون میں اس تشنہ کام کی
توڑو کمر حسین علیہ السلام کی

سقائے اہل بیت کی جرأت پہ ہیں فدا دانتوں سے جھک کے مشک کا تسمہ پکڑ لیا
ہر سمت سے برسنے لگے ناوک جفا لکھا ہے راویوں نے کہ مشکیزہ چھد گیا
مجبور جب بشر ہو تو کیا چین پھر پڑے
پانی کو بہتے دیکھ کے گھوڑے گر پڑے

۱۳۱۸ھ

واجد علی شاہ اختر

مرثیہ

غم حسین سے نسبت نہیں کسی غم کو   شرف خدا نے دیا شاہ دیں کے ماتم کو
عجیب مرتبہ حق نے دیا محرم کو   ڈبو دیا اشک مصیبت نے آب زمزم کو
شروع سال میں اک ماہ غم یہی تو ہے
عزیز باعث رنج و الم یہی تو ہے

ہراس بڑھتا تھا ہر روز شاہ والا کا   خبر سے مسلم ناشاد کے وہ رنج ہوا
سفید ریش مبارک ہوئی تھی   حزین و غم کش و رنجیدہ شاہ ہر دوسرا
ہمیں یہ کھینچے لئے جا رہی ہے مرگ وہاں
جہاں نہ سقف نہ سایہ نہ کوئی سایہ کناں

نمود صبح الم خیز جب ہوئی ان میں   غضب کی حدت زنجیری در آئی آبن میں
لہو نے جوش کیا نوجوانوں کے تن میں   سکینہ لوٹ گئیں آ کے شہ کے دامن میں
ہراس چھا گیا سینوں میں دل لرزنے لگا
ضعیف خستہ ہوئے مضمحل لرزتے لگا

۱۲۵۰ھ

بہادر شاہ ظفر

سلام

باندھا کمر کو شہ نے شہادت کے واسطے
اے جوئی شفاعت امت کے واسطے

سر کاٹا اس جناب ہدایت مآب کا
بلوائے گمرہوں نے ہدایت کے واسطے

کھانا اگر ہے زخم تو پانی ہے آب تیغ
مہمان کربلا کی ضیافت کے واسطے

زین العبادہ آبروئے دو جہان ہے
در یتیم بحر امامت کے واسطے

جاتا ہے ہائے دھوپ میں پیاسا برہنہ پا
کوئی نہیں ہے جائے اقامت کے واسطے

کرتے تھے اب خنجر و شمشیر سے وضو
شبیر قتل گہ میں عبادت کے واسطے

روح نبی و روح علی روح فاطمہ
تھی گرد لاش شہ کی حفاظت کے واسطے

شبیر سے یہ عرض کی حر نے کہ یا امام
آیا ہے یہ غلام بھی خدمت کے واسطے

گر حکم ہو تو پہلے ہوں میں آپ پر فدا
حاضر ہے جان تک مری حضرت کے واسطے

کھو بیٹھے اپنی دولت ایمان و دیں لعیں
دنیا میں چند روز کی ثروت کے واسطے

اے دل غم حسین میں شوربہ سر شک
شربت ہے تشنگی قیامت کے واسطے

رکھو ظفر یہ لطف و عنایت کی تم نظر
شاہا جناب شاہ ولایت کے واسطے

سنہ ۱۲۴۸ھ

سلام

اس کو مجرا جس کا نانا احمد مختار ہے   جس کی ماں زہرا ہے بابا حیدر کرار ہے
ایک تو بھائی حسن سم سے جگر افگار ہے   ایک بھائی اس کا عباس علم بردار ہے
آپ کھینچے ہاتھ میں اسلام کی تلوار ہے

قید ہو کر شام کو جس دم چلے زین اہل عبا   پاؤں میں بیڑی گلے میں طوق اس پر پیادہ پا
تازیانے جب دکھاتے آن کر اہل جفا   کہتے تھے کچھ رحم بھی اس پر کرو بہر خدا
ایک تو مظلوم ہے اور دوسرے بیمار ہے

گو کہ اہل ظلم دیتے شہ کو تھے رنج و تعب   پر بھی ہنس ہنس کے فرماتے تھے شاہ تشنہ لب
کیا دکھاؤں ان کو برق آتش قہر و غضب   امت جد ہے نہیں اک آن میں یہ سب کا سب
لشکر اہل جفا ہوتا ابھی فی النار ہے

بازوئے شہ کے ہوئے جب ہاتھ شانوں سے جدا   دیر تک عباس کو رویا کئے وہ بادشاہ
جلکے آخر نقش رو رو بصد آہ و بکا   کہتے تھے سرور کہ اکبر ہے ضعیفی کا عصا
پر نہ ہو جب ہاتھ ہی تن پر عصا بیکار ہے

ہیں در دولت سے ہوتے بہرہ ور شاہ و گدا   پھر بھلا اس در کے ہوتے کس سے کیجے التجا
آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں پر ظفر ہے آپ کا   آیئے اب تو مدد کے واسطے بہر خدا
یا حسین ابن علی بندہ بہت ناچار ہے

یوسف علی خاں ناظمؔ

سلام

ہاں مجرئی عام سپہر آستاں کو دیکھ
اس کے سرِ مبارک و نوکِ سناں کو دیکھ

ستّر بہتّر آدمیوں کو قیاس کر
اور ان ستم گروں کی سپاہ گراں کو دیکھ

اونٹوں پہ کون ہاتھ ہیں کس کے مہار ہے
اس کارواں کو دیکھ اور اس سارباں کو دیکھ

جو بچ رہے ہیں قتل سے ان کے دلوں پہ تو
دی ہے خدا نے آنکھ تو زخمِ نہاں کو دیکھ

جن کی محبت آتشِ دوزخ سے دے اماں
ان کے لبوں پہ زمزمۂ الاماں کو دیکھ

قاتل سے اپنے کہتے تھے اکبر کہ اے لعیں
پیکاں کو دیکھ اور مرے استخواں کو دیکھ

کفار کی خدنگ جگر دوز یاد کر
آلِ رسول کی مژۂ خونچکاں کو دیکھ

گا ہے خروشِ نوحۂ فوجِ ملک کو سن
گا ہے کبود پیراہن آسماں کو دیکھ

پہلے خیالِ تشنگیٔ اہلِ بیت باندھ
پھر بحر میں روانیٔ آبِ رواں کو دیکھ

زخمی ہیں اہلِ بزم مغنی ہیں نوحہ خواں
بزمِ نکاح قاسمِ ناشاد ماں کو دیکھ

کیا کر رہا ہے منہ میں ناظمؔ سخن وری
چل کر مزار بادشہ انس و جاں کو دیکھ

۱۲۴۵ھ

سلام

درود اس شاہ عالی آستاں پر — کہ جس کا آستاں ہے آسماں پر
نہ دیکھا ہو سوا نیزہ پہ گر مہر — سرِ سلطان دیں دیکھو سناں پر
چھٹا تھا شست سے جب تیر نے اصغر — تو کی تھی تیر نے لعنت کماں پر
اٹھائیں پھر قدم سجاد کیونکر — گراں جب ہو گیا ہو جسم جاں پر
کوئی کیا پاؤں کے کانٹوں کو روئے — پڑیں جب پیاس سے کانٹے زباں پر
زہے ہمشکل پیغمبر کہ سو بار — اجل ہوتی تھی صدقے اس جواں پر
نہ تھا کیا درمیاں روئے پیمبر — اٹھا کیوں ہاتھ اس سرو رواں پر
قیامت ہے کہ اولادِ پیمبر — رہی لب تشنہ بحرِ بیکراں پر

سنا یہ مطلعِ جانسوز ناظم
جو رکھا کان زینب کی فغاں پر

کیا کیوں بند پانی جہاں پر — لگائی مہر کیوں آبِ رواں پر
کہا بانو نے چند اس سے پہلے — لہو برسا تھا میرے خانداں پر
پڑی پھر مجھ پہ ویسی ہی مصیبت — الٰہی صبر میرا آسماں پر — ق
بھری زینت نے جب آہ شرربار — ہوا شعلہ نمایاں لامکاں پر
طیور سدرہ کہتے تھے کہ دیکھیں — گری بجلی یہ کس کے آشیاں پر

دعا یہ ہے کہ ناظم دم نہ نکلے،
نہ جب تک سر ہو شہ کے آستاں پر

امیر مینائی ؒ

سلام

جو کربلا میں شاہِ شہیداں سے پھر گئے
کعبہ سے منحرف ہوئے قرآں سے پھر گئے

نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ سے کی دغا
گویا یہود موسیٰ عمراں سے پھر گئے

اُمت کے سرکشوں نے نہ کی نوح سے وفا
کیا روسیاہ دیو سلیماں سے پھر گئے

کافر ہوئے کہ کعبۂ دیں کو کیا خراب
مرتد ہوئے کہ قبلۂ ایماں سے پھر گئے

مطلق کیا نہ پاسِ خدا اور رسول کا
کیسے فریب بازیٔ شیطاں سے پھر گئے

آئے مدد کے واسطے جن و ملک مگر
انکار بادشاہ غریباں سے پھر گئے

دیندار تھے جو لوگ وہ شہ پر فدا ہوئے
بے دیں جو تھے وہ دینِ مسلماں سے پھر گئے

ثابت قدم جو تھے وہ رہے کربلا میں ساتھ
مست اعتقاد مستیٔ ایماں سے پھر گئے

اصحاب گو قلیل مخالف کثیر تھے
منہ سب کے لشکرِ شہ ذیشاں سے پھر گئے

ٹھہرے مقابلے پہ نہ اہلِ مباہلہ
بدعہد کیسے قول سے پیماں سے پھر گئے

ٹلتی ہے خاک پاک سے آئی ہوئی بلا
اکثر نکل کے شیرِ نیستاں سے پھر گئے

آسودہ دل ہوا نہ زیارت سے اے امیر
سو بار آئے شوق فراواں سے پھر گئے

۱۲۶۹ھ

قصیدہ

نشاطِ دہر سے ہو کس طرح یہ دل مانوس
کہ چار دن کی یہ مہماں ہے مثل شرم عروس

کسی کے سر پہ جو پھرتا ہے بیاہ کے روز
میں جانتا ہوں یہ ہے رقص مستیٔ طاؤس

تمام کی کسی امید ہے رہے نہ رہے
یہ عمر راہ ہوا میں ہے شمع بے فانوس

زوال نعمت دنیا کی دے رہی ہے خبر
عبث عبث نہیں ملتی تگس کف افسوس

الٹ کے دیدۂ اعمیٰ ہے ساغر جمشید
پلٹ کے جام گدائی ہے تاج کیکاؤس

بڑھے جو سن تو گھٹے اور مثل شعلۂ شمع
اس انجمن میں ہے کیا جز ترقیٔ معکوس

نہیں تنگیٔ بزم جہاں سے جائے ردب
کہ جسم شمع سے چھپاں ہو جامۂ فانوس

ہوا ہے دامن صحرائے مدعا یہ خشک
زمیں پہ گر کے نہیں ہوتی آبرو محسوس

حکیم دہر ہے لیکن ہے بے تمیز حکیم
نہیں غنی کو صحیح و مریض تک محسوس

اگر جناب کو درکار ہو علاج ورم
کرے طلا تن ماہی پہ مل کے مغز ملوس

مقام اس کا ہو کاجل کی کوٹھری تجویز
کوئی مریض کرے گر شکایت کابوس

دوائے ثقل سماعت نئی بتاتا ہے
کہ گوشوارہ پہ گوش چاہیے ناقوس

دوائے تپ کوئی چاہے تو یہ بھرے دم سرد
دکھائے نبض جو کوئی ملے کف افسوس

غذا مریض جو پوچھے کہے کہ غم کھائے
یہ وہ غذا ہے نہیں جس کو حاجت کیموس

شناخت ایسی کہے زرد چوب کو حکچھ کر
مقام شک نہیں اصلا یہی ہے اصل السوس

نہ مانے مسئلہ طب میں جو چوک کر جاہل
کہے ہزار فلاطوں ہزار بطلیموس

حکیم کیا ہے بلا ہے غضب ہے آفت ہے
بدن میں ایک برا نالباس دقیانوس

کسی کی تیر کا گنبد کہ گنبد دستار
جھکے جو فکر میں سر ہو ترقیٔ معکوس

کہاں سخن کوئی شیریں بجز ترش روئی
مقدموں کو کھٹائی میں ڈالتا ہے عبوس

فنا ہے ہاتھ سے اس کے کھلی ہوئی ہے یہ بات
کہ حضرت ملک الموت کا ہے یہ جاسوس

دراز دست ستم ہے غرض زمانے کا
ہزاروں چاک کئے اس نے پردۂ ناموس

کسی کو تخت عروسی ہے تختۂ تابوت
کہیں ہے عقد کی شب بیوہ کوئی تازہ عروس

ہوتے ہیں دین سے بیگانہ ایسے دنیا دار
جہاد راہ خدا جانتے ہیں قتل نفوس

پنھائے طفل کو زنجیر و طوق منت کے
اسی بہانے سے بے جرم ہو کوئی محبوس

شریف خوار و زبوں، دور ہے کمینے کا
کہ شمس ذرہ میں چمکے ہے مثل شمس شموس

گماں ہے زاغ کو میں ہوں گا بلبل شیراز
زغن کو وہم کہ میں ہوں جواب طوطیٔ طوس

ہمیشہ خاص خدا پائمال ظلم رہے
عیاں ہے قصۂ اصحاب کہف و دقیانوس

کھینچا سر ذکریا پہ آرۂ بیداد
الم سے برگ شجر تک ہوئے کف افسوس

وہ بے گناہ چلی تیغ ظلم یحییٰ پر
کہ زیست سے ہوئے الیاس و خضر تک مایوس

خلیل کو کفرہ نے جو آگ میں پھینکا
اسی الم سے ہے کعبہ کا ماتمی ملبوس

علی الخصوص شہیدوں کا بادشاہ حسین
کہ تخت عرش ہے جس کے لئے مقام جلوس

چراغ کعبۂ دیں شہسوار دوش رسول
امام سبحۂ خاصان، ایزد قدوس

اسی کی بزم کا ہے آفتاب ایک چراغ
اسی کے باغ کا ہے آسمان اک جاسوس

کتاب میں جو لگا ہیں وہ کحل خاک قدم
عجب نہیں جو ہوں معنی کلام میں محسوس

جو ماں سے کی سحر عید ہٹ لڑکپن میں
خدا نے بھیجا یا خود بہشت سے ملبوس

پسر رسول نے قرباں کیا تو اسے پر
اس افتخار سے واقف نہیں کہ روم کہ روس

ہمیشہ خواب میں کی آ کے عہد جنبانی
یہ جبرئیل تھے سبط رسول سے مانوس

وہ بادشاہ جو تھا فخر انبیائے سلف
وہ بادشاہ کہ جس کے تھے اولیا پابوس

ہوئے یہ جور و ستم اس پہ دست امت سے
کہ جس کو سن کے تحیر میں ہوں یہود و مجوس

جہاں میں سچ ہے کسی چیز کو ثبات نہیں
کہ لابقا ہوں جو اقبال کو کریں معکوس

نبی کے بعد زمانے نے کی عجب گردش
کہ ملک شام میں ٹھہرا یزید راس و رؤس

یہ فکر قتل نبی زادہ تھی کہ یثرب میں
لگے ہوئے تھے برابر ہزارہا جاسوس

چلے مدینہ سے وارد ہوئے جو غربت میں
مع عزیز، مع اقربا، مع ناموس

یہ کربلا میں ہوا جمع شام کا لشکر
فلک پہ کانپ گیا ڈر کے کوکب منحوس

کیا قیام سپاہی نے چار جانب سے
ہوئی زمین کے سوتوں کو علت کابوس

سروں پہ خود کہ تھی قندیل باب بیت خانہ
زرہ بدن پر لعینوں کے خرقۂ سالوس

عیاں ہوئی شب عاشور جب محرم کی
در خیام پہ کرسی بچھا کے شہ نے جلوس

رفیق چند جو تھے ساتھ اور چند عزیز
ہوئے سلام کو حاضر وہ سب ہوئے پابوس

عطا کیا علم فوج اپنے بھائی کو
وہ کون حضرت عباس جن سے تھے مانوس

ادھر یہ عاصی دیں اس طرف وہ بانی کفر
یہاں اذاں ہوئی بجنے لگے ادھر ناقوس

سحر سے فتنہ کیا فوج شام نے برپا
گئی سپہر بریں تک صدائے طبلک کوس

ادھر بھی شوق میں آمادۂ جہاد ہوئے
بدل بدل کے شہیدان راہ حق ملبوس

اگرچہ جن و ملک انبیاء ہوئے حاضر — کہ ہم شریک ہیں وقت دغا نہ ہو مایوس
مگر قبول نہ کی آپ نے کسی کی مدد — کہ تکیہ گاہ تھی تائید ایزد قدوس
قلیل فوج جو لے کر چڑھے لڑائی پر — نشان جرأت اہل ستم ہوئے معکوس
ہزاروں قتل کئے ایک ایک نے لڑ کر — کفن ہوئے تن اعدا پہ جامۂ سالوس
سوار خاک پہ گھوڑے گرے سواروں پر — ہوا معاملہ جنگ اشقیا معکوس
مگر چہ لاکھ کہاں اور کہاں بہتّر تن — دلوں میں شوق شہادت قضا سے دل مانوس
خیال سبط نبی بھی کیا نہ امّت نے — سمجھ لیا کہ ستارے تھے بخت کے منحوس
غضب کیا کہ بھرے ایسے خون پاک سے ہاتھ — کہ جس کے ملتے ہیں جن و ملک کف افسوس
کمال ضعف سے زخمی کا جھک گیا یہ سر — کہ تکیہ گاہ ہوا زین اسپ کا قربوس
گرے زمیں پہ حضرت کہ روئے پاک پہ عرش — بدن پہ زخم کی کثرت لہو سے تر ملبوس
پھر اس کے بعد لٹے خیمۂ امام غریب — شقی مزاج نہ سمجھے رسول کا ناموس
تمام گھر کو سپاہ عدو نے لوٹ لیا — چھٹے نہ پیرہن تو نہ جامۂ مدروس
کسی نے بیوۂ قاسم پہ بھی نہ رحم کیا — ردا کو لے کے کیا اس کو شمع بے فانوس
دلہن کا زیور و زر لوٹ کر یہ کہتے تھے — کہ آج ہاتھ لگا ہے ہمیں یہ گنج عروس
خدا بہشت کرے جن کے واسطے پیدا — غضب ہے خانۂ زنداں میں ہوں وہی محبوس
غرض کہ خاک اڑائی یہ ہیں نے ماتم میں — فلک ہوا ہمہ تن داغ صورت طاؤس
جو اہل دیں ہیں کہیں ان کی قدر گھٹتی ہے — ورق الٹنے سے ہوتا نہیں ہے خط معکوس
امیر خالق عالم سے اب یہ مانگ دعا — کہ بہر شاہ نجف شاہ کربلا شہ طوس
رواج دین محمد ہو اہل دیں رہیں شاد — رہائی پائیں جو زندان غم میں ہیں محبوس

محمد حسین آزاد

سلام

مجرائی نہ کیوں خوں سے ہو چشم تر آلودہ
ہو دیں جو سکینہ کے خوں سے گہر آلودہ

بلبل خوں سے سر سرور تھا نیزہ پر آلودہ
جس طرح شفق میں ہو مہر سحر آلودہ

مجرائی غم شہ میں دل غم سے کمر آلودہ
تا اشک جگر گوں سے ہو چشم تر آلودہ

کیا ظلم ہے پانی سے ہوں بحر و بر آلودہ
پھر ہوں نہ لب شاہ جن دلبر آلودہ

شہ کہتے تھے آنکھوں سے کیا خاک دکھائی دے
جب خون جگر سے ہو نور بصر آلودہ

رنی ہیں جلے خیمہ شہ کا تو نہ کیوں ہر دم
نکلے دل سوزاں سے آہ شرر آلودہ

دل کیوں نہ ہو خوں غم سے دلہن کی جبیں ہے ہے
صندل کے عوض خوں سے ہو سر بسر آلودہ

جب تیغ ستم سے ہوں زہرا کے جگر ٹکڑے
ہر لحظہ نہوں خوں سے کیوں چشم تر آلودہ

گر غم میں شہ دیں کے دیکھے ذرا اشک اپنے
ہو آب خجالت میں تاب گہر آلودہ

اکبر جو سناں کھائے دل پر تو نہ کیوں شہ کے
اشک آنکھوں سے جاری ہوں خون جگر آلودہ

جاری تھے نپ غم میں جان و دل صغرا سے
آہ شرر آلودہ، اشک جگر آلودہ

سب ارض و سما ہوتے اک دم میں تہ و بالا
گر کھینچتے شہ دل سے آہ اثر آلودہ

شہ کہتے تھے قاتل سے ہیں جان پیمبر ہوں
ہاتھ اپنے مرے خوں سے ظالم نہ کر آلودہ

آزاد غم شہ میں گر دل بھی جگر خوں ہے
آتا جو شفق میں ہے شام و سحر آلودہ

سنہ ۱۲۷۰ھ

نظم طباطبائیؒ

قصیدہ

چمکا خدا کا نور عرب کے دیار میں
پھیلی شعاع ہند میں چین و تتار میں
پہونچا ستارہ اوج پہ دین حسین کا
اب تک تھا گردش فلک کج مدار میں
چونکیں ذرا یہود و نصارا تو خواب سے
آئی نسیم صبح شب انتظار میں
ورد زبان پاک صحیفہ ہے نور کا
اترا تھا جو خلیل پہ گلزار نار میں
ہے یاد دشت میں گہر افشانی کلیم
اور موعظ مسیح کا وہ کوہسار میں
موسیٰ کی رات کی وہ مناجات طور پر
داؤد کا وظیفہ وہ صبح بہار میں
بت ہوگیا ہے سنگ مربت پرست پر
سرکہ بنی شراب کہن بادہ خوار میں
وہ جام پی کے اٹھ گئے پردے نگاہ سے
دریائے علم و نور کو پایا کنار میں

ان کا وجود علت غائیٔ جہاں کی ہے
گردوں دبا ہوا ہے اس احساں کے بار میں
پیرو کو اس خباب کے کیا فشار قبر
حوروں نے آکے پیر دباتے مزار میں
ہے فخر کائنات جو ہے اپنا رہنما
بھولے ہیں وہ جہاں کو ہم اس افتخار میں
اک سمت مشرکین تھے اور ایک سو یہود
اور اک طرف تھے قیصر و کسریٰ قطار میں
یہ کد کہ دین حق کو پنپنے نہ دیجئے
یہ ضد کہ جان دیجئے اس گیر و دار میں

ظلمت نے کفر کی جو کیا ہر طرف ہجوم
آیا وہ حق کا نور حسن کارزار میں
ساتوں فلک ہیں حلقہ بگوشوں میں سرفراز
فیل ملک ہے فوج یمین یسار میں

ٹاپوں کا شور، توسن کے اڑا آسماں کا رنگ
یہ تیغ امر حق ہے کہ تھا آج کا جہاد
یہ نیزہ قہر حق ہے کہ دیکھی نہیں کبھی
ہے آسماں نورد یہ توسن کو دیکھ لو
بہبود خلق کا ہے مدار اس جہاد پر

خورشید زرد ہو گیا گرد و غبار میں
روز ازل مشیت پروردگار میں
ایسی چمک ستارۂ دنبالہ دار میں
پرتو ہلال کا ہے سم راہوار میں
ابر کرم چھپا ہوا ہے اس غبار میں

مشہور بے ثباتی قدم شہ وقت جنگ
نرغہ زیادہ کرتے تھے جب وقت مشرکیں
پتھر بندھا ہوا تھا شکم پر دم جہاد
یہ بھی خبر نہیں کہ درم کر گئے ہیں پاؤں
فرماتے تھے حنین میں تنہا کھڑے ہوئے
میں ہوں نبی مرسل و فرزند مطلب

مذکور ہے کلام شہ ذوالفقار میں
لیتے تھے ہم پناہ نبی کے جوار میں
لیکن گڑے ہوئے تھے قدم کوہسار میں
اور محو ہیں عبادت پروردگار میں
تھے چند جاں نثار فقط کارزار میں
کذب و دغا نہیں کبھی میرے شعار میں

مورد ملخ کی طرح جفا جو نکل پڑے
پہلے نیام پھینک دیا کاٹ کاٹ کر
کفار کی یورش جو ہوئی چار سمت سے
اس معرکہ میں ان کے قدم بھی اکھڑ گئے
تھے غیض میں جو تیغ دو پیکر لئے ہوئے
اوج ہوا سے مائل پستی ہوئی جو تیغ
سہمے ہوئے تھے بحر میں تشویش سے نہنگ
اک وار میں کیا صف اعدا کو منتشر
راکب کو کس طرح وہ سنبھالے دم نبرد
اس طرح سے الٹ کے گرا اونٹ دفعتاً

پنہاں تھے جھاڑیوں میں پہاڑوں میں غار میں
تلواریں پھر بلند کیں اس گیر و دار میں
میداں مجاہدوں سے چھپا اضطرار میں
جن غازیوں کا مثل نہ تھا روزگار میں
لرزہ تھا گنبد فلک کج مدار میں
بجلی سی ایک کوند گئی کوہسار میں
دبکے ہوئے تھے شیر نیستاں کچھار میں
کوہان شتر کا کاٹ دیا ایک وار میں
اب دو ہی پاؤں رہ گئے مرکب کے چار میں
جس طرح سے کہ عکس پڑا ذوالفقار میں

کافر پہ چل گئی کسی غازی کی تیغ تیز
کوہان سے شتر کے گیا تعر نار میں

دیکھا زرہ کو کاغذ آتش زدہ کی طرح
جو چاک چاک ہو گئی جسم شرار میں

بالا حصار چرخ پہ ناگہ ہوا بلند
اک نیزہ دار نقاب غبار میں

عباس نے بحکم شہنشاہ مرسلیں
آواز دی کہ گونج گئی کوہسار میں

پسپا جو لوگ ہو گئے تھے سن کے وہ صدا
آپہونچے بہر نصرت دیں کارزار میں

تکبیر کی صدائیں ہوئیں ہر طرف بلند
آئی شکست فوج عداوت شعار میں

گھوڑے بہک رہے تھے کہ تھی آگ مشتعل
تیغیں بلند تھیں کہ زمانہ تھا نار میں

پیہم کڑک رہی تھیں کمانیں دم جدال
سو سو عقاب تیر تھے ایک ایک قطار میں

شان یداللّٰہی کسی چہرے سے ہے عیاں
زور غضنفری ہے کسی جاں نثار میں

تیغیں ہیں بے مثال فرس بے نظیر ہیں
یکتا وہ سیکڑوں میں یہ چیدہ ہزار میں

ان اشہبوں کی تیز روی کا لکھا ہے وصف
صفحہ پر آسمان کے خط غبار میں

اب تو زمیں سر کنے لگی رزم گاہ کی
دشمن کے پاؤں جم نہ سکے کارزار میں

سوئے جحیم ٹھوکریں کھاتے ہوئے چلے
بت ہر قدم پہ ملتے ہیں راہ فرار میں

ٹھہریں اگر تو جنگ میں چلتے نہیں ہیں ہاتھ
بھاگیں اگر تو پاؤں نہیں اختیار میں

تاب ستیز اب ہے نہ پائے گریز ہے
چارہ سوائے قتل نہیں اضطرار میں

دو دو سوار چھد گئے اک اک سنان میں
دو دو پیادے کٹ گئے ایک ایک وار میں

میدان سے گریز نشانی اجل کی تھی
بھاگے ہوئے بچے ہیں کہیں روزگار میں

فتح حرم کی سن کے نوید طرب فزا
جو بانیٔ فساد تھے پہونچے حصار میں

ان سے بچھڑ کے مظفر و منصور اہل دیں
محو نثار رکاب شہ کامگار میں

ہیں سیکڑوں غلام رسن میں بندھے ہوئے
صدہا پری جمال کنیزیں قطار میں

یہ فتح اس شکست کے بعد ایسی قوم پر
بے شک ہے معجزات شہ نامدار میں

سنہ ۱۲۹۰ھ

مونس

مرثیہ

اس گھر کے بزرگوں کا چلن تیغ زنی ہے — جو فقر میں کرتا ہے سخاوت وہ غنی ہے
کیا شہرہ خیبر شکن و بت شکنی ہے — جو بات پہ سر دے وہ سخاوت کا دھنی ہے
دبنے کی کہاں آنکھ کہاں مرد کے تیور
چھپتے نہیں لاکھوں میں جواں مرد کے تیور

ہمراہ کوئی واں سے نہیں لاتا ہے رتبہ — جو نام پہ مرتا ہے وہی پاتا ہے رتبہ
سر بیچ کے ذی قدر کو ہاتھ آتا ہے رتبہ — ہٹتا ہے قدم بڑھ کے تو گھٹ جاتا ہے رتبہ
مرکز نہ ہٹے قابل احسنت وہی ہے
جو کھیت میں سرسبز ہو سادنت وہی ہے

دریا کی طرف پیاس سے تکتے نہیں غازی — گر شیر بھی جھپٹے تو سرکتے نہیں غازی
تلواروں کو آنکھوں کو جھپکتے نہیں غازی — بجلی بھی گرے گر تو جھجکتے نہیں غازی
دم ہونٹوں پہ آئے تو شجاعت نہیں جاتی
مرنے پہ بھی چہرے کی بشاشت نہیں جاتی

ماں صدقہ گئی گھاٹ پہ دریا کے نہ جانا — پانی کی طرف پیاس میں گھبرا کے نہ جانا
ساحل پہ کبھی سرد ہوا پا کے نہ جانا — صابر ہو تو رہواروں کو گرما کے نہ جانا
کیوں جاؤ ادھر نہر پہ کیا کام تمہارا
ہو جائے گا اس معرکہ میں نام تمہارا

اک بھائی لڑے بڑھ کے جو ہاتھ ایک کا تھک جائے — بلوا ہو بھر اس پر تو یہ بہر کمک جائے
ہاتھوں میں صفائی ہو کہ پس بھی بھڑک جائے — گر صف ہو تو پسپا ہو بڑا ہو تو سرک جائے
اس جنگ کا چرچا سحر و شام رہے گا
دنیا میں اگر تم نہ رہے نام رہے گا

دونوں نے کہا ہو گا یہی فضل خدا سے — کیا بات ہے جیتے ہیں تو مر جائیں کے پیاسے
ہم اور نہیں کوئی علی کے ہیں نواسے — غافل نہ رہیں آپ غلاموں کی دعا سے
کچھ ہم سے نہ تلوار سے نے ڈھال سے ہو گا
جو ہو گا وہ سب آپ کے اقبال سے ہو گا

جیتے ہیں تو بے صف شکنی ہم نہ رہیں گے — مجبور ہیں سینوں میں اگر دم نہ رہیں گے
سر کاٹیے گا پاؤں جو محکم نہ رہیں گے — لڑکے ہیں جوانوں سے مگر کم نہ رہیں گے
جینا کسی صورت ہمیں مطلوب نہیں ہے
اب کیا کہیں خود اپنی ثنا خوب نہیں ہے

جب کہہ چکے یہ جوش شہادت میں وہ گل رو — آنکھوں سے ٹپکنے لگے رخسار پہ آنسو
لپٹا کے گلے کہنے لگی زینب خوش خو — اللہ یہ غصہ ہے کہ بل کھاتے ہیں گیسو
ایک ایک جری دشت ستم لاشوں سے بھر دے
اللہ تمہیں لشکر اعدا پہ ظفر دے

خیمہ سے برآمد ہوئے زینب کے جو دلبر — دیکھا کہ حسین ابن علی آئے ہیں دلبر
یوں جھک گئے تسلیم کو حضرت کے وہ صفدر — منہ کر کے سوئے چرخ پکارے شہ بے پر
یہ وہ ہیں جو آغوش میں زینب کی پلے ہیں
بچے بھی تری راہ میں مرنے کو چلے ہیں

کہہ کر یہ سخن دونوں کو گھوڑے پہ چڑھایا   دونوں نے شرف پایۂ معراج کا پایا
بجلی کا سب انداز سمندوں نے دکھایا   دوڑے کہ دکھائی نہ دیا دھوپ میں سایا
ثابت نہ ہوا ایک پہ کیا ہو گئے دونوں
جنبش کو جو دیکھا تو ہوا ہو گئے دونوں

ایک ایک سے جاندار گراں قدر سبک رو   وہ جست وہ کاوے وہ طرارے وہ دو ا دو
کیلوں کی وہ تابش وہ ہر اک نعل کا پر تو   تاروں میں دکھاتا تھا چمک چار مہ نو
یوں زین میں آتے ہی نکل جاتے ہیں رن سے
جس طرح نسیم آئے نکل جائے چمن سے

شکلیں بھی جری جرات و سرعت کے علاوہ   وہ گام تھا جن کے لئے سو کوس کا دھاوا
قد ایک سے شکل ایک سی اور ایک سا کاوا   یہ گشت میں بجلی وہ رہواروں میں چھلاوا
شوخی میں یہ آہو تھا اگر شیر تھا وہ بھی
یہ بادیہ پیما تو فلک سیر تھا وہ بھی

گھوڑے کو اڑاتے ہوئے پہنچے جو بہادر   فوج ستم آرا ہوئی سب غرق تحیر
اک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر   لڑکے ہیں یہ اللہ رے اقبال و تہور
کیا نام ہیں کیا جانئے ان کے اب و جد کے
تیور سے یہ پیدا ہے کہ بچے ہیں اسد کے

پیشانیاں خورشید جہاں تاب سے بہتر   رخسارہ رنگیں شاداب سے بہتر
دانتوں کی صفا گوہر نایاب سے بہتر   چہروں کا عرق موتیوں کی آب سے بہتر
ابرو نہیں پیشانی ذی قدر کے نیچے
ہیں دو مہ نو بال سے اک بدر کے نیچے

فوجیں نہیں ٹھہریں یہ جہاں جم کے لڑے ہیں　　ہاتھ ان کے تو فولاد کے پنجے سے کڑے ہیں
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ جرار بڑے ہیں　　دیکھو کہ یہ بپھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں
رکتے نہیں جن لوگوں کے سنبھالے یہ وہی ہیں
ہے فتح ظفر جن کے حوالے یہ وہی ہیں

خالی تھی جو یہ صف تو پریشان پرا تھا　　جنگل ستم ایجادوں کی لاشوں سے بھرا تھا
رنگ اڑ گئے چہروں سے ڈرا تھا　　تھراتا تھا وہ ہاتھ جو قبضہ پہ دھرا تھا
ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے
تیغیں بھی نیاموں میں چرائے تھیں دم اپنے

کائی جو فرق جفا جو پہ نہ ٹھہری　　منہ پر نہ رکی ساعد و بازو پہ نہ ٹھہری
چار آئینہ ظالم و بد خو پہ نہ ٹھہری　　دشمن کی زرہ کاٹ کے پہلو پہ نہ ٹھہری
کیا زور تھا کیا ضربت شمشیر نکو تھی
گھوڑے کی بھی گردن اسی اک وار میں دو تھی

یہ ذکر تھا جو طبل بجا فتح کا ناگاہ　　چلائے حرم لٹ گئی بنت اسد اللہ
سجدہ کو سوئے قبلہ جھکیں زینب ذی جاہ　　دوڑے طرف دشت دغا روتے ہوئے شاہ
آلودۂ خوں دونوں کا مل نظر آئے
گودی کے بجا خاک پہ بسمل نظر آئے

۱۲۹۲ھ

انیس

مرثیہ

اے نظم سخن نظم ثریا کو خجل کر　　اے گوہر مضمون دریکتا کو خجل کر
اے نالۂ دل بلبل شیدا کو خجل کر　　اے برق ولا طور تجلے کو خجل کر
مداح کا دل نور کا مسکن نظر آئے
کاغذ کا ورق وادیٔ ایمن نظر آئے

اغلاط و ثقالت سے مناسب ہے سخن صاف　　ہر لفظ ہو پاک اور صف پیرایۂ فن صاف
ناظر کو نظر آتا ہے خود حسن حسن صاف　　گل گشت کے قابل نہیں گر ہو نہ چمن صاف
ہو جن میں خلش بے انہیں چھانٹے نہیں رہتے
گلشن میں ہمارے کبھی کانٹے نہیں رہتے

ہاں آج زمانے کا یہ کیا رنگ ہے یارب　　اس دور میں بے قدر ہوئے علم و ہنر سب
گوہر کے نہ طالب ہیں نہ جوہر سے ہے مطلب　　حیرت ہے کہ وہ بات سخن کی بھی نہیں اب
گویائی کا کچھ لطف ہی گویا نہیں ملتا
ڈھونڈھے سے بھی اب نظم کا جویا نہیں ملتا

سلمائے سخن کا کوئی شیدا نہیں بالکل　　برباد ہے خوبان مضامیں کا تجمل
گلشن تر و تازہ ہے پہ مائل نہیں بلبل　　دولت ہے یہ بیقدر ہے اب مثل زر گل
لعل جگری جو سمجھتے وہ بے رنگ ہوئے ہیں
سمجھے تھے جواہر جنہیں سب سنگ ہوئے ہیں

آمادۂ گل گشت گلستاں نہیں کوئی　　مشتاق شمیم گل وریحاں نہیں کوئی
میں یہ نہیں کہتا کہ سخن داں نہیں کوئی　　ہاں جنس گراں قدر کا خواہاں نہیں کوئی
معشوق کی وہ گرمیٔ بازار نہیں ہے
یوسف تو ہے موجود خریدار نہیں ہے

پیاسے رہے دریا پہ مگر دم نہیں مارا   بچھڑا ہے کب خویش و پسر دم نہیں مارا
سر کار لٹی تین پہر دم نہیں مارا   یوں صاف ہوا تیغوں سے گھر دم نہیں مارا
سب دل پہ گوارا کیا اس جبر کے صدقے
سر دے دیا صدقہ میں ترے صبر کے صدقے

سو دکھ ہیں مگر شکوۂ اعدا نہیں کرتے   تکلیف میں راحت کی تمنا نہیں کرتے
پانی بھی طلب سید والا نہیں کرتے   رغبت سے نظر جانب دریا نہیں کرتے
صدمہ ہے کہ عباس نے یاں ظلم سہا ہے
سقائے سکینہ کا یہیں خون بہا ہے

درگاہ خدا میں ہے مناجات یہ ہر دم   سو جاں سے تری راہ میں قرباں ہوں تو ہے کم
صدمہ نہ عزیزوں کا نہ اولاد کا کچھ غم   جس کام میں خوشنود ہے تو ہے وہ مقدم
مضطر نہیں گو دکھ میں گرفتار ہوں مولا
جو کچھ ہے ترے عشق میں سرشار ہوں مولا

میں یہ نہیں طالب مجھے اعدا پہ ظفر دے   سب مشکلیں آساں ہیں تو صبر اگر دے
تکلیف پہ تکلیف جو ہر بانیٔ شر دے   مولا شریعت مجھے بے تاب نہ کر دے

جب تن پہ چلیں تیغ و تبر تجھ کو نہ بھولوں   تیر دل سے چھدے قلب و جگر تجھ کو نہ بھولوں
بے ہوشی میں بھی وقت سفر تجھ کو نہ بھولوں   دنیا ہو فراموش مگر تجھ کو نہ بھولوں
بچوں کی نہ گھر کی نہ سر و تن کی خبر ہو
دل ہو تری جانب تری رحمت کی نظر ہو

غل تھا کہ تبر پھینک دو بھالوں کو ہٹاؤ   نزدیک سے چار آئینہ والوں کو ہٹاؤ
تا دور زرہ پوش رسالوں کو ہٹاؤ   ہے سر پہ بلا آہنی ڈھالوں کو ہٹاؤ
میداں میں تلوار بنی پھرتی ہے بجلی
سنتے ہیں کہ لوہے پہ بہت گرتی ہے بجلی

اک وار جدھر چلتا تھا تیغ دو زباں کا   بل دم میں نکل جاتا تھا ترچھا ہو کہ بانکا
جانکاہ ہر اک زخم تھا اس آفت جاں کا   مرہم کوئی نافع جسے ہوتا تھا نہ ٹانکا
تاثیر غضب تھی کہ رگیں چلتی تھیں تن میں
ہوتا تھا زخمی ہو آگ... بدن میں
ہاتھ اڑ گیا گر تیغ اٹھا کر کوئی آیا   دو ڈھل گیا سینہ کا جو صفدر کوئی آیا
سر دور ہوا پاس جو خودسر کوئی آیا   دو تھا جو تہ تیغ دو پیکر کوئی آیا
جو عازم پیکار تھا بیکار ہوا وہ
جو اس سے دوچار آ کے ہوا چار ہوا وہ
شوخی کا چلن وقت... نہیں جاتا   یوں چوکڑی بھرتا ہوا آہو نہیں جاتا
کس سمت سبک دفعت بو نہیں جاتا   جاتا ہے پہ گیتی کو قدم چھو نہیں جاتا
حیرت سے نظر کرتے ہیں شاہیں بھی ہما بھی
سناٹے میں آجاتی ہے تھم تھم کے ہوا بھی
جب وار کیا ضربت حیدر نظر آئی   پامال غضب فوج ستمگر نظر آئی
اس صف پہ چلے جب یہ زمیں پر نظر آئی   بڑھنا تھا کہ لاش علی اکبر نظر آئی
ٹکڑے جگر بانوئے دلگیر کو پایا
مٹی میں مٹائی ہوئی تصویر کو پایا
یہ دیکھتے ہی شمر نے جلادوں کو پھیرا   کل فوج بڑھی ہو گیا جنگل میں اندھیرا
بستر نہ کسی کا نظر آتا تھا نہ ڈیرا !   بدلی کی طرح فاطمہ کے چاند کو گھیرا
ہونے لگی بیداد ولی ابن ولی پر
بارش ہوئی تیروں کی حسین ابن علی پر
ناگاہ جبیں ہو گئی تلوار سے زخمی   اور ساتھ سر گرز گراں بار سے زخمی
سب جسم ہوا تیروں کی بوچھار سے زخمی   سینہ بھی ہوا نیزۂ خونخوار سے زخمی
ایلا جو لہو ضعف سے بے دم ہوئے شبیر
اک بار علی اکبر کہا اور خم ہوئے شبیر

ختم ہونے ہی جرأت ہوئی اعدار کی زیادہ   سب ٹوٹ پڑے بند ہوا امن کا جادہ
حکم ہوا قتل شہ بیکس کا ارادہ   رنگیں ہوا سب خون سے پیراہن سادہ
ہرنے پہ جھکا سر جو امام شہدار کا
عمامہ گرا خاک پہ محبوب خدا کا

حربوں سے ہوا جاتا تھا تن چور سراسر   فریاد کی مہلت بھی نہ دیتے تھے ستمگر
منہ پیاس میں کھولا تو برسنے لگے پتھر   خالق کو پکارا تو پڑی تیغ دہن پر
دشمن نظر آتے تھے جدھر تکتے تھے حضرت
تلواروں کے حملوں سے نہ تھم سکتے تھے حضرت

اک نیزۂ سر تیز نے پہلو کو جو توڑا   بسمل ہوئے منہ قلب کی طاقت نے بھی موڑا
بس چوم کے قدموں کو رکابوں نے بھی چھوڑا   شبیر گرے خاک پہ کوتل ہوا گھوڑا
لختے جو لہو کے تھے جمے رہ گئے زیں پر
اسوار تڑپنے لگا تفتیدہ زمیں پر

سنہ ۱۳۰۲ھ

نفیس

سلام

سلامی جمع ہیں سب گلعذار مجلس میں
بھری ہے خلد بریں کی بہار مجلس میں
غلام راکب دوش نبی مودب ہوں
ہے آمد شہ دلدل سوار مجلس میں
ابوتراب کے فرزند کی یہ صحبت ہے
نہیں کسی کو کسی سے غبار مجلس میں
وفور غم سے گریبان تار تار کرو
مگر ان اشکوں کا ٹوٹے نہ تار مجلس میں
مژہ پہ اشک کے قطرے نہیں ہیں جلوہ نما
چمک رہے ہیں در آبدار مجلس میں
لیے ہیں نذر کو در ہائے اشک اہل عزا
علی کے لال کا ہے انتظار مجلس میں
نفیس اب تو چہک مثل عندلیب چمن
سوا گلوں کے نہیں کوئی خار مجلس میں

مرثیہ

باندھی کمر جو فوج خدا نے جہاد پر
چھایا ہراس لشکر دین زیاد پر
جرأت فدا تھی فوج عقیدت نہاد پر
طاری تھا غیض شہ کے ہر اک خانہ زاد پر
تیغوں کو چومتے تھے شجاعت کے جوش میں
جرار جھومتے تھے شجاعت کے جوش میں
لب پر درود کاندھوں پہ تلواریں شوق جنگ
چہرہ شگفتہ جوش شجاعت سے سرخ رنگ
مشتاق مند مرنے سے خوش زندگی سے تنگ
عجلت کہ اب دغا میں ہے کس واسطے درنگ
بر میں عبائیں سر پہ عمامے رخوں پہ نور
صادق سخی دلیر بہادر غنی، غیور

خوش طبع خوش مزاج خوش انفاس خوش کلام — سوکھی ہوئی زباں کو ذکر خدا سے کام
دانا مطیع حکم نبی، پیرو امام — مثل نگیں رہیں گے قیامت تک ان کے نام
جنگ آزمودہ بیشۂ مردانگی کے ببر
صابر وہ جن کے صبر پہ نازاں ہے آپ صبر

اک سو عقیل و مسلم و جعفر کے نور عین — تھا جن کا زور دبدبۂ فاتح حنین
غازی دلیر عاشق سلطان مشرقین — شیروں کے شیر زیب صف لشکر حسین
کمریں کسے ہوئے علم شہ کے ساتھ تھے
بل ابروؤں پہ تیغ کے قبضہ پہ ہاتھ تھے

تھے اک طرف جناب علی اکبر جری — جن کے قدم سے آنکھوں کو ملتی تھی صفدری
شبیر وغا نہنگ محیط دلاوری — سب شان حیدری تو شکوہ پیمبری
ہلتے تھے قلب دیکھ کے چتون دلیر کے
غصہ سے خوں ٹپکتا تھا آنکھوں سے شیر کے

گھوڑوں کے ہنہنانے سے ہلتا تھا دشت جنگ — وہ زیر راں سمند کہ بجلی کا جس میں ڈھنگ
کوئی کمیت تھا کوئی ابلق کوئی سرنگ — وہ زیں کھنچے ہوئے وہ لگامیں وہ چست تنگ
ذرے زمیں سے اڑتے تھے ٹاپوں کی گرد میں
گویا رکی ہوئی تھیں ہوائیں نبرد میں

یہ حال تھا کہ فوج میں ڈنکا ہوا ادھر — باجے بجے عرب کے تو ہلنے لگے جگر
کرنے لگا درست صفیں شمر بدگہر — ہر سو نشاں کھلے تو ہوا اور شور و شر
دریا گئے تھے جمع پرے سب بہم نہ تھے
لہریں تھیں رود نیل کی کالے علم نہ تھے

کڑکیں کمانیں کھنچ گئیں تیغیں بڑھی سپاہ — ڈھالیں اٹھیں کہ دھوپ میں دن ہو گیا سیاہ
وہ فوج کا ہجوم کہ اللہ کی پناہ — جائے تو پھر نکل نہ سکے طائر نگاہ
چلّوں سے جب ملانے لگے تیر بدخصال
غازی ادھر بھی ہو گئے آمادۂ جدال

اک لشکرِ غریب پہ کیوں اتنا ستم پسند — یہ تیر و نیزہ و تبر و خنجر و کمند
ہم تشنہ لب فرات سے سب فوج بہرہ مند — اب تک نہ کچھ کھلا کہ ہے کیوں آب و دانہ بند
وہ خیر آج کر کہ جزا اس کی کل ملے
ایسا لگا درخت کہ تجھ کو بھی پھل ملے

یہ سن کے کانپ کانپ گیا حرُ نامور — غربت پہ شاہِ دیں کے لہو ہو گیا جگر
غازی نے بائیں ہاتھ میں لی دوش سے سپر — نکلا پرے سے تیغ بکف مثلِ شیرِ نر
چہرے پہ سرخ رنگ شجاعت کا چھا گیا
ابرو پہ مثلِ تیغِ حسینی بل آ گیا

تیور جو بگڑے دیکھے حرِ خوش خصال کے — بھائی قریب آ گیا بھالا سنبھال کے
پہونچا پسر بھی ہاتھ کو قبضہ پہ ڈال کے — تولا تبر غلام نے آنکھیں نکال کے
بڑھ کر کہا پسر نے توقف گناہ ہے
بولا غلام بھی کہ یہی سنگِ راہ ہے

دہشت ہے کیسی خوف ہے کیا شے خطر ہے کیا — جب اٹھ کھڑے ہوئے تو جوانوں کو ڈر ہے کیا
چلنے میں فکر کیا ہے چلو بس ادھر ہے کیا — لشکر یہ کیا ہے شمر ہے کیا شے عمر ہے کیا
انساں وہ ہے کہ جس کی نظر ہے کمال پر
تف ایسے روزگار پہ تف ایسے مال پر

یہ کہہ کے چاہتا تھا کہ چھیڑے وہ راہوار — بولا یہ آ کے دائی پسر سعد نابکار
کیوں اے دلیر خیر تو ہے کیوں ہے اضطرار — ہاں لڑ حسین سے کہ یہ ہے وقتِ کارزار
بولا بگڑ کے حر کہ لعینِ زبوں خصال
سید سے میں لڑوں یہ عبث ہے ترا خیال

یہ ظلم ایک فاقہ کش و تشنہ کام پر — غارت ہو کوفہ برق گرے شہرِ شام پر
صدقہ یہ سر حسین علیہ السلام پر — کافر ہے وہ جو ہاتھ اٹھائے امام پر
ظالم ہے تو شقی ہے ذلیل و رکیک ہے
سنہ ۱۳۲۰ھ
اس کے لہو میں خونِ محمد شریک ہے

علی سجاد اشہر

جنگ خیبر

سجادہ سے ابھی نہ اٹھے تھے شہ امم مشرق سے مہر کا جو چمکنے لگا علم
فرمایا غازیوں سے یہ شہ نے بصد حشم کمریں کسیں مجاہد راہ خدا بہم
مشتاق جنگ اسلحہ تن پہ سنوار لیں
غافل سبھی کوئی ہو تو صدا دیں پکار لیں

جس وقت فوج ہو چکی آراستہ تمام اٹھے مقام خاص سے سلطان خاص عام
خیمہ میں جا کے لے کے علم باصد اہتمام باہر جو آئے پڑ گئی لشکر میں دھوم دھام
ہاں آگے بڑھ کے جائے جو طالب ہو جاہ کا
نکلا علم وہ فوج رسالت پناہ کا

جس وقت ہو چکا علم پاک جلوہ گر گردن اٹھا کے فوج پہ حضرت نے کی نظر
دیکھا کہ دست بستہ جوانان پر جگر باندھے صلاح جنگ کھڑے ہیں ادھر ادھر
اپنے مقام خاص پہ حق کا ولی نہیں
موجود ساری فوج ہے لیکن علی نہیں

سلماں سے مڑ کے کہنے لگے قبلہ زماں کیوں خیریت تو ہے اسد اللہ ہے کہاں
سلماں نے بڑھ کے عرض کی اے شاہ انس و جاں ناخوش ہے طبع اقدس سردار دو جہاں
تشویش کا محل نہیں خالق کفیل ہے
کچھ ان کے دشمنوں کی طبیعت علیل ہے

فرمایا دیکھ کر سوئے اصحاب کوئی جائے — جس طرح ہو سکے انہیں مجھ پاس لے کے آئے
کیا دخل تھا کہ حکم میں کچھ دیر ہونے پائے — فی الفور جا کے بادشہ لا فتیٰ کو لائے
عمار ہاتھ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ تھے
سلمان بھی دیئے ہوئے بغلوں میں ہاتھ تھے

دیکھا جو دور سے تو کہا شہ نے بھائی آؤ — آئے علی قریب تو فرمایا بیٹھ جاؤ
بیٹھے تو بولے کیا ہے شکایت مجھے بتاؤ — کیسا ہے اب مزاج مفصل مجھے سناؤ
تھا تم کو مجھ سے بُعد نہ میں تم سے دور تھا
مجھ سے بیاں مزاج کا بھائی ضرور تھا

سنہ ۱۲۲۱ھ

سلطان العالیہ
دختر نصیر الدین حیدر

سلام

خمیدہ در شاہ پر سر رہے — سلامی جو سید صفا منقدر رہے
نبوں کو خدائی نہ کرتے بنی — ہمیشہ یہ بتچھر کے بتچھر رہے
ابد تک جسے بادشاہی کرے — در شاہ پر جو گدا مر رہے
نہ دی شک غازی نے مکار کو — وہی ہاتھ کٹتے پہ تیور رہے
شہیدوں کا ماتم رہا حشر تک — نہ قاتل رہے اور نہ خنجر رہے
بہت سن میں اکبر سے اصغر تھے کم — مگر مر کے ان میں برابر رہے
عجب لطف معراج کی شب رہا — علی اور نبی پیش داور رہے
کھلے دل پہ راز خفی و جلی — وہ پردے کے اندر یہ باہر رہے

دیا اپنے قاتل کو شربت کا جام
بد و نیک سے صاف حیدر رہے

سلطان العالیہ
دختر نصیر الدین حیدر

سلام

مجرئی کہتے تھے انصار یہ خنداں ہو کر
عید قرباں کی کرو شاہ پہ قرباں ہو کر

لب و دنداں پہ سر شاہ کے دیکھی جو چھڑی
پی بیاں رہ گئیں انگشت بدنداں ہو کر

شمر سے کہتے تھے یہ گبر و نصارا افسوس
قتل سید کو کیا تو نے مسلماں ہو کر

لائے جبریل جو محضر تو یہ زہرہ نے کہا
قتل شبیر پہ میں مہر کروں ماں ہو کر

خود غلط قول پہ اپنے نہ رہے ثابت آہ
پر زہ تن شہ کا کیا قائل قرآں ہو کر

اب فلک گنج شہیداں میں یہ کہتی ہے بتول
پھر نہ آباد یہ گلشن ہوا ویراں ہو کر

جو گدا بیٹھ گیا شاہ نجف کے در پر
در دولت سے پھر اٹھا وہ سلیماں ہو کر

اب ہمارے لئے لبیک ہوئی اے سلطاںؔ
کربلا ہند سے جاتے ہیں خراساں ہو کر

جعفر حسین اوج

سلام

سلامی بند ماتم سے نہ سرگرم فغاں کیوں ہو — نہوں آتش بیاں نالے تو مجلس میں دھواں کیوں ہو
اسی کے لطف سے ہے ارتباط عالم امکاں — جو وہ نامہرباں نکلے تو کوئی مہرباں کیوں ہو
زمیں کیسی کہاں کے آسماں سب اس کے جویا ہیں — کہیں ملتا نہیں وہ بے نشاں خاطر نشاں کیوں ہو
حجاب نور ہو یا آنکھ کا پردہ ہو جو کچھ ہو — تمہیں تو ہو اگر دل میں تو کوئی درمیاں کیوں ہو
شہادت دے رہا ہے امتزاج اپنے عناصر کا — نہ ہو گر مرتبط کوئی تو ربط جسم و جاں کیوں ہو
جو آئی دوست کی جانب سے لوں خوش خوش سر آنکھوں پر — بلا میرے مقدر کی نصیب دشمناں کیوں ہو
ہماری سرزمینِ حرص بربادی کو کافی ہے — ملا کر خاک میں ہم کو گنہ گار آسماں کیوں ہو

عداوت اور خداوندی کی سلعت جب بہم ہٹری
تو اس ناچیز مشت خاک کا پھر امتحاں کیوں ہو

مرثیہ

سنہ ۱۳۰۰ھ

زہے معاون و انصار سرور اکرم — یہ سچ ہے تھے وہ بہت سے بہت یہ کم سے کم
مگر دلیری و جرأت کا تھا عجب عالم — کہ ان کے رعب سے لشکر تھے درہم و برہم
محال سمجھے تھے ضیغم دلوں کے ٹوکنے کو
جبھی تو جمع ہزاروں ہوئے تھے روکنے کو

زہے کریم کرامت تھی سر بسر جن سے — زہے جلیل جلالت تھی مفتخر جن سے
زہے شریف شرافت تھی اوج پر جن سے — زہے شجاع شجاعت تھی نامور جن سے
یہ وہ جری تھے کہ جرأت تھی سر بسر جن میں
ہزارہا کے برابر تھا ایک اک ان میں

وہ منکسر کہ تواضع تھی سرفراز ان سے — وہ متقی کہ عبادت کو فخر و ناز ان سے
وہ ذی کرم کہ سخاوت کو خود نیاز ان سے — وہ شیر دل کہ دلیری کو امتیاز ان سے
جمائے معرکہ میں پائے مستقل اپنے
وہ جاں نثار پہن لیں زرہ پہ دل اپنے

عجیب شان سے استادہ تھے حبیبِ اسدم — کہ رعشہ رعب سے جھک جھک کے چومتا تھا قدم
دکھا رہی تھی حقیقی شباب کا عالم — سنا ہے پشت مبارک تھی بارِ ضعف سے خم
مگر تھا رابطہ جرأت سے جسم و جاں کی طرح
بچے وغا بہ تن لیس تھے کماں کی طرح

عزیز حق تھے عزیزان فدیہ قیوم — ازل سے ہر وفا کا تھا ان کے ساتھ لزوم
ہزار جاں سے تھے گرد سرورِ مظلوم — ہو ایک پھول پہ جس طرح بلبلوں کا ہجوم
کیا تھا دین کو روشن ہر ایک یکتا نے
چراغ ایک تھا چاروں طرف تھے پروانے

دل اپنے جان نبی پر دیئے ہوئے سب تھے — معرفت حق پیے ہوئے سب تھے
قبائے خلد بریں کے لئے ہوئے سب تھے — کہ ساتویں سے یہ نیت کئے ہوئے سب تھے
کھلے جو موت کا دفتر وفا شعاروں میں
لکھے یہ نام ہمارے ہوں جاں نثاروں میں

مجاہدین میں باہم یہ تذکرے تھے وہاں — حرم سرا میں حرم کو تھا شغل آہ و فغاں
سنوار کر علم بادشاہ کون و مکاں — کھڑی تھی صحن میں خیمہ کے زینب ذیشاں
علم کے سایہ میں تھے ماں کے لاڈلے دونوں
خموش آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے دونوں

کہ ناگہاں علی اکبر بحکم شاہ امم — محل میں آئے علم لینے کو بہ رنج و الم
بلائیں لے کے پھوپی نے دیا وہ نخل ارم — چلے تو بن گیا وہ نخل نخلۂ ماتم
یقیں ہوا کہ لڑائی بھڑ گئی ہے ہے
حرم سرا میں قیامت گذر گئی ہے ہے

خوشا نشان دز ہے شان ہم جمال نبی پکارے متفق اللفظیوں جوال وجبی
وہ لائے خود علم اپنا محمد عربی درود پڑھنے لگے ہاشمی و مطلبی
یہ جلوہ دھوپ میں پنجے کے عکس سے دیکھے
زمیں پہ سیکڑوں خورشید لوٹتے دیکھے

کلید باب شجاعت ہے اب زبان قلم ہے لوح نظم سے ظاہر شکوہ و شان قلم
بلند لشکر مضموں میں ہے نشان قلم نشیر بلبل دستاں ہے داستان قلم
ہے آب و رنگ چمن ہم صفیر بلبل سے
صریر خامہ نہیں کم صفیر بلبل سے

اشارہ چوب قلم کا ہے نکتہ دال کے لئے کہاں ہیں اہل ہنر آئیں امتحاں کے لئے
ہزار لطف معانی ہیں اک بیاں کے لئے کلام نے بوسے مری زباں کے لئے
جو خود پسند ہیں حق بات جانتے ہی نہیں
کہ جنس شعر کی تعریف جانتے ہی نہیں

یہ گرم جوشش باصفا کیسی یہ دھوم مدحت کبھی
یہ صوت یہ تحسین کی صدا کیسی دماغ جس سے پریشاں ہو وہ ثنا کیسی
مزاج شاعر نازک خیال نازک ہے
مگر طبیعت مضموں کمال نازک ہے

بس آج خوب کھینچی غم کے حال کی تصویر غضب ہے خامہ معجز نگار کی تحریر
یہ بندشیں یہ مضامیں یہ خوبیٔ تقریر سخن وروں میں ہے مشہور خاندان دبیر
ہے مجلسوں میں عروج کمال منبر پر
فصاحت اور بلاغت ہے ختم اس گھر پر

میر عشق

مرثیہ

کی جس نے ملک دہر کی شاہی حسین ہے　　جس نے مدد کسی سے نہ چاہی حسین ہے
باغ جہاں سے خلد کو راہی حسین ہے　　آئی ہے جس کے گھر میں تباہی حسین ہے
مر کے زیادہ قدر شہ نیک خو ہوئی
پیاسے رہے تو پیش خدا آبرو ہوئی

مقبول خاص خالق عادل حسین ہے　　کشت رضا و صبر کا حاصل حسین ہے
اسوار ذوالجلال کا حامل حسین ہے　　سب جانتے ہیں مومن کامل حسین ہے
دل ابن بوتراب کے ماتم میں چاک ہے
صدمہ سے ہر بشر ہمہ تن مشت خاک ہے

غواص بحر تشنہ دہانی حسین ہے　　باغ و بہار منزل فانی حسین ہے
دنیا میں فاطمہ کی نشانی حسین ہے　　پایا نہ جس نے پیاس میں پانی حسین ہے
کیا صبر نے حسین کے دل کو مزا دیا
اصغر سا چاند خاک کے نیچے سلا دیا

تا ظہر جا چکے جو دلیران صف شکن　　آئے میان گلشن خیمہ شہ زمن
گلہائے زخم سے تن شبیر تھا چمن　　فرمایا اہل بیت سے لا دو ہمیں کفن
جاتے ہیں مرنے کو یہ ہٹنے کی جا نہیں
جلدی ملو کہ موت میں وقفہ ذرا نہیں

تن کانپتا ہے زیست سے بیزار ہو بہن　　سب جانتے ہیں صبر کی مختار ہو بہن
سمجھو تو بنت حیدر کرار ہو بہن　　مایوس لطف حق سے نہ زنہار ہو بہن
سر ننگے ابن شاہ نجف کو نہ دیکھنا
تم وقت ذبح میری طرف کو نہ دیکھنا

کچھ ہوش میں جو حضرت سجاد آ گئے   دیکھا پدر کو ابر غم و یاس چھا گئے
بالکل عرق میں عابد مضطر نہا گئے   سارے نشان اپنی یتیمی کے پا گئے
چھائے تھے ابر ضعف دل رشک ماہ پر
تکیہ سے سر اٹھا کے دھرا پائے شاہ پر

گردن میں شہ کے ڈال دیئے دست رعشہ دار   سب عضو جل رہے تھے بہ شدت سے تھا بخار
جھک کر کیا امام غریب الوطن نے پیار   تفویض کر دیا انہیں اسرار کردگار
باہوش خطر رنج سے وہ ناتواں ہوئے
راہی برائے جنگ امام زماں ہوئے

اعدا سے بولی موت کہ ہے انتظار کیا   حسرت سے منہ کیئے ہوئے سوئے ذوالفقار کیا
آئے نہ آئے دم کا بھلا اعتبار کیا   بولو زباں چلے نہ چلے اختیار کیا
پیش نگاہ تیغ امام حجاز ہے
توبہ کر و ابھی در توبہ تو باز ہے

لشکر سے ایک بار چلے تیر اس قدر   خورشید کی شعاع چھپی ان میں الحذر
تھی دھوپ چھاؤں ہو گئی بیکس حسین پر   سن سن کے آ رہی تھیں صدائیں حسین پر
چھد چھد گئے طیور جہاں گوشہ گیر تھے
کانٹوں کی شکل رن کے درختوں میں تیر تھے

جب کھائے تیر شاہ کے تیور بدل گئے   اٹھے سبھوں کے پاؤں جو وہ ہاتھ چل گئے
گھوڑا اڑا کے یوں دم جنگ و جدل گئے   فوجوں کے اس طرف شہ والا نکل گئے
پامال فوج ظالم بد خواہ ہو گئی
لشکر میں صاف ادھر سے ادھر راہ ہو گئی

غصہ میں رہوار کہ اللہ کی پناہ   خونبار ذوالفقار کہ اللہ کی پناہ
چاروں طرف پکار کہ اللہ کی پناہ   چھایا ہوا غبار کہ اللہ کی پناہ
زخمی تڑپ رہے تھے سنبھلنا محال تھا
جانوں کو مارے ڈر کے نکلنا محال تھا

دشمن کی تیغ آتے ہی نزدیک مڑ پھری   جو آفت آئی پاس رکی اور ادھر پھری
چاروں طرف امام زمن کی نظر پھری   واران کے رد ہوئے شہ دیں کی سپر پھری
تیغ علی کا مشق علی وار کر دیا
ہر وار کو حریفوں کے بیکار کر دیا

حسن کشش سبھوں کے دلوں میں سما گیا   چلّا کماں کا گوش منور تک آ گیا
کانپا ہر ایک زاغ سا کے خوف کھا گیا   تاکا جو دل عدو کا پیام قضا آ گیا
بولا نکل کے تیر نشانے سے پار ہوں
چلّا کے مرغ دل نے کہا میں شکار ہوں

بھاگے شریر مورچے ویران ہو گئے   پیدل ہٹے رسالے پریشان ہو گئے
جنبش نہ تھی رگوں میں یہ بے جان ہو گئے   دم بھر میں سب کی موت کے سامان ہو گئے
میدان کارزار میں لاشوں کا ڈھیر تھا
فوج عدو میں جو تھا وہ جینے سے سیر تھا

پیدا ہوئے حسین صداقت کے واسطے   چمکا یہ نور عالم ظلمت کے واسطے
آئے جہاں میں رنج و مصیبت کے واسطے   حاضر ہے بھوک پیاس کی شدت کے واسطے
خواہاں تھے شوق وصل خدا میں وصال کے
ڈوبے لہو میں کشتیٔ دیں کو سنبھال کے

ایسے شجاع ہیں کہ شجاعت کو ناز ہے   ایسے کریم ہیں کہ سخاوت کو ناز ہے
ایسے غریب ہیں کہ مصیبت کو ناز ہے   ایسے شہید ہیں کہ شہادت کو ناز ہے
فرمایا بد دعا نہ کریں گے کبھی نہ کی
بیعت کو کہہ دیا نہ کریں گے کبھی نہ کی

ہیں اہل شام دشمن دیں یہ نہیں کہا   ان کو خدا کا خوف نہیں یہ نہیں کہا
کیا اذیتیں مجھے دیں یہ نہیں کہا   ناری ہیں بے وفا ہیں لعیں یہ نہیں کہا
فرمایا کلمہ پڑھتے ہیں پہچانتا ہوں میں
یہ مجھ سے آشنا ہیں انہیں جانتا ہوں میں

سجدے میں کر رہے تھے دعا کچھ خبر نہ تھی | تلوار کھائی تیر لگا کچھ خبر نہ تھی
جنبش نہ تھی بدن کو ذرا کچھ خبر نہ تھی | ایسے جھکے تھے پیش خدا کچھ خبر نہ تھی
کیونکر بیان کیجیے کیونکر چھری پھری
تھے محو یاد حق کہ گلے پر چھری پھری

۱۳۰۹ھ

امینؔ

مرثیہ

شیر خدا کے شبّر کا مداح میں بھی ہوں حیدر کے دشت وصف کا سیاح میں بھی ہوں
ہاں فضل یاب نطق کی مداح میں بھی ہوں روشن ہے بزم نظم وہ مصباح میں بھی ہوں
جلوہ ہر ایک لفظ میں ہے شمع طور کا
پر ضیا ورق ہے کہ دریا ہے نور کا

درِ عدن سخن ہے مرا درج ہے دہن فضل خدا سے قلب ہے گنجینۂ سخن
کیا پر بہار ہے یہ مری نظم کا چمن ہے موتیا کہیں تو کسی جا ہے یاسمن
بادِ خزاں کا دخل نہ کھٹکا ہے خار کا
موسم ہمیشہ رہتا ہے اس میں بہار کا

روتے ہیں شہ ادھر غم قاسم میں زار زار ہاں مبارز کا ادھر غل ہے بار بار
طالب ہیں اذن جنگ کے عباس نامدار اکبر بھی شاہ دیں سے رضا کے ہیں خواستگار
گہہ دیکھتے ہیں بھائی کو گہہ نور عین کو
دو غم کی تیغیں کرتی ہیں بسمل حسین کو

اکبر چچا سے کہتے ہیں ہر دم بچشم نم اے حامل نشان رسول فلک حشم
اذن وغا طلب نہ کریں آپ دمبدم مر جائیں گے پدر جو ہوا آپ کا الم
بے دست و پا ہے جس کو برادر سے یاس ہو
بے کار پھر ہیں ہاتھ جو بازو نہ پاس ہو

مشہور شہ کی جان تن زور آپ ہیں لطف حیات سید ابرار آپ ہیں
حمزہ ہیں آپ جعفر طیار آپ ہیں اب یادگار حیدر کرار آپ ہیں
بازو قوی ہے آپ سے شاہ انام کا
للہ ساتھ چھوڑیں نہ حضرت امام کا

پہلے حضور مجھ سے جو آئیں گے رن میں کام　　مٹ جائے گی شبیہ علی فلک مقام
آپ اور ایک دم نہ اگر کھینچیے حسام　　پھر میں ہوں اور تیغ اور یہ سپاہ شام
رن کیا آج دشت میں پڑتا ہے دیکھیے
کیونکر غلام آپ کا لڑتا ہے دیکھیے

اکبر سے ہنس کے حضرت عباس نے کہا　　بیٹا تمہاری جرأت و ہمت میں شک کیا
غازی دلیر دلبر فرزند مرتضےٰ　　مصباح بزم یوسف کنعان مصطفا
تازہ بہار آئی ہے جس میں وہ باغ ہو
اے ماہ تم حسین کے گھر کے چراغ ہو

اکبر چچا کے پاس ادب سے رہے خموش　　پھر شاہ نامدار کو رقت کا آیا جوش
فرمایا ہم کو تاب ہے اب سر پہ بار دوش　　تم معاف کرنا بعد مرے جام مرگ نوش
یہ جان لو کہ زینب کا نقشہ بدل گیا
تم اس طرف گئے کہ ادھر دم نکل گیا

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباس نیک نام　　دیکھا کروں یہ ظلم کروں میں نہ کوئی کلام
دکھلائے وہ گھڑی نہ خدا مجھ کو اے امام　　اذن وغا غلام کو دیں شاہ خاص و عام
اب بھی نہ خانہ زاد اگر سر کٹائے گا
تا وفا کا نام مری ڈوب جائے گا

۱۳۴۱ھ

سید ھادی وحید

سلام

سلامی خلق ہوئے بوتراب کعبہ میں
بتوں کی ہو گئی مٹی خراب کعبہ میں

رخِ حسین عجب شان سے ہے زلفوں میں
کھلی ہوئی ہے خدا کی کتاب کعبہ میں

حرم کا خیمۂ عصمت کہاں کہاں اعدار
شراب خوار ہو گئے بے حجاب کعبہ میں

برہنہ سر ہوئے بلوے میں وہ حرم افسوس
گئے نہ تھے جو کبھی بے نقاب کعبہ میں

نہیں ہے گیسوئے شب گوں ہیں چہرۂ اکبر
عیاں ہوا ہے مجسم ثواب کعبہ میں

تپاں رہا دل سرور عطش سے سینے میں
ستمگروں نے کیا قحط آب کعبہ میں

سنا جو تشنگیٔ شہ کا حال زمزم نے
ہوا ہے شرم سے کیا آب آب کعبہ میں

نماز کے لئے اس کے نہ کیوں ہو رجعت قہر
وحید خلق جو ہو آفتاب کعبہ میں

تعشق

مرثیہ

جانبِ دشت کربلا دیکھو شانِ ہم شکل مصطفےٰ دیکھو
کثرتِ لشکرِ جفا دیکھو چاند دیکھو سیہ گھٹا دیکھو
واہ کیا شانِ حق تعالیٰ ہے
وہ اندھیرا ہے یہ اجالا ہے

چمن اُجڑا کہاں گلوں کی باس مٹ گیا سب ریاض دل سے گھاس
فقط اکبر کے دم سے ہے کچھ آس بس خزاں ہیں یہ ایک پھول ہے پاس
دھوپ سے لُو غضب کی چلتی ہے
دوپہر کوئی دم میں ڈھلتی ہے

کہہ رہی تھی یہ قسمتِ زینب دم میں لٹتی ہے دولتِ زینب
دیکھی اکبر نے صورتِ زینب آئے نزدیک حضرتِ زینب
منھ سے بولے نہ خوش سیر اکبر
گر پڑے جا کے پاؤں پر اکبر

کچھ بتاؤ جواب دو اکبر غم نہ کھاؤ جواب دو اکبر
سر اُٹھاؤ جواب دو اکبر بیٹھ جاؤ جواب دو اکبر
باپ کا منھ نہ اے قمر دیکھو
پوچھتی کیا ہوں میں ادھر دیکھو

نظر آئیں جو مضطرب مادر روئے منھ پھیر کر علی اکبر
پاس آئیں مشوّش و مضطر کی عجب حسرت و قلق سے نظر

گود بھر کر بلائیں لیتی تھیں
سینے سے سر لگائیں لیتی تھیں

چُپ ہیں بابا عجب مصیبت ہے   مر چکے سب کے سب قیامت ہے
باقی اک آپ ہی کی دولت ہے   میں ہوں زندہ مقام حیرت ہے
کیا نثارِ شہِ وحید نہ ہوں
قید ہو جاؤں اور شہید نہ ہوں

لیجئے اب مجھے اجازت ہو   جلد کہہ دیجئے کہ رخصت ہو
جا مبارک تجھے شہادت ہو   قافلے سے ملوں تو راحت ہو
گھر ہے باغِ جناں شہیدوں کا
چل بسا کارواں شہیدوں کا

اپنی شفقت کا واسطہ امّاں   میری منّت کا واسطہ امّاں
غم و حسرت کا واسطہ امّاں   شہ کی غربت کا واسطہ امّاں
سوگواروں یاس کا صدقہ
علی اصغر کی پیاس کا صدقہ

صبرِ شاہنشہِ زمن کی قسم   ضعفِ سجادِ خستہ تن کی قسم
دستِ عباسِ صف شکن کی قسم   لاشۂ دلبرِ حسن کی قسم
واسطہ اشک و آہِ زہرا کا
صدقہ دردِ فراقِ صغرا کا

تھیں قلق سے عرق میں تر زینب   ہوئیں یکبار نوحہ گر زینب
اُٹھے اکبر اِدھر اُدھر زینب   روئیں منھ رکھ کے دوش پر زینب
بس پھوپھی یہ کلام کر کے چلے
علی اکبر سلام کر کے چلے

تم نے قطرہ نہیں پیا پانی   ہم نے صرف اس طرح کیا پانی
کہہ کے یہ کچھ تو پی لیا پانی   خاک پر کچھ بہا دیا پانی

گودیوں سے نکل گئے بچے
کہ کے پانی مچل گئے بچے
رہ گئے شکلِ مہر تھرا کے		روتے چھوٹی بہن کو سمجھا کے
دے دیا شہ کی گود میں جا کے		دی صدا شاہِ دیں نے چلا کے
راہ مولا میں سر کٹاتے ہیں
تم چلو آگے ہم بھی آتے ہیں
اُٹھ کے گرتے ہوئے چلے وہ ضعیف		بولے اکبر یہ مر کے سوئے نحیف
ہائے لائے ہیں کس طرح تشریف		بھائی صاحب نے کی بڑی تکلیف
دونوں بھائی جُدا نہ ہوتے تھے
یہ بھی روتے تھے وہ بھی روتے تھے
ہے یہ مجلس کہ رن یہ پیشِ نظر		محوِ تکبیر ہیں علی اکبر
سامنے اُڑ رہے ہیں سر بکھر		لستی ہے سبھوں کی ریتی پر
سخت حیوانوں کی جانیں جاتی ہیں
ہچکیوں کی صدائیں آتی ہیں
لشکر اس سمت سے سمٹ کے بڑھے		یوں پروں سے پرے لپٹ کے بڑھے
ڈر سے گویا شریر گھٹ کے بڑھے		یہ اِدھر آستیں الٹ کے بڑھے
کی نگہ رخش نے ہزاروں پر
تھا عقاب اڑ چلا شکاروں پر
صورتِ ابر اِدھر اُدھر آیا		چڑھ گیا اوج پر اُتر آیا
مع راکب چھپا نظر آیا		دم کے دم میں زمین پر آیا
منکروں کو بڑے ملال دیئے
شبہے معراج کے نکال دیئے
گرد اڑی غُل ہُوا خدا کی پناہ		آسماں چھپ گیا خدا کی پناہ
تھا پرے پر پرا خُدا کی پناہ		تھی گھٹا ہر گھٹا خدا کی پناہ

کون سے بندوبست ادھر نہ ہوتے
اکبرِ صف شکن خبر نہ ہوتے

گر پڑی برق چل گئی جو پلک خون میں گھوڑے غرق گردن تک
غیرتِ آفتاب رُخ کی چمک رن میں بارش سروں کی زیرِ فلک
سرد لاشوں سے بند رستا ہے
دھوپ نکلی ہے مینھ برستا ہے

شاہزادہ کی شان شاہانہ ان کو سمجھے ہوئے جبلو خانہ
حسن شمع جبیں کا دیوانہ رحم کی خو ستم سے بیگانہ
جس نے ڈر سے خدا کا نام لیا
علی اکبر نے ہاتھ تھام لیا

آئیں وہ سب کے سب جو آتے ہیں کہیں یہ شیر خوف کھاتے ہیں
گیسوؤں کو کھڑے بناتے ہیں تولے تلوار مسکراتے ہیں
نہیں پروا جو شور ہوتا ہے
علی اکبر علی کا پوتا ہے

وحید

مرثیہ

اے قلم دامنِ کاغذ پہ گہر ریز ہو پھر — اے سخن منتظمِ نظمِ دل آویز ہو پھر
اے خرد غیرتِ شبریزِ سُبک خیز ہو پھر — اے زباں صورتِ شمشیرِ علی تیز ہو پھر
ڈھنگ ضربِ اسدِ حق کا نظر آجاتے
معرکہ خیبر و خندق کا نظر آجاتے

کر کے تسلیم دلاور ہوا گھوڑے پہ سوار — بازوئے سبطِ پیمبر ہوا گھوڑے پہ سوار
رن پہ چڑھتے کو غضنفر ہوا گھوڑے پہ سوار — کہتے ہی اللہ اکبر ہوا گھوڑے پہ سوار
عزم کچھ اور تو چتون کا بھی ڈھنگ اور ہوا
ولولہ میں رُخِ پرنور کا رنگ اور ہوا

یہ خبر سنتے ہی گھبرا گئے لشکر کے جواں — انگلیاں اٹھنے لگیں سب ہوئے باہم نگراں
کوئی کہتا تھا وہ ہے گرد عیاں — کوئی کہتا تھا کہ دیکھو نظر آتا ہے نشاں
وہ پھریرا ہے بلندی پہ جو لہراتا ہے
پنجہ بجلی سا وہ ہر بار چمک جاتا ہے

ذکر یہ تھا کہ پھٹا گرد کا بادل ناگاہ — رخِ تاباں نظر آنے لگا باصولت وجاہ
ضو سے پیدا تھا کہ بدلی سے نکل آیا وہ ماہ — دبدبہ دیکھ کے تھرا گئے سرہنگ وسپاہ
غل تھا ہر سو کہ بڑا صاحبِ شمشیر آیا
بڑھ کے ہیبت نے صدا دی کہ اٹھو شیر آیا

ہمہمہ یہ تھا کہ جرار کدھر ہیں نکلیں — دشمنِ سیدِ ابرار کدھر ہیں نکلیں
جنگ کے تھے جو طلبگار کدھر ہیں نکلیں — کئی ملکوں کے نمودار کدھر ہیں نکلیں

ہیں کہاں جو سخن بے ادبی کرتے تھے
کیوں چھپے ہیں جو مبارز طلبی کرتے تھے

سامنے فوج کی بدلی جو دھواں دھار آئی   صورتِ برقِ فلک کوند کے تلوار آئی
مثلِ طوفاں جو ہوا زور سے یکبار آئی   برساختگی میں لہو نہر میں بوچھار آئی
ڈر گئے دیکھ کے سب روم آبی پانی
نظر آنے لگا تا دور گلابی پانی

بڑھ کے پسپا کیا جرار نے جراروں کو   مضطرب کر دیا رہوار نے رہواروں کو
سرنگوں کر دیا تلوار نے تلواروں کو   خوں اگلوا دیا خونخوار نے خونخواروں کو
جاں بلب اس کے ستم دیکھ کے ہر اسلم تھا
م ہزاروں کا کئے بند عقب کا دم تھا

جا سکے عکس نہ اس آئینہ تن سے آگے   ہو یہ ہمراہِ صبا بوئے چمن سے آگے
چوکڑی بھر کے نکل جائے ہرن سے آگے   تیر جب ساتھ چلے ہو یہی سن سے آگے
نارسائی کا الم وہم رسا بھی سہ جائے
اس سے بھی آگے ہو گر وہم تو پیچھے رہ جائے

لال تھا چہرہ ناری بہ غضب صورتِ ناز   تھا تنور اس کا شکم ہاتھ ہر اک شاخِ خیار
منھ سے ہر بار تکلم میں نکلتا تھا بخار   سر بسر آگ کا پتلا تھا شریر و مکار
تند خو لشکر اظلم سے کپک کر آیا
شعلہ آتش کا جہنم سے لپک کر آیا

رن میں آتے ہی کہا تن کے بہ نخوت یہ کلام   مجھ سا شہ زور نریماں تھا نہ بہرام نہ سام
دم فنا ہوتے ہیں جب کھنچتی ہے مری صمصام   پاؤں فوجوں کے ٹھہرتے نہیں سنکر مرا نام
جراتیں گرم مزاجوں کی رہیں سرد اب تک
مجھ سے سر مکھ نہ لڑا کوئی جواں مرد اب تک

سامنے ہم سے جری کے یہ تعلی یہ غرور   یہ فسوں سازیاں یہ مکر یہ حیلے یہ زور
تجھ سا شعلہ جو بتلائے ہے مزاج محرور   اب ہوئی جاتی ہے دم میں وحرارت کا فور

جوشش جرات کا جو ہو پھر کہیں رکتا ہوں میں
تو اگر آگ کا پتلا ہے تو دریا ہوں میں

اپنے غصے میں نہ ان باتوں کو سمجھا وہ بل   صورتِ مار سیہ غیض میں کھانے لگا بل
تان کر نیزۂ سر تیز بڑھا بہرِ جدل   تن کے چلایا کہ اے بازوئے شبیر سنبھل
دشمنِ سخت کو جرأت مری نرماتی ہے
میرے نیزہ کی انی کوہ کو برماتی ہے

بولے عباس کہ سنبھلے ہوئے ہیں ہم کرار   دشمنوں سے کبھی غافل نہیں ہوتے جرار
دیکھ رکھیں یہ وغا فوج میں جو ہیں سردار   لیں گے ہم ہاتھ میں نیزہ نہ سپر نہ تلوار
چھین لیں گے یہی نیزہ ترا کچھ دیر نہیں
کسی حربہ کا جو محتاج ہو وہ شیر نہیں

دور پھر اس نے کیا سینہ پہ چمکا کے سمند   ہمکایا شاید کہ ڈرانے کو علی کا فرزند
جھجکا نامرد جگر ہل گیا کانپے سب بند   ہاتھ بہکا تو سناں ہو گئی تھرا کے بلند
وقت وہ ٹل گیا جس وقت کی تدبیریں تھے
رخش کو ریڑھ جودی پہلوتے بے پیریں تھے

تیغ لی میان سے خودسر نے بصد غیض و غضب   ہنس کے فرمایا کہ ہاں لطف لڑائی کا ہو اب
کھینچی شمشیر دو دم جب صفتِ میرِ عرب   وار چلنے لگے سن سن کے متوجہ ہوئے سب
دھوپ میں کوندے کے جس وقت چمک جاتی تھی
آنکھ سب دیکھنے والوں کی جھپک جاتی تھی

دیکھ کر پانی کو یاد آ گئی بچوں کی جو پیاس   آب دیدہ ہوئے صدمہ سے جناب عباس
اس عطش تھا نہ بس تشنگی شاہ کا پاس   مشک لی کاندھے پہ منھ
تسمہ غازی نے بصد رنج دہن کھول دیا
مشک نے دیکھ کے پانی کو دہن کھول دیا

جتنے عرصہ میں بہشتی نے بھری مشک ادھر   اتنی مہلت میں قریب آ گئے پھر بانیٔ شر
شور برپا تھا کہ اب جانے نہ پائے صفدر   گھر گئے حضرت عباس علی دریا پر

دم میں تلوار پہ تلوار نظر آنے لگی
گھاٹ پر آہنی دیوار نظر آنے لگی

گھاٹ تک نہر سے آیا جو لپک کر جرار — دیر تک خون کے پیاسوں سے چلی پھر تلوار
ہر طرف نعرۂ شیرانہ تھے ہمت سے وار — پر نہ کم ہوتی تھی اُمڈی تھی یہ فوج قہار
بھیڑ اک آن میں اس سے بھی سوا آہ بڑھی
تیغ بازوئے علم دار پہ ناگاہ پڑی

گر پڑا دست یمیں ہو کے جو شانہ سے قلم — جھک کے دیکھا اسے اور منھ سے کہا ہائے ستم
کیا قیامت ہے کہ اب شیر ہوئے یہ اظلم — کٹ گیا ہاتھ وہی جس سے وغا کرتے تھے ہم
پاؤں پکڑے ہے اجل خیمہ میں جائیں کیوں کر
دسترس کچھ نہیں اب مشک بچائیں کیوں کر

آ گیا پشت کی جانب جو کوئی دشمنِ جاں — پڑ گئی دوسرے شانہ پہ بھی تیغ براں
مضطرب ہو گئے صدمہ سے علم دارِ جواں — غم ہوا یہ کہ کہیں گر نہ پڑے مشک ونشاں
چوب گردن سے عدم کے سفری نے تھامی
مشک بیتابی میں دانتوں سے جری نے تھامی

کر گیا بڑھ کے جو اک وار ستم کا بانی — سر بھی مانندِ علی کھل گیا تا پیشانی
زیں پہ ٹھہرا نہ تھا ضرغامِ خدا کا جانی — جو پڑا مشک پہ بھی تیر بہا سب پانی
آس پیاسوں کی جو ٹوٹی تو بصد یاس گرے
پڑ گیا شور کہ لو گھوڑے سے عباس گرے

خورشید حسن دولہا عروج

سلام

مدحِ اہلِ بیت کی فردوس میں گھر لے لیا ۔۔۔ اور اب کیا لیں گے جنت لے لی کوثر لے لیا
رو کے آنکھوں نے دمِ آخر برابر لے لیا ۔۔۔ ایک نے تسنیم لے لی اک نے کوثر لے لیا
دے دی ساقی کو ہم نے جامِ کوثر لے لیا ۔۔۔ ایک ساغر دے دیا اور ایک ساغر لے لیا
تشنہ لب ہیں پاس کوثر اور ساقی بھی سخی ۔۔۔ ایک ساغر پی چکے اور ایک ساغر لے لیا
اللہ اللہ یہ غلامی علی کا ہے شرف ۔۔۔ مشکلیں حل ہو گئیں جب نامِ قنبر لے لیا
جب چلے مرنے کو ہم شکلِ نبی بولے حسین ۔۔۔ اذن ماں سے جنگ کا اے لال کیونکر لے لیا
جب خبر رضواں نے کی جنت میں آئے ہیں حسین ۔۔۔ ہاتھ میں زہرہ نے بھر کر جامِ کوثر لے لیا
تیغ کیں رکھنے لگا جب شمر حلقِ شاہ پر ۔۔۔ کہہ کہ بسم اللہ ماں نے گود میں سر لے لیا

شرمسار ایسا ہوئے اپنے گناہوں سے عروج
منہ پہ اپنے گوشۂ دامانِ محشر لے لیا

خورشید حسن دولھا عروج

مرثیہ

ہے نشاں دین کا دنیا میں ثنائے عباس　　شہرۂ خلق ہے مذکور وثنائے عباس
غازۂ چہرۂ ایماں ہے ولائے عباس　　کون ہے مثل یداللہ سوائے عباس
زور شمشیر خداداد سے کیا کیا چھینا
باپ نے میرا علم بیٹے نے دریا چھینا

شکل وصورت میں دیا حق نے جمال حیدر　　غیض میں آگیا اظہار جلال حیدر
پایا اعجاز وشجاعت میں کمال حیدر　　طاعت شاہ شہیداں میں مثال حیدر
جیسے احمد پہ فدا حیدر ذی شان رہے
یہ بھی شبیر پہ تا زندگی قربان رہے

برتر از خلق حسب اور نسب رکھا ہے　　کم ہے یہ فخر، پدر شاہ عرب ان کا ہے
بنی ہاشم کا قمر سب میں لقب ان کا ہے　　آج جو کچھ ہے خدائی میں وہ سب ان کا ہے
بھائیوں سے بھی سوا اوج ملا ہے ان کو
فاطمہ زہرا نے فرزند کہا ہے ان کو

آج اللہ نے ان کو بھی کیا ہے اس قابل　　کہ نہیں مثل پدر ناصر شاہ عادل
جب ہوئے یہ عمل شیر خدا کے عامل　　نام بھی ساتھ نشاں کے ہوا ان کو حاصل
خلد میں دو کے یہ جعفر طیار ہوئے
آج شبیر کے لشکر کے علمدار ہوئے

بیٹھے ہیں خاک پہ حضرت در خیمہ کے قریں　　اپنی مظلومی پہ روتے ہیں شہ عرش نشیں
اک برادر ہے تو اک پسر ماہ جبیں　　اور غمخوار بس ان دو کے سوا کوئی نہیں
ایک وہ جس سے ابھی آنکھوں میں بینائی ہے
ایک سے سیدھی کمر، دل میں توانائی ہے

دیکھ کر دونوں کو استادہ بچشم خونبار — پوچھا کیا بات ہے مجھ سے تو کرو کچھ اظہار
عرض کی اکبرؑ و مہرذ نے یہ خادم ہوشیار — ہو چکے صدقے شہیدین پہ عزیز و انصار
اہل کیں اب تو بہت بے ادبی کرتے ہیں
پا کے پے کس وہ مبارز طلبی کرتے ہیں

بڑھ کے عباس نے کی عرض کہ یا شاہ امام — قابل عز قبول ان کا نہیں ہے یہ کلام
جنگ کو جائیں یہ میداں میں نہیں ان کا کام — شاہزادے ہیں یہ حضرت کے، میں حضرت کا غلام
قابل عذر ہے خدمت یہ تمنا ہی میری
کام کس روز آئے گی غلامی میری

سن کے دونوں کے سخن بولے شہ عرش سریر — ہاں جو کچھ کہتے ہو تم سچ ہے تمہاری تقریر
پر سمجھ میں نہیں آتا کہ کرے کیا شبیر — حیدر کا ہم شکل ہے اک ایک پدر کی تصویر
کس کو اس رنج میں ہم دل سے بھلادیں پہلے
سوچتے ہیں کسے میداں کی رضا دیں پہلے

یہ تو ظاہر ہے کہ تم دونوں کا سہنا ہے الم — کس طرح دل پہ سہیں داغ تمہارے باہم
کس کو روکیں کسے جانے دیں یہ ہے امر اہم — اس سے بہتر ہے کہ خود ان کی طرف جائیں ہم
صبر فرمائے عطا خالق یکتا تم کو
گھر کو سونپا تمہیں اللہ کو سونپا تم کو

سن کے یہ ہو گئے بیتاب وہ دونوں جرار — کر کے رخ سوئے نجف بولے یہ عباس اکبار
یا شہ عقدہ کشا سنیئے پسر کی گفتار — فدیۂ راہ خدا بننے کو خود ہیں تیار
ان کے جانے کی بڑی شاہ کو کد ہے بابا
آیئے جلد کہ اب وقت مدد ہے بابا

ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا مرا یہ کر کے کلام — تم سمجھنا اسے بھائی کے عوض اپنا غلام
آئے گا وقت مصیبت یہ بہت آپ کے کام — اس وصیت کا مگر آج ہوا یہ انجام
یاس تقدیر سے امید کی جا ملتی ہے
موت آتی ہے نہ مرنے کی رضا ملتی ہے

۱۳۵۲م

جاوید

مرثیہ

ہاں ساقیا خدا کے لئے اب شتاب دے	منہ چاند سا دکھا قدحِ آفتاب دے
یہ کس نے کہہ دیا ہے کہ خالی جواب دے	جس میں ہو بوئے خونِ جگر وہ شراب دے
ان کی تڑپ رگے یہی امر حال ہے
بجلی بنی ہوئی ہیں رگوں کا یہ حال ہے

برسوں کے بعد قلب کی حسرت نکال دوں	پردے میں جو چھپی ہے اسے دیکھ بھال دوں
شیشوں کی گردنوں میں ذرا ہاتھ ڈال دوں	دل تو سنبھل ہی جائیگا ساغر سنبھال لوں
عازم فرات کا ہے خلف بوتراب کا
تو بھی بہا زمین پہ دریا شراب کا

حاصل ہوا جو اذن شہِ آسماں حشم	آئے حضور گھر میں کہ مشتاق تھے حرم
روئی سکینہ دیکھ کے دل پر ہوا جو غم	سمجھی کہ میری عمر کی مدت بھی اب ہے کم
فرمایا اس الم میں بھی شکر خدا کرو
جاتے ہیں ہم فرات پہ تم بھی دعا کرو

وہ آب دار آگ لگاتی ہے ہر طرف	دریا لہو کے ان میں بہاتی ہے ہر طرف
سفاک ہے لہو میں نہاتی ہے ہر طرف	مل کر گلے صفوں کو سلاتی ہے ہر طرف
لوٹے متاعِ جاں کو عجب رہزنی کے ساتھ
ملتی ہے وہ گلے سے مگر دشمنی کے ساتھ

آئی جدھر صفوں کو برابر گرا گئی	ہر بزدلی کے ہاتھ سے خنجر گرا گئی
ریتی پہ روسیاہوں کے بکتر گرا گئی	جب سر اٹھا کے رن میں چلی سر گرا گئی
فوجوں میں حشر کر دیا برپا جہاں چلی
برسی کبھی یہاں کبھی اٹھ کر وہاں چلی

تلواریں راس و چپ سے لگاتے تھے بدشعار — مشکیزہ کو بچاتے تھے عباس نامدار
سب برچھیوں سے سینۂ اطہر ہوا فگار — چلتے تھے وار ایک کلیجہ پہ دس ہزار
اپنی تو جان کا نہ ذرا بھی ملال تھا
تھا بھی اگر تو مشک کا دل میں خیال تھا

پھرے جو اک جگہ پہ علمدار نامدار — بازو پہ اک شقی نے ایک غضب کا وار
دیکھا ادھر کہ غم سے جگر ہو گیا فگار — یہ ہاتھ بھی جدا ہوا شانے سے ایک بار
دل سے کہا کہ تو نے کیا بھی، تو کب کیا
جب دونوں ہاتھ کٹ گئے شکر خدا کیا

ہٹتی نہ تھی دلبر کی گو مشک سے نگاہ — مارا کسی نے تاک کے اک تیر آہ آہ
پانی بہا جو مشک کا حالت ہوئی تباہ — گردوں کو دیکھنے لگا عباس عرش جاہ
یہ کوہ غم گرا کہ بصد یاس گر پڑے
آخر زمیں پہ حضرت عباس گر پڑے

دیتے ہیں صدا فوج کو اب حال یہ کیا ہے — سب لوگ کہاں ہیں کوئی صف پر نہ پڑا ہے
افسوس نہ کچھ شرم ہے باقی نہ حیا ہے — میدان سے تم ہٹ گئے مر جانے کی جا ہے
قبضہ سے ترائی گئی ضیغم کو نہ روکا
دریا کو تو روکا تھا مگر ہم کو نہ روکا

یہ کہتے تھے جو سامنے دریا نظر آیا — گھوڑے کو اڑاتا ہوا وہ شیر نر آیا
دل دیکھ کے پانی کی روانی کو بھر آیا — گھوڑے کو اڑاتا ہوا وہ شیر نر آیا
غازی نے جو دیکھا کہ کنارے پہ تری ہے
دھیان آیا کہ لب خشک سب اولاد علی ہے

سنہ ۱۳۴۰ء

محبوب علی خاں آصف

سلام

سوئے مقتل جو شہ تشنہ جگر آتے ہیں
لشکر جن و ملک پیٹتے سر آتے ہیں

شاید اب ماتم سرور کا زمانہ ہے قریب
جگر و دل مرے بے تاب نظر آتے ہیں

ہائے کیا نام ہے شبیر کا اے صلی علی
دردمندوں کے دل اس نام سے بھر آتے ہیں

خون دل نے مرے اشکوں کی بدل دی صورت
پہلے کچھ اور تھے اب اور نظر آتے ہیں

شرکت محفل ماتم کوئی آسان نہیں
لوگ تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر آتے ہیں

دل میں ہو داغ محبت تو ملے دل کی مراد
پھول کے بعد درختوں میں ثمر آتے ہیں

کیا تصور میں ہے قوت کہ جگر بند رسول
بن کے تصویر مرے دل میں اتر آتے ہیں

کیا تماشہ ہے ترستی ہے نظر جن کیلئے
جلوہ افروز وہی دل میں نظر آتے ہیں

سنہ ۱۳۰۰ھ

گردھاری پرشاد باقیؔ

ابیات

شہ کہتے تھے صف شکنی سے میں نہیں ڈرتا بازو میں مرے زور ہے خیبر شکنی کا
زہرا کا کلیجہ ہوں دل شیر خدا ہوں سید ہوں نواسہ ہوں رسول مدنی کا
اشک اپنے کہیں سرخ ہیں یاد شہدا میں پھیکا ہے بہت رنگ عقیق یمنی کا

سلامی کربلا ہے اور میں ہوں
غم کرب و بلا ہے اور میں ہوں
کہا شہ نے نہیں کوئی رفیق اب
فقط ذات خدا ہے اور میں ہوں
دیا ہے اپنا سر میں نے خوشی سے
قضا ہے یا رضا ہے اور میں ہوں
جو کچھ وعدہ کیا پورا کروں گا
یہ خنجر ہے گلا ہے اور میں ہوں

۱۳۱۴ھ

آغا شاعرؔ دہلوی

رُباعیاں

مداحِ شبیر میں یکتا کر دے　　ادنیٰ کے لئے مقام اعلیٰ کر دے
اپنی تجھے رحمت کی قسم ہے خالق　　قطرہ ہوں مگر تو مجھے دریا کر دے

تسکین دلِ بے تاب کو دے لیتا ہوں　　اس لطف کے کچھ آپ مزے لیتا ہوں
گویائی کا دعویٰ نہیں ہرگز شاعرؔ　　ہاں نامِ حسنؓ حسینؓ لے لیتا ہوں

ہاں عرشِ معظم کے ستارے ہیں حسینؓ　　سرکار کا دربار سنوارے ہیں حسینؓ
جو کچھ تھا وہ سب دے دیا معبود کے نام　　اس واسطے اللہ کے پیارے ہیں حسینؓ

سلام

ہے کون چشمِ ناز میں آنسو لئے ہوئے　　ہرنی دواں ہے بچۂ آہو لئے ہوئے
وَالفجر، عکسِ اکبرِ مہ رُو لئے ہوئے　　وَاللیل ہے شباہتِ گیسو لئے ہوئے
غُل تھا، علیؓ کی تیغ بھی میزانِ عدل ہے　　دو کر رہی ہے صاف ترازو لئے ہوئے
حُرؔ کا نصیب دیکھئے، اللہ رے نصیب!　　کیا جُرم ہے نجات کا پہلو لئے ہوئے
عباسؓ جب چلے تو کہا شہ نے اَلغیاث!　　جاتا ہے زور، قوتِ بازو لئے ہوئے

تکتے ہیں آسمان و زمین کو کھڑے حسینؓ!
اک خونِ بے گناہ کا چُلّو لئے ہوئے

مرثیہ

کس کے علم نے اوجِ فلک پست کر دیا   نکہت یہ کس پھریرے کی تھی مست کر دیا
پرچم نے کیا ستم یہ سرِ دست کر دیا   خطِ شعاعِ مہر کو پیوست کر دیا
کب ہمسری کا دم ہے کسی خوشہ چین میں
گڑ جائے فرطِ شرم سے طوبیٰ زمین میں

اللہ رے عز و شانِ نشانِ سپہر اوج   پیدا نہیں ہوا ہے دو عالم میں جس کا زوج
جاتی ہے بامِ عرش تک اس کی صفائے موج   قدسی درود پڑھتے ہیں گِرد اس کے فوج فوج
بالیدگی پہ جوشِ جلالت نثار ہے
پنجے میں زور قوتِ پروردگار ہے

پٹکا سیاہ، سبز پھریرا وہ چترِ زر   پرچم ہے جس کے تابشِ خورشید جلوہ گر
فر فر ہوا کے ساتھ وہ اڑنا اِدھر اُدھر   دریائے سبز ہے کہ بہایا ہے چرخ پر
جبریل ہیں یہ سایۂ رحمت کیے ہوئے
یا خضر ہیں عصائے کلیمی لئے ہوئے

سبزے کی ہے لہک یہ سرِ طُور ضو فگن   یا پرچۂ زمردِ خالص کی ہے پھبن
آبِ حیات چرخ سے ہوتا ہے موج زن   گردوں سے یا لہکنے لگا گلشنِ عدن
پہنچے ہیں یہ سعود و نزول اس یقین تک
کوثر کی لہر آتی ہے گویا زمین تک

آنکھوں میں دیکھتے ہی تراوت سی آگئی   چہروں پہ اس کے روپ سے رنگت سی آگئی
جب سے نظر بندی ہے محبت سی آگئی   ہے صاف صاف یوں کہ طبیعت سی آگئی
یکساں ہے، فرق کچھ نہیں نزدیک و دُور میں
اک حُور ہے کہ جھوم رہی ہے سُرور میں

بُو باس وہ کہ سونگھتے ہی دل پھڑک گیا　　شُقہ کھُلا کہ دامنِ صحرا مہک گیا
سو بجلیاں گریں جہاں پرچم لچک گیا　　ہر ذرہ مثلِ مہرِ منور چمک گیا
عظمت زمیں کی نصب سے اس کے دوچند ہے
تکبیر کی صدا ہے جو اتنی بلند ہے

چمکا جدھر حیات کا نقشہ بگڑ گیا　　کوسوں ریاضِ کفر و ضلالت اُجڑ گیا
ہلنے لگے زمیں کے طبق یہ جو گڑ گیا　　لرزے قصور، پایۂ گیتی اُکھڑ گیا
سجدے کیے بُتوں نے صنم تھرتھرا گئے
ارکانِ کائنات تزلزل میں آ گئے

نصرت اسی کے دامنِ دولت میں ہے نہاں　　جرأت اسی کے سائے میں ہمت سے ہم عناں
حامل اسی کا قوتِ یزداں ہے بےگماں　　جو دل نکالے شیر کا وہ رکھے یہ نشاں
جن کانپتے ہوں جس سے وہ انسان چاہیے
لشکر سنبھالنے کے لئے جان چاہیے

شانِ نزولِ رحمتِ مولا یہی تو ہے　　اجلالِ کبریا کا نمونہ یہی تو ہے
اسلام کی جبیں کا ستارا یہی تو ہے　　ملت کی روح دین کا پردہ یہی تو ہے
فوجِ خدا کا تاج ہے عالی مقام ہے
لو کھُل گیا کہ رایتِ خیر الانام ہے

پہلے اٹھایا حضرت جعفر نے یہ نشاں　　جب جا کے اُلٹی کلمۂ توحید پہ زباں
بعد اُن کے آیا حمزۂ ہاشم سا پہلواں　　جس نے دو دستہ شرک کی چھانٹی ہیں بدلیاں
ضربِ علی میں ذکر نہیں اشتباہ کا
سکہ بٹھایا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ کا!

پھر اس علم کو حضرتِ عباسؓ نے لیا　　دسویں کی صبح تھی جو یہ عہدہ عطا ہوا
ملتے ہی اس کے تن گیا بازو حسینؑ کا　　گو لب تھے خشک، پھر بھی تبسم جھلک پڑا
واں اہلِ مکر دیکھ کے دل چھوٹنے لگے
یاں اس خوشی میں بندِ قبا ٹوٹنے لگے

حاجب نے در سے پردہ اٹھایا بصد شکوہ !   نکلے علم لئے ہوئے عباس حق پژوہ
سمٹے وہیں مہاجر و انصار کے گروہ   وہ گرد میں جھکیں کہ لرزتے تھے جن سے کوہ
دل باغ باغ ، نشۂ جرأت چڑھے ہوئے
قبضے تھے بہر نذر برابر بڑھے ہوئے

لیتا ہوا سلام وہ گردوں حشم بڑھا   ایک اک قدم ثباتِ قدم پر قدم بڑھا
رخ کی کشش سے کھنچ کے ہراک بیش کم بڑھا   پیاسوں کو اپنے سائے میں لینے علم بڑھا
جان آگئی ، ترائی کی حسرت نکل گئی
دم بھر سروں پہ ابر رہا دھوپ ڈھل گئی

احباب دینی چاہتے تھے تہنیت مگر   موقع نہ تھا کہ سب کی تھی انجام پر نظر
پھر بھی یہ کہہ اٹھے کئی خدام خوش سیر   سردار ! یہ علم رہے تا حشر دوش پر
قاسمؑ پھریرا سونگھتے ہی جھومنے لگے
اکبرؑ چچا کے بازوؤں کو چومنے لگے

پیاروں کو پیار کر کے یہ ساونت کہا   آقا کے جاں نثارو! مسرت سے اس میں کیا
اک عارضی خوشی ہے نہیں تہنیت کی جا   اپنا امام شام کی فوجوں میں ہے گھرا
بچوں کی اس کے پیاس بجھائیں تو بات ہے
جانیں لڑا کے اس کو بچائیں تو بات ہے

یہ کہہ کے نصب کر دیا رایت زمین پہ   فرمایا، عرضِ حال سنیں سب وفا سیر
ہم سے وطن ہے دور، اجل ہے قریب تر   بچوں سمیت قید ہے سلطانِ بحر و بر
اس سے وفا کریں تو وفادار جاننا
سر اس کے کام آئے تو سردار جاننا

جائیں کہاں کہ جانے کی ممکن نہیں ہے راہ   یہ تم، وہ نہر اور وہ پیاسوں کی قتل گاہ
رکھتا ہے اب تمہی پہ نظر شاہِ کم سپاہ   کچھ دوست کچھ عزیز ہیں نورِ دل و نگاہ
دنیا میں اب حبیب سے بس لوگ کم رہے
بوڑھوں میں ایک وہ ہیں، جوانوں میں ہم رہے

پیارو! یہ جنگ معرکۂ امتحان ہے — قلت کا پر یہاں کسے وہم و گمان ہے؟
لاکھوں پہ بھاری ایک قریشی جوان ہے — سر باز ہے جری ہے تہور نشان ہے
جو کام ہے وہ کوہ کی ضربت سنبھال لے
بچہ ہمارا، شیر کی آنکھیں نکال لے

کس معرکہ میں اپنے بزرگوں کا تھا ثبات — کیسے رفیق تھے وہ محبانِ خوش صفات
کیا کیا تھے دست و بازوئے حلالِ مشکلات — تلوار پہلے کھینچتے تھے اور پیچھے بات
مشکل جب آ پڑی ہے سپاہی کے سامنے
سر رکھ دیئے ہیں شیرِ الٰہی کے سامنے

ہم بھی وہی، وہی اُنہی شیروں کے ہیں خلف — یہ ہاتھ وہی ہاتھ ہیں دیکھو مری طرف
یہ جسم وہی جسم ہے سر باز و سر بکف — یہ خون وہی خون ہے خونِ شہِ نجف
پانی سی چیز کوئی نہ دے میرے بھائی کو
ہاں تو سہی جو روند نہ ڈالوں ترائی کو

ہاں شیرو ہاں! اُکھاڑ لو نیزے زمین سے — مُرفق دکھائی دینے لگے آستین سے
لنگر وہ استوار کہ کرسی نشین سے — ٹل جائیں کوہ، غم نہ ہلو قاشِ زین سے
دریا ہٹے، زمین ہٹے، آسمان ہٹے
لیکن نہ رن سے کوئی حسینی جواں ہٹے

یہ بھی خبر ہے؟ کن سے ہے ہنگامۂ نبرد — جہلِ قدیم کا جو نمونا ہیں فرد فرد
یہ وہ ہیں، جن کے دل میں کسی کا نہیں ہے درد — نامرد ہیں جو رن کے یہاں آگئے ہیں مرد
خونِ نجس کی چھینٹ نہ ہو آستین پر
ان کو تگاوروں سے گرا دو زمین پر!

یہ بھی سنا ہے بعد تمہارے، یہ روسیاہ — لوٹیں گے آ کے آلِ محمدؐ کے خیمہ گاہ
کیوں اے بہادرو! یہ لرزتی ہے کیوں نگاہ — آلِ رسولؐ کی یہی عظمت ہے واہ واہ!
دھبہ لگے، عرب کی حمیت کے نام میں!
سیدانیاں اسیر ہوں بلوائے عام میں

تھرا گئے یہ سنتے ہی شیرانِ روزگار ھَل مِن مُبارِزٍ کی ہوئی ہر طرف پکار
کھنچنے لگی غلاف سے ہر تیغِ شعلہ بار غُل تھا کہ حملہ کیجیے حاضر ہیں جاں نثار
یا اپنی ہست و بود جہاں سے مٹائیں گے
یا آج ابن سعد کا سر لے کے آئیں گے

شیروں کے شیر اور یہ تقریر زوردار ہر لفظ تھا، زباں سے نکل کر جگر فگار،
نزدیک تھا کہ جا ہی پڑیں سب وفا شعار آگے بڑھیں عَلَم لیے عباسؑ ذی وقار،
نیزوں پہ رکھ لیں تا بہ دمشق ہر پلید کو
دو ٹکڑے کر دیں تخت پہ جا کر یزید کو!

ناگاہ، آفتابِ امامت عیاں ہوا خیمے سے جلوہ ریز امامِ زماں ہوا
فرمایا، خیریت! یہ ارادہ کہاں ہوا امت کا قتل سنگِ رہِ امتحاں ہوا
عباسؑ کچھ مشیت داور تو دیکھ لو!
یہ کس کو قتل کرتے ہو؟ محضر تو دیکھ لو!

وعدہ ہے جان دینے کا ہر گل عذار کے ناموس قید ہوں گے غریب الدیار کے
پھل پائیں گے نہ قاسم و اکبر بہار کے اصغر ہیں صیدِ ناوکِ بے اختیار کے
احکامِ کردار کو ٹلنا نہ چاہیے
بے راہ اُس کی راہ میں چلنا نہ چاہیے،

لو آؤ، لائیں حجتِ آخر کو درمیاں مہلت کہاں ہے، وقت نہ جائے یہ رائیگاں
دن ڈھل گیا تو چاند سی پھر صورتیں کہاں؟ ہم ہوں گے اور ذاتِ خداوندِ دو جہاں
شاہد ہے کبریا خلفِ بوتراب کا،
کوئی نہ ہو گا تھامنے والا رکاب کا،

رکھا یہ کہہ کے آئینہ پا رکاب میں ذرے کھنچ آئے سب کششِ آفتاب میں
گرمی سے تھی یہ آتشِ گُل التہاب میں غوطہ لگایا مہرِ مبیں نے گلاب میں
آگے امامِ عصر، عقب میں وفا کی فوج
اس طرح آ کے جم گئی رن میں خدا کی فوج

تمہیدِ حق کے بعد یہ تھا نطقِ حق صفات جیسے پسِ درود ہو غنچے کے منہ سے بات
ہر ہر نفس تھا وہ نفسِ تازہ حیات گیسو کی لپٹیں نکہتِ عارض کے ساتھ ساتھ
شبنم ہوئے پسینے کے قطرے جبین پر
جو گر پڑے وہ پھول کھلے اس زمین پر

فرمایا اے گروہ جوانانِ مصر و شام اے ساکنانِ کوفہ و بطحا مرا سلام
آیا ہے اک مسافرِ کعبہ پئے کلام یہ وہ ہے اس سے پہلے تمہارا بھی تھا امام
سُن لو! جو کچھ بھی خوفِ خدائے قدیر ہے
تقریر اس کی نطقِ بشیر و نذیر ہے

جو کچھ کہے گا، عین رضائے خدا ہے یہ کل کا بھلا ہو جس میں وہی چاہتا ہے یہ
اے قوم تیرا دین تھا کیا، آج کیا ہے یہ؟ بے جرم کس وثوق سے سختی روا ہے یہ
بچوں سمیت گھر سے چھڑایا ہے یا نہیں؟
مہمان تم نے مجھ کو بلایا ہے یا نہیں؟

اسلام کا یہی ہے طریقہ دغا کرے؟ پھر کس سے جو نبی کا نواسہ ہو جنگ کرے
ناحق! یہ میرے قتل پہ باندھے ہیں کیوں پرے؟ کوئی قصور کوئی خطا تو نکالتے؟
مجھ کو ملول کر کے نہ خود بھی ملول ہو،
بیعت وہ ہے جو دل سے بشر کو قبول ہو!

بیعت بھی کس کی غاصب و خائن ہوا پرست دشمن خدا کا دین کی دولت سے تنگ دست
نااہل، بد سرشت، سبک وضع، دون و پست ظالم شریر، نشۂ دولت سے مست مست
زانی، شراب خوار، کمینے کے واسطے
کیسے کا خوں بہاتے ہو کیسے کے واسطے!

اے ابنِ سعد رے کی حکومت ہے چند روز جاہ و جلال و شوکت و حشمت ہے چند روز
یہ فوج، یہ غرور، جمعیت ہے چند روز غافل با ہوش باش کہ مہلت ہے چند روز!
جانا ہے یاں سے روح سبک سیر لے کے جا
او نامراد! خاتمہ بالخیر لے کے جا

معصوم بے زبانوں کی صحبت پہ رحم کھا — فاقوں پہ فاقے پیاس کی شدت پہ رحم کھا
اپنے نبیؐ کی آل کی حالت پہ رحم کھا — ہم پر نہیں تو اپنی مصیبت پہ رحم کھا
کنبہ ہے سب کا سب یہ علی و بتول کا
خشکی میں ڈوبتا ہے سفینہ رسول کا

تم سے کبھی کی کچھ میری تکرار تو نہیں، — میرا تمہارا کوئی سروکار تو نہیں،
میں تم سے سلطنت کا طلب گار تو نہیں — اب بھی میں تم سے جنگ پہ تیار تو نہیں!
مجھ کو شہید کر کے کوئی پھل نہ پاؤ گے
اپنے نبیؐ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤ گے؟

یہ سن کے فرطِ شرم سے رونے لگے لعین — بولا عمر — حواس وہ کھونے لگے لعین،
بحرِ الم میں خود کو ڈبونے لگے لعین — اے شمر! اچھا، کچھ اور نہ ہونے لگے لعین
چمکا — زبانِ تیر سے مجھے اضطراب ہے
اس حجتِ خدا کا کہیں بھی جواب ہے؟

اس حکم پر برسنے لگے ایک بار تیر — میدان میں دکھانے لگے لالہ زار تیر
دو ہونٹ کیا ہلے کہ چلے دس ہزار تیر — تیروں کا مینہ برسنے لگا بے شمار تیر
سینے سپر کیے کئی انصار گر پڑے
بے جنگ ذبح ہو کے وفادار گر پڑے

یہ دیکھتے ہی رشتۂ امید کٹ گئے — لاشیں اٹھا کے سیدِ مظلوم ہٹ گئے
نیزے علم ہوئے، صفِ اطراف بٹ گئے — جانباز جان دینے کو میدان میں ڈٹ گئے
اک مٹھی بھر سپاہ ہزاروں سے بھڑ گئی
پیاسوں پہ اژدہام ہوا جنگ چھڑ گئی

لیکن کہاں قلیل کہاں مجمع کثیر — ستر دو تن تھے اور قیامت کی دار و گیر
لیکن وہ سرفروش تھے جن کا نہ تھا نظیر — حقِ وفا دکھا گئے طفل و جوان و پیر
آخر حسینؓ بے کس و بے آس رہ گئے
دن ڈھلتے ڈھلتے اکبرؓ و عباسؓ رہ گئے

مطلع دوم

ہاں بحرِ طبع جوششِ مضموں نمود کر   مشکل کو ذوالفقارِ علیؑ سے کشود کر
لکھنی ہے حرب و ضرب کلیجے کو دود کر   ہاں اے دماغ روح کو لے کر صعود کر
تاریک دل ہوں عرش سے قندیل مانگ لا
بہرِ قلم ذرا پرِ جبریل مانگ لا !

لکھنی ہے جنگ، جنگ علمدار نامور   قوت دلِ حسین کی حیدر کا شیرِ نر
دامن سے جس کے بستہ ہے صد دامنِ ظفر   جس نے ہوائے تیغ میں کاٹی ہے عمر بھر
چمکے گا خوب رنگِ رُخِ کارزار اب
جاتا ہے ضیغمِ اسدِ کردگار اب !

ہاں اے قلم سلاح سے سج کر اثر دکھا   ہاں اے خیال تیغ بکف ہو جگر دکھا
اے سلکِ نظم وار پڑیں گے ہنر دکھا   وہ آ گئے حضور پئے نذر سر دکھا
کھینچا ہے نقشِ جنگ بہت پاس دیکھیے !
وہ لڑ رہے ہیں حضرت عباسؓ دیکھیے !

ابرِ سیاہ میں جو چمکتا ہے وہ علَم   رہ رہ کے جو صفوں میں لچکتا ہے وہ علَم
فوارے چھٹتے ہیں جو اٹکتا ہے وہ علَم   تھم تھم کے پھر گزوں جو سرکتا ہے وہ علَم
اب کے شعاعِ مہر بھی پرچم کے ساتھ ہے
بجلی بھی اک تڑپتی ہوئی دم کے ساتھ ہے

کیا پاس آ سکے کوئی کس کی مجال ہے   الٹی ہے آستین یہ شوقِ جدال ہے
دستانے سرخ، غیظ سے چہرہ بھی لال ہے   غل ہے علی کے شیر کو ایسا جلال ہے
ٹکڑے کرے گا شام کی ایک ایک سپاہ کو
لاشوں سے پاٹ دے گا ابھی رزم گاہ کو

ہے بازوؤں میں قوت ضرغام کردگار | آنکھوں میں ہے ولائے حسینی کا اک خمار
جوشِ وغا میں پڑتی ہیں نظریں جو بار بار | کرتی ہیں دشمنوں کے لئے کارِ ذوالفقار
جمتے نہیں ہیں پاؤں مقابل میں شیر کے
جرار بھاگنے لگے منہ پھیر پھیر کے

کہنی تک آستین چڑھائے ہوئے ہیں آپ | زانو سے باد پا کو دبائے ہوئے ہیں آپ
سینے سے برچھیوں کو ہٹائے ہوئے ہیں آپ | پروا نہیں ہے غیظ میں آئے ہوئے ہیں آپ
ہے عزم یہ کہ نہر میں بھر دیں سپاہ کو،
دریائے خون کر کے بھریں قتل گاہ کو،

سر پر ہے کیا علم کا پھریرا کھلا ہوا | پنجے میں جس کے مہر کا پرتو گھلا ہوا
سب وزن اپنے ہاتھ میں پورا تلا ہوا | اس شان سے جدھر گئے یہ غلغلہ ہوا
اس تہلکہ سے جان بچانا محال ہے
بھاگو! یہ جنگ معرکۂ انفصال ہے

عباسؑ تو بھرے ہوئے میدان میں آئے ہیں | لاشوں پہ لاش کشتوں کے پشتے لگائے ہیں
مشکیزہ بھی کمر کے برابر سجائے ہیں | شمشیر ذوالفقار سے مس کر کے لائے ہیں
بھولے گا حشر تک نہ کوئی اس لڑائی کو
سن لو گے آج شیر نے روندا ترائی کو

اس رنگ سے چمکتی تھی تیغ شرر فشاں | جس طرح ابرِ تیرہ میں رہ رہ کے بجلیاں
شعلہ تھا ایک جس میں نہ تھا نام کو دھواں | اک برق تھی کہ پھونک دیا تا بہ استخواں
زیرِ نشاں اک آگ تھی جو کھائے جاتی تھی
جس کو ہوا پھریرے کی بھڑکائے جاتی تھی،

ہر چند سینے ٹیک کے لڑتے تھے روسیاہ | لیکن ہلال تیغ علیؓ سے نہ تھی پناہ
دو ٹکڑے کر کے صاف بنا لائی دو گواہ | ہر ضرب پہ یہ کفر پکارا کہ لا الٰہ
اونچی سروں سے پھرتی تھی وہ برق لامع تھی
توحید کے لئے یہی برہان قاطع تھی،

اللہ رے آبیاری شمشیرِ زر کے پھول　　قبضے میں تھے جڑے ہوئے فتح و ظفر کے پھول
جوہر تھے، یا کھلے ہوئے تھے تاجِ سر کے پھول　　یا خضر نے یہ ناؤ اٹھائی تھی بھر کے پھول
غل تھا، عجیب قدرتِ پروردگار ہے
دیکھو فنا کے باغ میں بھی کیا بہار ہے؟

زرہیں کٹیں تو جسم تھے ٹوٹے ہوئے قفس　　کوچے جراحتوں کے جسد پہ تھے پیش و پس
کاری تھا زخم، زخم بہ اندازہ دسترس　　نہریں لہو کی لے کے نکلتا تھا ہر نفس
رنگیں تھا دشت، تیغِ علم تھی بہار میں
اک شور تھا کہ چاند چڑھا لالہ زار میں

ذروں کو سرخ کر کے اڑایا ہے دیکھنا!　　ریگِ رواں پہ رنگ چڑھایا ہے دیکھنا!
ہر گردباد سرو بنایا ہے دیکھنا!　　ظالم نے چار باغ لگایا ہے دیکھنا!
سبزہ خطوں کا جوششِ خوں سے بحال ہے
جو ہاتھ کٹ گیا ہے وہ شاخِ نہال ہے

منہ کالے تیغِ تیز نے پیکاں کھلا دیئے　　نیزوں کے بند بند الگ پھل گرا دیئے
سبزہ اگا، کمند کے لچھے اڑا دیئے　　اے لو سپر کے پھول بھی تو مسکرا دیئے
اس درجہ ضربِ دست کے سکے کھرے ہوئے
دولت سے زخم زخم تھا دامن بھرے ہوئے

عربے تھے شاخسانوں کی صورت چھٹے ہوئے　　تھے برگ و بار جسم کے اعضا کٹے ہوئے
ہر سمت لہلہاتے تھے لاشے پٹے ہوئے　　پختہ ثمر تھے لوٹتے تھے سر پھٹے ہوئے
زخموں سے سرخ پھولوں کا انبار کر دیا
سچ یہ ہے آب تیغ نے گل زار کر دیا

اس طرح محوِ جنگ تھا جرار بے نظیر　　جس کو ذخیرہ کر گئے تھے حضرت امیر
فوجیں تباہ، حال تھیں حالت تھی ناگزیر　　بھاگے فرات چھوڑ کے کوئی جوان و پیر
اب کون روکتا پسرِ بوتراب کو؟
غازی نے مشک بھر کے اڑایا عقاب کو!

اُس وقت ابن سعد ہوا سخت بے قرار — چلایا اے گروہِ شقاوت زبوں شعار
تُف ہے تمہاری کثرت و شوکت پہ لاکھ بار — یہ قاتلِ عرب کا ہے فرزند ہوشیار
پانی یہ لے گیا، تو اجل ہے قریب میں
پھر حشر تک شکست ہے لکھی نصیب میں

دیکھو تو اک اکیلے نے لشکر اُلٹ دیئے — جمہور کو ہٹا کے پرے صاف کر لئے
پیاسا ہے تین روز کا اس پر یہ حوصلے؟ — مٹی کی مورتیں ہیں یہ نامرد تھڑدلے
غیرت سے کام کچھ تو سرِ کارزار لو!
سب مل کے اس پہ ٹوٹ پڑو سر اُتار لو

کہنا تھا یہ کہ شیر شغالوں میں گھر گیا — ساکا کیا لعینوں نے وقفہ نہ مل سکا
شانے تراشے، مشک چھدی سر دوتا ہوا — نکلی رکاب، سرو سہی خاک پر گرا
نعرے خوشی کے موت کا پیغام دے گئے
اکبر چچا کی لاش پہ بابا کو لے گئے

اب کیا بیان کر سکے، ذاکر کی کیا مجال — عباسؓ اور حسینؓ کی الفت کا تھا جو حال
دیتی نہیں جہاں کی تاریخ یہ مثال، — عاشق ہو جیسے فرقتِ معشوق سے نڈھال
بازو کا درد، دردِ کمر نے بڑھا دیا
مولا نے خود کو لاش پہ جا کر گرا دیا

نعرہ تھا یہ کہ رہ گئے تنہا جہاں میں ہم — اے بھائی تیری موت سے آیا کمر میں خم
اے میرے غمگسار گرا مجھ پہ کوہِ غم — اے میرے شیر زیست کا وقفہ ہے کوئی دم
آقا ہی کہتے کہتے گئے اس جہان سے
حسرت ہے مجھ کو بھائی تو کہہ لو زبان سے

قلب و جگر کی تاب و تواں میں ترے نثار! — پیری میں تجھ سے دل تھا جواں میں ترے نثار
نصرت میں جان دی مری جاں میں ترے نثار — اے بھائی تجھ سا بھائی کہاں میں ترے نثار
اب کون ہے جہان میں مجھ خستہ حال کا؟
ہے ہے، چھُٹا رفیق انتیس سال کا

اے مرے شیر تجھ سے لرزتی تھی فوجِ شام　　راتوں کو آتے ڈرتے تھے ظالم سوئے خیام
بچوں کا میرے تو ہی محافظ تھا لاکلام　　آپس میں یوں تسلیاں دیتے تھے لالہ فام
کس کی مجال آنکھ ملائے حسینؓ سے ؟
عباسؓ ہیں طلایہ میں سوجاؤ چین سے

دل خون ہو گیا ہے جگر غم سے پھٹ گیا　　میرے لئے تو دفترِ عالم اُلٹ گیا
ہیہات اب وہ دستِ زبردست کٹ گیا　　جو زور تھا حسینؓ کا وہ زور گھٹ گیا
اے مرے بماں نثار فدائی کہاں ہے تو ؟
بھائی تو مجھ سے چھٹ گیا بھائی کہاں ہے تو؟

اے بھائی تو سپاہ کا میری امیر تھا　　اے بھائی تو نشانِ شہ قلعگیر تھا
تیرا فراق میرے لئے ناگزیر تھا　　یہ طورِ جنگ آج جہاں میں اخیر تھا
بس جنگ ختم ہو گئی وقفہ نہ پائیں گے
اب اس علم کو مہدیٔ ھادی اُٹھائیں گے

ٹکڑے تھی لاش، لاش نہ حضرت اٹھا سکے　　اعضا جُدا جُدا تھے سب اعضا نہ پا سکے
مشکیزے کو علم سے نہ مطلق بڑھا سکے　　اکبرؓ ہی تھے جو باپ کو خیمے میں لا سکے
عالم غشی کا تھا کبھی نوبت جنوں کی ،
بُو آتی تھی پھریرے سے سقّے کے خون کی

غل پڑ گیا حرم میں وہ آیا علم علم　　سیدانیوں میں نالہ و شیون تھا دم بدم
بچے بھی نالہ زن تھے فغاں کرتے تھے بہم　　خیمے میں نصب کر کے پھر آئے شہِ اُمم
ماتم کی صف بندھی تو وہ چکرا کے گر پڑی
بیوہ، علم کے سائے میں غش کھا کے گر پڑی

اتنے میں طرفہ تر ہوا اک حشر آشکار　　بالی سکینہ بھائی کو لائیں بحالِ زار
عباس کا پسر ہوا ماتم میں سوگوار　　چُوما پھریرا، گردِ علم پھر کے بار بار
دونوں نے سر کے بال پریشان کر دیئے
دونوں نے چاک چاک گریبان کر دیئے

بنتِ حسینؑ پھر ہوئیں اس طرح نوحہ گر — بھیا اکیلے تم ہی نہیں غم سے چشم تر
میں بے چچا کی ہو گئی، تم ہو جو بے پدر — بھائی کے ساتھ ساتھ بہن بھی ہے ننگے سر
ہم کیوں نہ ہوتے اشک فشانی کے واسطے
عموؑ کو ہم نے بھیجا تھا پانی کے واسطے

میری ہی پیاس پر ہوئی عموؑ سے کارزار — بھیا بہن یہ تم سے بہت کچھ ہے شرمسار
اس عمر میں یتیم ہوئے تم پہ میں نثار — بھیا تمہیں تو ہو مرے عموؑ کی یادگار
کیسا سروں سے تاجِ کرامت اُتر گیا
ہے ہے ہمارا، چاہنے والا گزر گیا

یاد آتا ہے وہ عموؑ کا کہنا، وہ ان کا پیار — پیاری سکینہ پیاری سکینہ وہ بار بار
ہر چند اور بہنوں کو ہوتا تھا ناگوار — پر وہ مجھی کو رکھتے تھے اپنے گلے کا ہار
میں روٹھتی تو آہ مجھے وہ مناتے تھے
میری ضد ہے تو عموؑ بہشتی اُٹھاتے تھے

محفوظ ان کے رعب سے تھے شب کو سب خیام — پھرتے تھے کیسے شیر سے تولے ہوئے حسام
دہشت سے اُن کی بڑھ نہیں سکتی تھی فوجِ شام — اب دن، سپر تو کٹ گئی، بے بس ہوئے امام
اس بن میں اب جو رات ہوئی ہول کھائیں گے
عباسؑ اب کہاں سے بچانے کو آئیں گے

معصوم نے سنے جو یہ معصوم کے کلام — ننھا سا دل تڑپ گیا، لرزا وہ لالہ فام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے دخترِ امام — بابا کی روح کو یہ اذیت کا ہے مقام
کوئی نہ ہو، یہ ایک وفا کا نگینہ ہے
باقی ــــ ابھی اک اور غلام سکینہ ہے

بابا کی اُلفتوں کو ابھی کم نہ کیجیے — آقا پہ وہ نثار ہوئے، غم نہ کیجیے
اماں کو میرے حال پہ برہم نہ کیجیے — یہ تو خوشی کا وقت ہے، ماتم نہ کیجیے
سب مرحلے تمام ہوئے امتحان کے
محض یہ دستخط تھے مرے بابا جان کے

آئی ہے، خالی مشک، تو پھر کیا نہ روئیے؟ — اے نورِ دیدۂ شہِ والا! نہ روئیے؟
ہاں اوڑھنی تو اوڑھیئے، اتنا نہ روئیے — فدوی چلا یہ اب لبِ دریا نہ روئیے
ہم کامیاب آئیں، یہ فرما تو دیجئے
چھوٹی سی ایک تیغ و سپر لا تو دیجئے

شہ کا غلام زادہ ہوں سب کو سناؤنگا — زخمی جہاں ہیں نہر پہ بابا میں جاؤں گا
اللہ نے جو چاہا ـــــ تو خالی نہ آؤں گا — میں بھیک مانگ کر تمہیں پانی پلاؤنگا
جب تک یہ ہم سے بیکسوں بے آس زندہ ہیں
یہ جان لیں کہ حضرت عباسؓ زندہ ہیں

اک اور ابھی تو فرض ہے اپنا خدا گواہ — لاشہ ہر اک کا لائے شہنشاہِ کم سپاہ
بابا کی ہم نے آخری صورت نہ دیکھی آہ! — اب جی میں ہے کہ دیکھ لیں جا کر بیک نگاہ
لاشہ نہ اُٹھ سکے گا، تو خالی نہ آئیں گے
دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے

کس طرح ہو بیاں، یہ بیاں دردناک ہے — بچوں کے لفظ لفظ سے ذاکر ہلاک ہے
بشکستہ ہے قلم کا جگر چاک چاک ہے — طاقت نہیں بشر کی، بشر مشتِ خاک ہے
شاعر! بس اب خموش کہ تابِ رقم نہیں،
کم ہو جو دل سے حشر تلک، یہ وہ غم نہیں

•

سنہ ۱۳۵۰ ہجری

حسرت موہانی

سلام

امام برحق اہل رضا سلام علیک
شہید معرکۂ کربلا سلام علیک

گل مراد ولایت حسین ابن علی
تتمۂ شرف مصطفٰے سلام علیک

ثبوت یہ ہے کہ نور شہادت کبرٰی
تری جبیں سے نمایاں ہوا سلام علیک

عبث ہے اور کہیں راہ صبر و حق کی تلاش
تری مثال ہے جب رہنما سلام علیک

ترے طفیل میں حسرت بھی ہو شہید وفا
یہی دعا ہے یہی مدعا سلام علیک

۱۳۴۶ھ

عزیز لکھنوی

سلام

شہید اعظم و فخر امم سلام علیک
غریب کشتۂ تیغ ستم سلام علیک

فروغ دودۂ ختمی مآب نوراللہ
خجستہ شاہ جمیل دشیم سلام علیک

رہ خدا میں سر و تن سے کام آیا تو
کریم و رہبر اہل کرم سلام علیک

مسیح دین محمد مجدد اسلام
ضیا فراز شبستان غم سلام علیک

فراز نوک سناں تیرے واسطے معراج
بلند مرتبہ عالی ہمم سلام علیک

شہید آل محمد خلاصۂ ایجاد
نوادۂ نبی محترم سلام علیک

ابوالائمۃ الاطہار سید الشہدار
صحیفۂ شرف مختتم سلام علیک

طواف کرتے ہیں جس کا ملائکہ شب و روز
وہ تیرا کعبۂ نقش قدم سلام علیک

ہر ایک زخم میں فردوس معرفت پنہاں
بہار دین کی سر تا قدم سلام علیک

ہر اک مصیبت عظمےٰ کا خاتمہ تجھ پر
خدائے لذت ذوق ستم سلام علیک

عزیز بھی ہے طلب گار تیری نصرت کا
انیس و مونس ارباب غم سلام علیک

مرثیہ

اصحاب حسین ابن علی جان وفا تھے
ایمان سے کہتا ہوں کہ ایمان وفا تھے

تابندہ رخ ان کے تھے کہ قرآن وفا تھے
دل تھے کہ چراغ تہ دامان وفا تھے

گنجینۂ اسرار تھا سینوں سے نمایاں
باطن کی تجلی تھی جبینوں سے نمایاں

دیکھے نہیں دنیا نے کہیں ایسے وفادار مرنے کے لئے موت سے پہلے ہوئے تیار
پہنے ہوئے زرہوں پہ دلوں کو دم پیکار ساماں مسرت تھے انہیں موت کے آثار
تکلیف میں آفاق سے منہ موڑ رہے تھے
ہنس ہنس کے مگر خاک پہ دم توڑ رہے تھے

وہ خطبۂ سلطان حجازی شب عاشور اصحاب سے کہنا کہ ہوئی جنت رب دور
ہاں ساتھ دو یا چھوڑ دو گر زیست ہے منظور کہنا وہ رفیقوں کا کہ اے سید محصور
مرجائیں مگر رشتۂ بیعت کو نہ توڑیں
کھا جائیں درندے ہمیں گر آپ کو چھوڑیں

جنت کے لئے قلب صفا کیش تھے بیتاب ہیچ ان کی نگاہوں میں رہا عالم اسباب
اخلاق کے دفتر میں وفا ان کی ہے وہ باب تعلیم دیئے جس نے محبت کے سب آداب
ہر سطر ہے رنگین چمن طبع نکو سے
لکھا ہے جلی نام وفا دل کے لہو سے

اے سرورذی مرتبہ کے مرتبہ دانو پوری ہوئی حجت مگر اعجاز بیانو
جو کچھ کہا تم نے یہاں شبیر جوانو انسان سے دشوار تھا اے تشنہ دہانو
جس شان سے میدان میں لی خلد کی جاگیر
تاریخ دکھاتی نہیں ایسی کوئی تصویر

یہ ولولہ یہ جوش یہ ہمت ہو مبارک خونی کفنو تم کو یہ خلعت ہو مبارک
تا شام ابد سایۂ رحمت ہو مبارک بچھڑے ہوئے شبیر تمہیں جنت ہو مبارک
گرداب بلا خیز سے کیونکر ابھر آئے
ڈوبے جو لہو میں لب کوثر ابھر آئے

محدود پیارے تھے سواروں کے مقابل — کمھلائے ہوئے پھول تھے خاروں کے مقابل
یا صبح کے تارے تھے شراروں کے مقابل — گنتی کے مجاہد تھے ہزاروں کے مقابل
یوں ہوتی ہے تعداد بہتر کی بہ مشکل
جب فوج میں گہوارۂ اصغر بھی ہو شامل

وہ رعب جلالت کہ ہر اک دیکھ کے ششدر — شیرانہ نظر ڈالی تو تھر تھر ہوا لشکر
تھے رزم میں اس بات سے بے خوف دلاور — موت ان پہ گرے یا وہ گریں موت پہ جا کر
تیغ اس پہ لگائی تو کبھی اس کی سپر لی
ڈوبے صف اول میں تو آخر کی خبر لی

دکھلائی بیاباں نے بہت شعلہ فشانی — ہمت کو بڑھاتی ہی رہی تشنہ دہانی
جب آئی نظر دور سے موجوں کی روانی — منہ پھیر لیا دیکھ کے بہتا ہوا پانی
دل شاد تھا بخشش کے سہارے پہ کھڑے تھے
سیراب تھے کوثر کے کنارے پہ کھڑے تھے

ثابت کیا اس بات کو تم نے سر میداں — یہ قدرت انسان ہے یہ عظمت انساں
شیرازۂ دل ہو نہ کسی وقت پریشاں — ثابت قدمی چاہیے ہر کام ہے آساں
مر جاتے ہیں ہوتا ہے جنہیں پاس وفا کا
طے ہوتا ہے یوں مرحلہ تسلیم و رضا کا

اسلام جو قانون رسول مدنی ہے — اسلام دلاور جو دم تیغ زنی ہے
اسلام کہ دل اس کا ہمیشہ سے غنی ہے — اسلام کہ کھیل اس کا فقط بت شکنی ہے
گلرنگ ابھی خون سے داماں قبا ہے
یہ شیر کہیں کفر کی ہیبت سے دبا ہے ۱۳۴۰

تراب علی خاں سعید

سلام

روضۂ شہ جلوہ گاہِ نور ایماں ہو گیا ذرہ ذرہ کربلا کا مہر تاباں ہو گیا

اور بھی کچھ اضطرابِ دل کا ساماں ہو گیا میہمان کربلا کا جو میہماں ہو گیا

شہ کا سر نوکِ سناں پر دیکھ کر کہتی تھی خلق حق تو یہ ہے اب عروجِ شانِ قرآں ہو گیا

دے چکے جو نذرِ اصغر کو شہِ کرب و بلا مطمئن ایسے تھے جیسے دردِ درماں ہو گیا

یاد آ گیا جس دم زباں پر یا علی مشکل کشا مرحلہ یا منزلِ آخر کا آساں ہو گیا

یوں گھٹا اس حرم کے دل سے اٹھ کر دھواں اور بھی تاریک وہ تاریکئ زنداں ہو گیا

شہ کے سینہ پر سکینہ مدتوں سوتی رہی ایک دن آیا کہ سب خوابِ پریشاں ہو گیا

سنہ ۱۳۴۰ھ

منقبت

پڑی ہے آ کے گلے ناگہاں بلائے سفر سفر نہیں ہے سقر بھی سفر سے ہے بدتر

زبانِ خامہ ہے اس کے بیان میں عاجز ہے جس کا ذمہ کلفت حساب حد و فر

غرض کہ سخت مصیبت میں ہے وضیع و شریف غنی فقیر سبھی احتیاج سیں مضطر

تمام روز کمر بستہ سب غنی زدنے ہے زیر بار زد آب غریب شام و سحر

اسی تردد و افکار میں لگی تھی نیند — کہ ناگہہ خواب میں دیکھا قریب وقت سحر
کھڑا ہے آکے سرہانے پہ پیر نورانی — لطیف عنصر و خوش منظر و خجستہ سیر
کہاں کی عنایت سے کیا ہے فکر تجھے — ہے تیرے کام کا حامی امام جن و بشر
شہ سریر کرامت امیر کل عالم — ولی حضرت مولیٰ وصیّ پیغمبر
امام جن و ملک تاجدار ملک و ملک — کہا ہے جان محمد جسے شہ سرور
سوائے اس کے کہوں کون شاہ دوراں ہے — خدا نے سیف دی اور دی رسول نے دختر
ہزار مرتبہ بہتر ہے پادشاہوں سے — کمینہ بندۂ درگاہ صاحب کوثر

مراد بندۂ درگاہ زود ہے کہ کرے
ابوتراب کی تربت کی خاک کحل بصر

۱۷- تزرو لکھنوی

مرثیہ

یارب فروغ دے مرے ماہِ کمال کو   جودت عطا ہو طبع کو وسعت خیال کو
تو ہے کریم رد نہ کرے گا سوال کو   چاہے تو دم میں بدر بنا دے ہلال کو
مقبول مثل دعبل و حسان کلام ہو
بخشے جو تو کمال تو روشن بھی نام ہو

وہ دشت کربلا کی فضا اور وہ نور صبح   تسبیح خواں درختوں پہ ہر سو طیور صبح
گل کی شگفتگی سے نمایاں سرور صبح   عالم میں تھا نمونۂ جنت ظہور صبح
بن میں نوید گلشن فردوس لاتے تھے
جھونکے ہوا کے تھے کہ ملک آتے جاتے تھے

شاداب دشت و کوہ ہیں سرسبز ہر چمن   فرحت فزائے روح ہے خوشبوئے یاسمن
نرگس کسی جگہ کہیں نسرین و نسترن   سبزہ ہے دشت دشت تو گل بُٹے چمن چمن
مخمل کی تازگی ہے نمایاں گیاہ سے
نرمی میں خار بھی نہیں کم برگ کاہ سے

صحرائے کربلا میں مگر اڑ رہی ہے گرد   باغ نبی کے سبز شجر ہو رہے ہیں زرد
جوہر عیاں ہے صبر کے چہروں سے فرد فرد   مملو ہے فوج شام سے کل وادی نبرد
ہے صبح نصرت شہ گردوں جناب کی
لڑتی ہے برچھیوں سے کرن آفتاب کی

ہے اک طرف ہجوم سپاہ جفا پسند   اور اک طرف ہیں ناصر سلطان ارجمند
پانی بھی تین روز سے اعدا نے بھی بند   خنجر کھنچے ہوئے کہیں نیزے کہیں بلند
باب نبرد باز امام زمن پہ ہے
یلغار چھ لاکھ فوج کا ستر دو تن پہ ہے

ہتھیار سج کے نکلے ہیں خیمہ سے شاہ دیں   پروانہ وار ساتھ ہیں عباس مہ جبیں
قاسم ہیں اس طرف۔ تو ادھر اکبر حسین   ہیں گرد و پیش جمع رفیقان پاک بیں
خورشید نور حسن کے پرتو سے ماند ہے
جھرمٹ میں سب ستاروں کے زہرہ کا چاند ہے

پا در رکاب ہیں جوش عرش احتشام   کمریں کسے ہوئے ہیں جوانانِ تشنہ کام
چرچے یہ ہیں کہ پہونچیں گے کوثر پہ قبل شام   اب کوچ اگر ہوا تو ہے پھر خلد میں مقام
کیا ڈر ہے پیروی جو امام زماں کی ہے
اس دشت سے ملی ہوئی سرحد جناں کی ہے

لو وہ علم بڑھا وہ چلے شاہ سرفراز   کرنے لگی زمین بیاباں فلک پہ ناز
تھی فوج پائے بند طریق شہ حجاز   شقہ کھلا کہ دامن رحمت ہوا دراز
مشتاق خود جناں تھی ہر اک خود سرشت کی
نکلی ہوا پھریرے سے باغ بہشت کی

پرتو فگن جو سر پہ محمد کا تھا نشاں   جاتے تھے جھومتے ہوئے سب حیدری جواں
رخ جانب سپاہ نظر جانب جناں   لشکر کی سرکشی سے پئے جنگ دل تپاں
از بسکہ سب اطاعت شاہ عرب میں تھے
یہ ولولے بڑھے ہوئے حد ادب میں تھے

جو جو قدم بڑھاتے تھے آگے وہ ذی حشم   کہتا تھا عزم جلد ہے طے منزل عدم
اٹھتا تھا بسکہ راہ رضا میں ہر اک قدم   نزدیک آتا جاتا تھا خود گلشن ارم
بولے ملک تقرب حق آج ہو گیا
لو روز امتحاں شب معراج ہو گیا

منزل پہ جب پہونچ گئے وہ سالک رضا   سب دشت ظلم فوج سے مملو نظر پڑا
بولا پکار کر یہ بن سعد بے حیا   مہلت میں ایک رات کی کیا دل سے طے کیا
ظاہر ہو وہ جو عزم امام ھدا کا ہے
بیعت کا قصد ہے کہ ارادہ دغا کا ہے

تھرا گئے یہ سنتے ہی انصار نامور — دل پر لعیں کی سنگدلی کا ہوا اثر
تیور بگڑ گئے تھے دلیروں کے سر بسر — صبر امام دیں نے اجازت نہ دی مگر
پیک نگاہ سوئے عدو دوڑنے لگا
رک کے رہے قدم تو لہو دوڑنے لگا

ہر ہاشمی جواں کا عجب حال ہو گیا — لرزہ بدن میں بید کی تمثال ہو گیا
ظاہر علی کے شیر کا اجلال ہو گیا — غصہ کیا جو ضبط تو منہ لال ہو گیا
سینے میں دل کو مل گئی غربت حسین کی
گردن جھکائی دیکھ کے صورت حسین کی

مظلوم نے مگر یہ لعیں کو دیا جواب — آل نبی سے یہ سخن اے خانماں خراب
ہو کیوں نہ مجھ کو بیعت فاسق سے اجتناب — اسلام کا وقار ہے دل بند بوتراب
اس راہ میں نہ مال نہ دولت بچاؤں گا
دیدوں گا جان دین کی عزت بچاؤں گا

شہ چپ ہوئے پیام دعا لے کے آئے تیر — ان خاطیوں نے فوج خدا پر لگائے تیر
کوئی پرند تھا نہ ہوا پر سوائے تیر — کس شوق سے دلیروں نے تن تن کے کھائے تیر
رہنا تھا ناگوار جو دنیا کے دشت میں
سب گئے تھے جو وہ پہلے سدھارے بہشت میں

اک دوپہر میں ہو گیا راہی وہ کارواں — کرتا تھا ایک پر سبقت دوسرا جواں
قطع تعلقات کے وقت امتحاں — بوجھ اپنے پھینک کے سب ہو گئے رواں
کڑیاں تمام جھیل لیں جو امتحاں میں تھیں
لاشیں زمین گرم پہ روحیں جناں میں تھیں

انصار کل عزیز بھی اکثر ہوئے شہید — عبداللہ و محمد و جعفر ہوئے شہید
عون جری و قاسم بے پر ہوئے شہید — عباس نامور کے برادر ہوئے شہید
دو یادگار حیدر کرار رہ گئے
اور اک شبیہ احمد مختار رہ گئے

یہ بھی ہیں عازم سفر گلشن ارم بڑھتے ہیں سوئے لشکر کفار دمبدم
وہ کہتے ہیں کہ تنگ ہیں اس زندگی سے ہم یہ کہتے ہیں کہ ہو چکی اب انتہائے غم
وہ کہتے ہیں کہ زور شہ بحر و بر ہیں آپ
یہ کہتے ہیں کہ نور نگاہ پدر ہیں آپ

وہ چاہتے ہیں برچھائیں سینے پہ کھائیں ہم یہ چاہتے ہیں ہاتھوں کو پہلے کٹائیں ہم
ان کا یہ مدعا ہے کہ خوں میں نہائیں ہم ان کی یہ آرزو ہے کہ کوثر پہ جائیں ہم
بیتاب وہ ہیں پیاس بجھانے کے واسطے
یہ مضطرب ہیں مشک اٹھانے کے واسطے

وہ کہتے ہیں کہ آپ بڑے ہیں حافظ امام وہ کہتے ہیں رکے گا نہ یہ باوفا غلام
بڑھتے ہیں تیغ تول کے جب سوئے فوج شام ان کو بھی روکتے ہیں انہیں بھی شہ امام
کہتے ہیں تم کو بھی جو یہ بیکس گنوائے گا
باقی ہے اور کون جو لاشہ اٹھائے گا

جانے دو ہم کو گھر سے خبردار تم رہو بیووں کی بیکسی میں مددگار تم رہو
تیماردار عابد بیمار تم رہو اب میری طرح سب کے پرستار تم رہو
چادر چھنے نہ زینب عالی مقام کی
عزت بچالو عترت خیر الانام کی

عباس میرے خوں کے ہیں پیاسے یہ اشقیا اکبر جو تم نے جان گنوائی تو فائدہ
اتنے فدا جو ہو گئے ہم پر تو کیا ہوا اب بھی جفا سے باز نہیں بانی جفا
کیا حاصل اس سے سر جو رہا بے سر کیا تھا
جانبازیوں فضول ہیں شمع سحر کے ساتھ

ہو گے ہمارے بعد جو تم دو نو نیک نام سیدانیاں نہ جائیں گی بندی میں تا بہ شام
تم بھی نہ گر ہوئے تو قیامت کا ہے مقام ہوگا نہ کوئی دفن و کفن کا بھی اہتمام
حرمت نہ بیکسی میں پس مرگ بھی رہے
کیا چاہتے ہو لاش زمیں پر پڑی رہے

باتوں سے شہ کی آگئے سکتے میں وہ جری
نہ طاقت جواب نہ تھی تاب ضبط کی
برچھی سی اک کلیجہ پہ اکبر کے چل گئی
بے تاب ہوگیا دل عباس اور بھی
آپس کی گفتگو سے سوئے شاہ پھر بڑھے
جوڑے انہوں نے ہاتھ یہ قدموں پہ جا گرے

دونوں کو شہ نے لگا کے گلے روئے زار زار
صدمے سے تھا جگر بھی تپاں دل بھی بیقرار
کہتے تھے یادگار پدر ہے یہ نامدار
اور وہ جواں شبیہ رسول فلک وقار
روکوں کسے میں پاس سے کس کو جدا کروں
میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کروں

نازک بہت ہے حق کی قسم یہ معاملہ
بہتر ہے آپ کر لیں جو آپس میں فیصلہ
منزل پہ ہم کو چھوڑ گیا سارا قافلہ
تنہائی ایسی اور سر و گردن کا مرحلہ
پابند اس کا ہوں میں جو طے کر کے آئیں آپ
کوثر کو یہ رواں ہوں کہ دریا پہ جائیں آپ

عباس نے کہا یہ ہیں صورت رسولؐ کی
کافر ہے وہ جو سمجھے نہ عظمت رسولؐ کی
باقی ہے ان کے دم سے زیارت رسولؐ کی
کیونکر تلف کروں میں امانت رسولؐ کی
ہے یاد حکم اس نبیؐ خوش خصال کا
واجب ہر اک پہ حفظ ہے قرآن و آل کا

میں صدقے ان پہ کیوں نہ ہوں یا شاہ بحر و بر
حیدر بھی ہر بلا میں نبی کی رہے سپر
میں ابن مرتضےٰ ہوں اگر دھیان ہے اگر
جان نبی کا راحت جاں ہے یہ خوش سیر
مختار خلق بادشاہ کن فکاں ہیں آپ
ہاں عدل چاہیے کہ امام زماں ہیں آپ

اکبر نے ہاتھ جوڑ کر عباس سے کہا
ارشاد جو ہوا ہے شک اس میں نہیں ذرا
بے شبہ مصطفےٰ پہ رہے مرتضےٰ فدا
لیکن یہ سب نبی کی بزرگی کا پاس تھا
پائیں سزا جو حملہ کناں شکل گرگ ہیں
عزت ہمیں بھی دیں جو ہمارے بزرگ ہیں

بولے یہ مسکرا کے علمدار نامدار — سب سچ ہے جانِ عم تری باتوں کے میں نثار
لیکن جناب حمزہ ذی قدر و ذی وقار — جو تھے رسول پاک کے عم بزرگوار
وہ بھی نثار نام پہ مثلِ علی رہے
چھوٹے بڑے سبھی تو مطیع نبی رہے

پایا تھا کس بشر نے سوا ان سے مرتبہ — ختم رسل حبیب خدا شاہ انبیاء
کلمہ نبی بھی پڑھتے ہیں جس کا وہ باخدا — ہیں آج آپ وارث میراث مصطفیٰ
دنیا میں آل پاک سے بہتر کوئی نہیں
بیٹا مری رگوں میں وہ خون نبی نہیں

مجھ کو بزرگ کہتے ہیں کیوں آپ بار بار — آقا ہیں سب جہاں کے امام فلک وقار
حیدر کا میں پسر ہوں وہ احمد کے یادگار — فرماتے ہیں جو بھائی یہ ہے جائے افتخار
سارے جہاں میں کس کے سبب نیکنام ہوں
جن کے لیے رہیں آپ میں ان کا غلام ہوں

کس طرح شہزادے کو جانے دے پھر غلام — انصاف کا مقام ہے اے میرے لالہ فام
اکبر تو دیکھنے لگے منہ سن کے یہ کلام — دل جوش میں منڈنے لگا رو دیئے امام
غم سے کلیجے دیکھنے والوں کے پھٹ گئے
یہ پاؤں پر جھکے وہ گلے سے لپٹ گئے

ناگاہ آئی خیمہ اقدس سے یہ صدا — اب جاں بلب ہوں پیاس سے میں غم کی مبتلا
لوگو کوئی بلاؤ کہاں ہیں مرے چچا — مر جاؤں گی جو اب بھی نہ پانی مجھے ملا
کیونکر کہوں کہ حال یہ میرے نظر نہیں
کس کام میں ہیں محو کہ مطلق خبر نہیں

پہلے بھی پیاس سے جو ہوئی تھی میں بیقرار — پانی وہی تو لائے تھے عمو کے میں نثار
پھر جا کے کوئی میری طرف سے بحال زار — سوکھی یہ مشک ان کو دکھا دے بس ایکبار
پیاری سکینہ ہے تو نہ عرصہ لگائیں گے
پانی وہیں سے لے کے مرے پاس آئیں گے

سن کر صدا سکینہ کی دل ہو گیا کباب ۔ رو کر کہا کہ صبر کی بس اب نہیں ہے تاب
مجبور ہو کے بولے شہ آسماں جناب ۔ اچھا یہی خوشی ہے تو لے آؤ مشک آب
سب رنج و غم قبول ہیں خالق کی راہ میں
دریا کا یہ ارادہ ہے کوثر کی چاہ میں
جلدی سے آئے خیمہ میں عباس نامور ۔ حضرت بھی ساتھ ساتھ تھے تھامے ہوئے کمر
دیکھا کہ اہلبیت نبی سب بچشم تر ۔ قاسم کا نام لیتے ہیں اور پیٹتے ہیں سر
سینہ فگار آہ بہ لب دل اداس ہیں
سب اہل بیت بیوۂ شبّر کے پاس ہیں
بچوں میں اک طرف ہے بپا شورِ العطش ۔ خالی لئے ہیں جام صغیران ماہ وش
دلریش تشنہ کام و غم آگیں وخاف کش ۔ بے حال ہیں سکینہ تو اصغر پڑا ہے غش
تاب بیاں نہیں ہے کسی تشنہ کام میں
سوکھی زباں کو ہوتی ہے لکنت کلام میں
دیکھا جو یہ کہ آگئے عباس نوجواں ۔ دوڑی سکینہ پونچھتی اشکوں کو ناگہاں
دکھلا کے سوکھے ہونٹ کیا اس طرح بیاں ۔ آپ آئے کیا کہ آگئی مردہ تنوں میں جاں
گرمی میں تشنگی کی مصیبت عظیم ہے
اصغر کا حال مجھ سے زیادہ سقیم ہے
صدقہ گئی جہاں سے ملے پانی لائیے ۔ اب حال غیر ہے مجھے جلدی پلائیے
عباس نے کہا کہ مرے پاس آئیے ۔ لاتے ہیں مشک آب نہ آنسو بہائیے
خوشبو اسی دہن کی بہ از عود و مشک ہے
سوکھے ہیں تیرے ہونٹ لہو میرا خشک ہے
مشکیزہ اک لئے ہوئے جلدی بحال زار ۔ آئی سکینہ نزد علمدار نامدار
عباس لے کے گود میں کرنے لگے جو پیار ۔ دامن سے لپٹے دوڑ کے سب طفل ایکبار
معصوم مبتلائے غم و درد و یاس تھے
سوکھے تھے ہونٹ چشم تھی نم مثل اداس تھے

دیکھا جو اہل بیت نبی نے یہ ماجرا — اک غل ہوا کہ جاتے ہیں عباس باوفا
صف پر سے اٹھیں مادر قاسم بصد بکا — زینب کا دل دھڑکنے لگا رنگ اڑ گیا
غم کا پہاڑ سر پہ گرا چھاتی پھٹ گئی
چھوٹی بہن تو بھائی سے آکر لپٹ گئی

بانو قریب آکے یہ بولیں بصد ملال — کیا تم بھی ساتھ چھوڑتے ہو اے علی کے لال
بیٹوں سے جا چکے ہیں سوا شاہ خوش خصال — خیمہ سے تم چلے کہ ہوا ان کا غیر حال
دیکھو ابھی سے چہرہ انور اداس ہے
بیکس کو اب تمہارے سوا کس کی آس ہے

ڈیوڑھی کا رعب تم سے ہے قاسم خدا گواہ — تنہا کا ہے یہ خوف کہ بڑھتی نہیں سپاہ
ہوگا تمہارے جانے سے سید کا گھر تباہ — حضرت کے جیتے جی ہمیں لوٹیں گے کینہ خواہ
دیں گے نہ بد دعا بھی وہ معصوم ہیں حسین
سب جانتے ہیں بیکس و مظلوم ہیں حسین

بے حرمتی یہ آل پیمبر کی الاماں — غیرت سے گڑ نہ جائیں گے سلطان دوجہاں
تھرا کے بولے حضرت عباس نوجواں — ایسا ہوا تو پھٹ نہ پڑے گا یہ آسماں
جان رسول پاک نہ کل کا امام ہوں
آقا کا سب یہ رعب ہے میں تو غلام ہوں

سمجھے نہ کوئی بیکس و ناچار ہیں حسین — فضل خدا سے خلق کے مختار ہیں حسین
وقت نبرد قاتل کفار ہیں حسین — ہاں ورثہ دار حیدر کرار ہیں حسین
چاہیں تو ایک کر دیں زمیں آسمان کو
سیدھی نظر نہ ہو تو الٹ دیں جہان کو

صبر اس سبب سے ہے کہ یہ ہے روز امتحاں — خوشنودی خدا کے ہیں خواہاں شہ زماں
آئے ہیں ظلم اٹھانے کو گھر چھوڑ کر یہاں — ساماں یہ سب ہیں بخشش امت کے بیگماں
تا عصر سب کو خلد میں جانا ضرور ہے
جو کچھ کہا یہ آپ نے وقت اس کا دور ہے

اکبر رہیں گے بعد مرے شاہ دیں کے پاس — جانے نہ دے گا اور کسی کو یہ حق شناس
بچے کئی شہید ہوئے اے فلک اساس — اب کس کو جانے دوں جو نہ جاؤں میں دل اداس

قاسم نہیں ہیں عون و محمد بہم نہیں
جو ہو چکی ہے مجھکو خجالت وہ کم نہیں

منزل تو سب کی ایک ہے تھوڑا ہے پیش و پس — رو کیں نہ آپ کھائیں مرے حال پر ترس
خنجر ہے مجھکو سینے سے کھنچتے ہیں ہر نفس — اب موت کی ہے چاہ نہیں زیست کی ہوس

ہوں میرے آگے ظلم شہ مشرقین پر
حسرت یہ ہے کہ جلد فدا ہوں حسین پر

یہ سن کے بیبیوں میں جو رونے کا غل ہوا — گھبرا گئی سکینہ پکاری بصد بکا
مرنے کو آپ جاتے ہیں یہ مجھ پہ اب کھلا — پانی کو پھر کہوں گی نہ میں غم کی مبتلا

ٹھہرو یہیں رسول کے جانی کے واسطے
ہے ہے تمہارا خون ہو پانی کے واسطے

بس کھولیئے کمر کو علم کو بڑھائیے — پیاسی نہیں ہوں میں مرا مشکیزہ لائیے
کیا تاب اگر کہوں مجھے پانی پلائیے — ہیں گود سے نہ اتروں گی آپ اب تو جائیے

سب رو رہے ہیں کیوں یہ میں آگاہ گیا نہیں
سچ ہے کہ جو گیا ہے وہ زندہ پھرا نہیں

بولے سکینہ سے یہ علمدار مہ جبیں — جاؤں میں جنگ کو یہ نہیں حکم شاہ دیں
حضرت سے پوچھ لو اگر اس کا نہ ہو یقیں — بیٹی جہاد کی تو اجازت ملی نہیں

لو قسم کہ آگے نہ دریا سے جاؤں گا
ہاں مل گیا جو نہر سے پانی تو لاؤں گا

دیکھا یہ بات کہہ کے جو بھی منہ حسین کا — فرمایا شہ نے بھی جو یہ کہتے ہیں ہے بجا
زینب نے اس کو گود میں بہلا کے لے لیا — رخصت ہوئے ہر ایک سے عباس باوفا

الفت جو تھی ہر ایک کو اس حق شناس سے
دیکھا چہار سمت عجب چشم یاس سے

زوجہ کھڑی تھی ایک طرف کو جھکائے سر — دامن کو تھامے ہاتھ سے تکتا تھا منہ پسر
بولے یہ ان کو دیکھ کے عباس نامور — صاحب ملول کیوں ہو خدا پر کرو نظر
اب تک تو دکھ اٹھائے بہت میرے ساتھ میں
لو اب تمہارا ہاتھ ہے زینب کے ہاتھ میں

خدمت ہے ان کی فخر یہ ہیں عترتِ رسول — ساتھ ان کا تم بھی دو کہ رضا مند ہوں بتول
ہونا ہماری یاد میں ہرگز نہ دل ملول — بے سود ہے تو نالہ و زاری سے کیا حصول
گھر میں امام پاک کے ہر دل عزیز ہو
میں ہوں غلام شاہ زمن تم کنیز ہو

دیکھو تو شاہزادیوں پر کیا ستم ہیں آج — حاجت روا جہان کے پابند غم ہیں آج
کل تک جو اقربا تھے کہاں وہ بہم ہیں آج — القصہ سب مسافر راہ عدم ہیں آج
رہنا جہان میں نہیں ممکن فراغ سے
وہ کونسا جگر ہے جو خالی ہے داغ سے

زوجہ نے اس سخن کا دیا صبر سے جواب — گردن جھکالی دیکھ کے صورت بصد حجاب
بیٹے کو دیکھ کر جو بڑھا دل کا اضطراب — عباس ذی وقار بڑھے سوئے در شتاب
زوجہ تو بات کو بھی حیا سے ترس گئی
رویا پسر تو منہ پہ یتیمی برس گئی

سب آئے روتے پیٹتے ہمراہ تابہ در — لیکن ہلیں نہ زوجۂ عباس نامور
کہتی تھی دل کا حال پریشانیٔ نظر — خیمہ سے نکلے وہ یہ گریں فرش خاک پر
غم کو کیا جو ضبط تو منہ زرد ہو گیا
تھرائے ہاتھ پاؤں بدن سرد ہو گیا

سقائے اہل بیت کی رخصت کا وقت ہے — آل رسول پاک پہ آفت کا وقت ہے
پیاسوں کے واسطے یہ مصیبت کا وقت ہے — ہے قہر کی گھڑی تو قیامت کا وقت ہے
روتی ہیں غم سے بیبیاں بچے بلکتے ہیں
حضرت نگاہ یاس سے بھائی کو تکتے ہیں

آیا فرس سوار ہوا ابن بوتراب — تھامی بہ فخر خود حشم وجاہ نے رکاب
بالائے زیں تھے آپ کہ گردوں پہ آفتاب — وہ حسن دلکشا وہ ہیبت وہ رعب داب
رفعت نظر سے ماہ منور کی گر گئی
تصویر بوتراب نگاہوں میں پھر گئی

تسلیم کرکے شہ کو جو گھوڑے کی لی عنان — بیتاب و بیقرار ہوئے شاہ انس و جان
ضبط فغاں سے آگیا جنبش میں آسماں — عباس کیا چلے کہ گئی طاقت و توان
کچھ اشک اضطراب میں آنکھوں سے بہہ گئے
حضرت کمر کو تھام کے ہاتھوں سے رہ گئے

جنگاہ کو چلا جگر و جان مرتضےٰ — بپھرا ہوا ہے شیر نیستان مرتضےٰ
ہے اس حسین میں حسن فراوان مرتضےٰ — پیدا ہے رخ سے دبدبہ و شان مرتضےٰ
پرتوفگن رخ خلف بوتراب ہے
جو ذرہ زمیں ہے وہ خود آفتاب ہے

رایت کی شان کہتی ہے جعفر یہی تو ہیں — حمزہ یہی ہیں حیدر صفدر یہی تو ہیں
عالم کے یکہ تازوں سے بہتر یہی تو ہیں — جن بھی ڈرے ہیں جن سے وہ تیور یہی تو ہیں
اتنے صفات ایک میں یہ رب کی شان ہے
اس منچلے جوان میں ان سب کی شان ہے

دریا پہ شور آمد شیر نبرد ہے — رخ ہر سیاہ کار کا دہشت سے زرد ہے
جوہر کھلیں گے اس کی وغا کے جو فرد ہے — غل ہے جو اس کے سامنے جائے وہ مرد ہے
زہرہ ہے آب ڈر سے ہر اک ذی حیات کا
نیزوں گھٹا ہے خوف سے پانی فرات کا

لرزاں ہیں مثل بید علمدار فوج کیں — تھرا رہے ہیں خوف کے مارے عدوئے دیں
سب افسران فوج لگائے ہیں دوربیں — تکتے ہیں ڈھالیں چہرے پہ روکے ہوئے لعیں
فوجیں ہیں انتظار میں ساکت کھڑی ہوئی
ہیں سوئے دشت سب کی نگاہیں لڑی ہوئی

لو گرد وہ اڑی وہ نمایاں ہوا علم　　برہم ہے طبع کہتا ہے پرچم کا پیچ و خم
چمکا وہ دیکھو خود سر آسماں حشم　　دہشت میں دل کے ساتھ لرزنے لگے قدم
ہیبت دلوں پہ چھائی ہوئی ہے دلیر کی
رہوار کی ڈپٹ ہے کہ آمد ہے شیر کی

وہ شان و شوکت پسر ضیغم الٰہ　　جس سے جلال مہر ہے پیدا یہ ہے وہ ماہ
سینوں میں دل لرز گئے ڈالی جدھر نگاہ　　اپنی جگہ پہ تھم گئی بڑھتی ہوئی سپاہ
پیچھے ہٹے وہ مورچے جو تھے بڑھے ہوئے
دہشت سے اترے جاتے تھے دریا چڑھے ہوئے

لشکر میں شور اٹھا خبردار نہر سے　　پیاسے سے کارزار ہے ہشیار نہر سے
بھرنے نہ پائیں مشک علمدار نہر سے　　تلوار کی قریب رہے دھار نہر سے
خون آج بہہ کے آئے گا صحرا سے گھاٹ تک
پانی بڑھے گا تیغ کا دریا کے پاٹ تک

دیکھو تو کیا جلال ہے کیا وقار ہے　　اس چاند سے تو مہر فلک شرمسار ہے
پیاسا ہے آپ تیغ مگر آب دار ہے　　نیزہ ہے یا ستارہ دنبالہ دار ہے
سجدہ کا یہ نشان عبادت کی مہر ہے
ہے پشت پر سپر کہ شجاعت کی مہر ہے

تیور بتا رہے ہیں کہ بپھرا ہوا ہے شیر　　دریا کا رخ وہیں سے کئے آتا ہے دلیر
ندی لہو کی بہنے میں اب کچھ نہیں ہے دیر　　پانی کی جستجو میں ہے خود زندگی سے سیر
تیزی میں برق وش فرس تیز دم بھی ہے
کاندھے پہ سوکھی مشک بھی ہے اور علم بھی ہے

گھوڑے کی گشت سے ہے تزلزل میں دشتِ کیں　　ہر ایک ذی حیات کو ہے موت کا یقیں
کیونکر لڑیں گے ہوش ابھی سے بجا نہیں　　جمتے نہیں ہیں پاؤں لرزتی ہے یوں زمیں
ہیبت ہے تا فلک خلف بوتراب کی
عیسیٰ سے چھٹ پڑے نہ سپر آفتاب کی

یہ ذکر تھا کہ آ گئے عباس نامور — نیزہ زمیں پہ گاڑ کے گونجا وہ شیر نر
ہے شمر کس طرف پسر سعد ہے کدھر — آگاہ گر نہ ہو تو سنا دو اسے خبر
اب سامنا ہے ابن شہ قلعہ گیر کا
جس کو علم ملا ہے جناب امیر کا

اب جائے مرتضیٰ ہیں حسین فلک حشم — ہیں وارث علم امامت وہ باکرم
افضل ہوں سب سے گو کہ ہوں رتبے میں ان سے کم — حیدر کا میں پسر ہوں تو احمد کا یہ علم
سقائے اہل بیت شہ مشرقین ہوں
کافی شرف یہ ہے کہ غلام حسین ہوں

بہتر تو یہ ہے ظلم و تعدی سے باز آؤ — سید کو بے گناہ گو غربت میں کیوں ستاؤ
منظور یہ نہیں ہے تو موجود ہم ہیں آؤ — بار اہ نہر چھوڑ دو تلوار یا اٹھاؤ
کوثر کا وقت تشنہ لبی اشتیاق ہے
ہونا ہے جو وہ جلد ہو اب دیر شاق ہے

ملتے نہیں تو سامنے آ کر وغا کرو — کم ہو تو اور فوج بلا کر وغا کرو
جم کر لڑو صفوں کو جما کر وغا کرو — ہمراہیوں کو جوش دلا کر وغا کرو
طالب جزائے صبر و رضا کے خدا سے ہیں
سیراب تم ہو ہم تو کئی دن سے پیاسے ہیں

یہ سن کے تھرتھرانے لگے خانماں خراب — ذروں کی تھی بساط ہی کیا پیش آفتاب
بڑھ کر مگر یہ شمر لعیں نے دیا جواب — بیعت کریں حسین تو حاضر ہے جام آب
اس کے بغیر اماں نہیں جانوں کے واسطے
ہے آب تیغ تشنہ دہانوں کے واسطے

یہ سن کے سرخ ہو گئے عباس نامدار — تھرا کے سامنے سے ہٹا وہ ستم شعار
تیر آئے فوج نے حرکت کی اور اڑا غبار — چمکی ادھر بھی برق صفت تیغ آب دار
کب رن میں کھنچ کے میان سے وہ شعلہ ور چلی
گھونگھٹ اٹھا کے رخ سے عروس ظفر چلی

ہاں ساقیا کوئی مے نصرت کا جام دے — جس کا سرور فتح و ظفر کا سلام دے
جاری ہے تیرا فیض خدا کیوں نہ نام دے — رنگ اور ہے زلال مے سرخ فام دے
کلفت کو دور کر دے جو طبع لطیف سے
وہ مے جو شوخ رنگ ہو خون حریف سے

زخموں کے گل نہ ہوں تو نہ گلشن میں دے شراب — جس جا ہیں ابر ڈھالوں کے اس بن میں دے شراب
موسیٰ کو جا کے وادیٔ ایمن میں دے شراب — مجھ کو تو کام جنگ سے ہے رن میں دے شراب
ہو سر پہ چہر دانہ انگور کی طرح
چھلکا دے کاسہ سر مغرور کی طرح

وہ تیز و تند ہو جسے پیتے ہی جھوم جاؤں — شیشہ نہ اُبلے جب تو میں کیا جوش دل دکھاؤں
دیکھوں شگون فتح تو تیغ قلم اٹھاؤں — ساغر تنک کے چور کروں معرکہ میں آؤں
دکھلاؤں غرق خون میں کشتی حیات کی
لکھوں نبرد طالب آب فرات کی

بجلی بنی تھی تیغ شرر بار ہاتھ میں — گویا تھا قہر حضرت قہار ہاتھ میں
سو سو تتر بتر ہوئے دو چار ہاتھ میں — جلوے نئے دکھاتی تھی تلوار ہاتھ میں
رشتہ سے شمع طور کے لو آشکار ہے
یا کہکشاں میں اختر دنبالہ دار ہے

سینہ کشادہ اور وہ سر سوئے پشت خم — کھنچنا جو ہے غضب تو لگاوٹ بھی ہے ستم
وابستہ کس ادا سے نہیں عاشقوں کے دم — کرتے ہیں پیار جس کو جری ہے یہ وہ صنم
دل سے نثار اہل نظر بانکپن پہ ہیں
بوسوں کے ہیں نشان کہ جوہر بدن کے ہیں

جوہر وہ ہیں کہ جن میں ہزاروں ہیں خوبیاں — گویا ہے شمع حسن کا شعلہ شرر فشاں
معنی شناس جو ہیں وہ کرتے ہیں یہ بیاں — ہے حرف حرف ٹھیک یہ سر ظفر نشاں
صانع نے سادہ کھینچ کے نقش الست میں
سورہ لکھا ہے فتح کا خط شکست میں

آئی جدھر لچک کے قیامت اٹھا گئی　　بیٹھی اگر سروں پہ تو دل میں سما گئی
اٹھنے لگی تو خانۂ ہستی کو ڈھا گئی　　لی جان جس کے پاس وہ نازک ادا گئی
صورت میں گر پری ہے تو سیرت میں حور ہے
جو ناز ہے وہ جان کا خواہاں ضرور ہے

جس سے ذرا بھی کھنچ کے چلی ہوگیا تپاں　　لیتی ہے یہ لپٹ کے گلے سیکڑوں کی جاں
ہے اس طرح مفر نہ ہے اس طرح سے اماں　　ہجر اس کا دل ستاں ہے وصال اسکا جانستاں
معشوق کے لباس میں خالق کا قہر ہے
ہر طرح دل لگانے کا انجام زہر ہے

ہر معرکہ میں جنگ کے سر سبز و سرخ رو　　دامن کو اس کے پانہ سکا دوڑ کر لہو
تعریف واقعی ہو تو سمجھے ہر ایک غلو　　شکل نسیم آئی تو نکلی بزنگ بو
باحتیاط خون نجس سے بری رہی
شاخ نہال فتح ہمیشہ ہری رہی

ظاہر میں ہے امان نہ باطن میں ہے مفر　　برّش چمک میں وہ ہے جو ٹکڑے کرے جگر
رکتی نہیں جنوں سے بھی روکیں گے کیا بشر　　روح الامیں سے کہہ دو کہ آکر بچائیں پر
ہیبت سے اس کی سینۂ گیتی فگار ہے
تیغ اس کی ہے جو ابن شہ ذوالفقار ہے

شہرہ نہ کیوں ہو غرب سے اس کا بھی تابہ شرق　　صورت میں ہے ہلال چمک میں ہے رشک برق
پانی میں اس کے ہوتی ہے کشتی عمر غرق　　کتنا ہے متہ نہیں مس آہن میں کچھ بھی فرق
کاٹا جو چار آئینہ کو سان چڑھ گئی
پتھر چبا دیا تو برّش اور بڑھ گئی

تلوار کی وہ ضو وہ درخشانیٔ علم　　کیونکر ہلال و بدر یہ اک وقت میں بہم
اٹھنا وہ تیغ تیز کا گر گر کے ہر قدم　　لہریں ہوا میں بھر کے پھریرے کی دمبدم
تھا یہ گمان دیکھنے والوں کو دور سے
ماہی تڑپ کے نکلی ہے دریائے نور سے

حملہ ہر ایک حملہ حیدر ہے وقت جنگ — ہر ضرب میں ہے دست یداللہ ہی کا ڈھنگ
گھوڑا نہ کیسے ہے دل عباس کی امنگ — شبیر خدا کے شیر کا مرکب بھی ہے نہنگ
ابتر پڑا ہر ایک ہے صف پائمال ہے
وہ غیض میں جو ہیں تو اسے بھی جلال ہے

دریا پہ جا رہا ہے پسینہ میں غرق ہے — نظروں میں تنگ فاصلہ غرب و شرق ہے
ہے دوڑنے میں ابر چمکنے میں برق ہے — تشبیہ کوئی تام نہیں پھر بھی فرق ہے
راکب کے اختیار میں ہے اپنا بس نہیں
فارس کا ولولہ ہے مجسم فرس نہیں

سیماب برق و باد ہیں سرعت میں اس سے کم — جاتا ہے یوں زمیں پہ لگتے نہیں قدم
باگ اس کی روکتے ہیں جو عباس ذی حشم — رہ جاتا ہے بدل کے کنوتی کو دم بدم
قابو گئے ہوئے نہ اگر شہسوار ہو
بن کر شعاع شبیتہ گردوں کے پار ہو

بے مثل ہیں عراق میں یہ راہوار آج — بالا دوی کرے تو ہما سے بھی لے خراج
مہمیز کا ہے کام نہ گھوڑے کی احتیاج — ہو جاتا ہے صدائے نفس سے بھی بدمزاج
ٹوکے بغیر اشاروں پہ ہر سو رواں ہے
خوف نگاہ تند اسے تازیانہ ہے

اس کی سبک روی کا بھلا کیا ہو تذکرا — شیشے پہ سُم پڑے تو نہ ٹوٹے نہ دے صدا
بجتے ہیں جس کے کان اسے شک جو ہو ذرا — انصاف خود کہے کہ ترے ہوش ہیں بجا
کس کے حواس دیکھ کے چال اس کی گم نہیں
پرواز مرغ وہم ہے آواز سُم نہیں

ٹیڑھی کبھی راہ ہو تو بھٹکتا نہیں کبھی — آتش مزاج ہو کے بھڑکتا نہیں کبھی
ڈرتا نہیں کسی سے جھجکتا نہیں کبھی — بجلی بھی گر پڑے تو چمکتا نہیں کبھی
پیکر میں راہوار کے ضیغم کی روح ہے
طوفان سے گزرنے میں کشتی نوح ہے

وہ دوپہر کی دھوپ وہ گرمی سے دل تپاں — پیدا تھی کوس حرب سے آوازِ الاماں
برسا رہی تھی آگ جو تیغ شرر فشاں — پھل برچھیوں کے بن گئے تھے شمع کی زباں
اب تک ہیں اس نبرد کے سکّے پڑے ہوئے
سینے میں ڈھال کے تھے پھپھولے پڑے ہوئے

ہے جستجوئے آب میں ابنِ شہِ نجف — غصہ سے ہے جبیں پہ شکن اور دہن میں کف
مانند موج رن میں الٹتی ہے صف پہ صف — دریا رواں ہے خون کا میداں میں ہر طرف
اعضا جدا ہیں فرق ہے فوجی نظام میں
بازو تپاں زرہ میں کہ ماہی ہے دام میں

بگڑا نظام فوج رہا کچھ نہ بند و بست — ٹوٹا یہ مورچہ تو وہ صف ہو گئی شکست
سر کیا اٹھائیں حوصلے تو ہو چکے ہیں پست — زنجیر میں ہراس کی جکڑے ہیں پیل مست
ہل چل پڑی جو تیغ جری تولنے لگا
سجدہ کیا فرس نے تو رن بولنے لگا

دہشت کے مارے ڈھونڈتا تھا ایک ایک آڑ — آباد جو مقام تھے سب ہو گئے اجاڑ
کیونکر نہ بنیاد جو قسمت کا ہو بگاڑ — لنگر تھا ضرب کا کہ دبے جاتے تھے پہاڑ
گیتی الٹ دو وقت وغا حوصلہ یہ تھا
تھرا رہی تھی گاہ زمیں زلزلہ یہ تھا

تلوار اس غضب کی چلی ہے کنارِ جو — صحرا سے بہنے گیا نہر میں لہو
پھیلی رہی ہے خون کی برسوں ہوا میں بو — ماہی دکھا رہی ہے بریدہ رگِ گلو
دُر کا لقب جہاں میں غلطاں جبھی سے ہے
دریا میں سرخ پنجۂ مرجاں جبھی سے ہے

اتنا لہو زمیں نے پیا روز کارزار — اب تک ہے جس کا رنگ زمانہ میں آشکار
دیتی ہے اس خزاں کا پتہ آج تک بہار — سرسبزیٔ چمن میں ہے سرخی بھی بے شمار
شاید حنا مگر اسی خونریز رن کی ہے
سرخی گواہ لالۂ خونیں کفن کی ہے

فوجیں ادھر تھیں اور اکیلا جواں ادھر   لیکن قدم جما نہ سکا ایک خیرہ سر
سب کو بھگا کے نہر سے مانند شیر نر   داخل ہوئے فرات میں عباس نامور
دریا قدم کے فیض سے ممنون ہو گیا
پانی پہ کی نگاہ تو دل خون ہو گیا

ٹھنڈی ہوا کچھ اور کلیجہ جلا گئی   پیاسوں کی سوختہ جگری یاد آ گئی
مل مل کے چند بار جو باد صبا گئی   جلدی سے بھر لو مشک یہ دل میں سما گئی
بچوں کے خشک ہونٹوں کا دل پر اثر لیا
آنسو بہا کے نہر سے مشکیزہ بھر لیا

نکلے جو مشک بھر کے علمدار نامدار   کچھ بڑھ کے سد راہ ہوا ایک نابکار
رکھ کر کماں میں تیر پکارا ستم شعار   اے بازوئے حسین خبردار و ہوشیار
قطرہ بھی تا بہ خیمہ پہونچنے نہ پائے گا
پانی جو بھر لیا ہے تو کیا لے بھی جائے گا

فرمایا ہنس کے آپ نے پہلے کہاں تھا تو   لشکر کو ہم بھگا کے گئے ہیں کنار جو
کر آب کی نہ چاہ، جو ہے پاس آبرو   کی مشک پر نگاہ تو بہہ جائے گا لہو
ہو پیاس سے تلف نہ کوئی طفل ڈر یہ ہے
پانی نہ جان مشک میں خون جگر یہ ہے

یہ سن کے اس نے سر جو کیا ناوک ستم   کھینچی علی کے شیر نے بھی تیغ تیز دم
بھرتی کے ساتھ ہوتی تھی جنبش جو دمبدم   جو تیر کیں کماں سے چلا ہو گیا قلم
سب رد ہوئے وہ کفر کے حملے جو دیں پہ تھے
ترکش لعیں کے پاس تھا ناوک نہیں پہ تھے

پھینکی کماں زمیں پہ بے کار جان کر   بھالا سنبھالتا ہوا جھپٹا وہ خیرہ سر
اللہ رے تیزدستیٔ عباس نامور   کب اڑ گئی سناں یہ نہ اس کو ہوئی خبر
ہنستے تھے وہ بھی آئے تھے جو لوگ ساتھ میں
خالی ہلا رہا تھا لئے ڈانڈ ہاتھ میں

کرتا تھا بار بار جو حملے وہ پر غرور — کہتے تھے ہوشمند نہ ہمت میں ہو قصور
چلا رہی تھی موت کہ میں بھی نہیں ہوں دور — عباس مسکرائے تو سمجھا وہ بے شعور
غصہ میں ساتھ والوں کو پھر کر جھڑک دیا
تلوار لی نیام سے نیزہ ٹپک دیا

آتے ہی بازوئے شہ دیں پر برس پڑا — لیکن خلل حواس میں وقت حوس پڑا
خط بھی نہ اوچھے واروں کا جب ہر نفس پڑا — کوئی تو مسکرانے لگا کوئی ہنس پڑا
چھڑوا دیا حواس نے ہمت کا ساتھ بھی
بھولا حواس کھو کے پھکیتی کے ہاتھ بھی

چلائے ہوشمند دغا کے ہنر کو دیکھ — دیکھا ادھر کو شور یہ اٹھا ادھر کو دیکھ
بجلی تڑپ رہی ہے بچا جلد سر کو دیکھ — پلٹی وہ سر پہ جا کے یہ آئی کمر کو دیکھ
کھول آنکھ کچھ مآل دغا پر نظر بھی ہے
اب موت سر پہ کھیل رہی ہے خبر بھی ہے

دیکھے وہ کیا نظر میں ہو جس کے جہاں سیاہ — تلوار کی چمک سے جھجکتا تھا کینہ خواہ
کیونکر بچائے چوٹ جو قائم نہ ہو نگاہ — چونکا تو کب کہ سامنے تھی جب عدم کی راہ
مایوس زندگی سے بہم ساتھ ساتھ تھے
مرکب کے تھے نہ پاؤں نہ راکب کے ہاتھ تھے

بے دست و پا ہو جو ستمگار و بد شعار — تکتا تھا گاہ سوئے یمیں گہ سوئے یسار
بولے اٹھا کے مشک علمدار ذی وقار — لے روکنا ہو روک میں جاتا ہوں نابکار
اپنی سزا کو دشمن جانی پہونچ گیا
اب جان لے کہ خیمہ میں پانی پہونچ گیا

بولا وہ گڑگڑا کے رحم آپ اب کریں — مر بر نہ ہوں جو رستم و سہراب بھی لڑیں
حضرت کا ہم نبرد نہیں ساری فوج میں — لے جائیں آپ مشک مری جان چھوڑ دیں
سچ ہے غلط گماں مجھے مشق وغا پہ تھا
بیشک قصور مجھ سے ہوا میں خطا پہ تھا

آگے بڑھے پہ سن کے علمدار نامدار — فوجیں چلیں عقب سے ہوا شور گیر و دار
دیکھا جو پہونچ گئے لشکر کے سب سوار — منہ کر کے ان کی سمت پکارا وہ نابکار
حکم شکست اجل کی زبانی پہونچ گیا
پھر موت ہے جو خیمہ میں پانی پہونچ گیا

یہ سنتے ہی جو فوج نے گھوڑے بہم اٹھائے — عباس نے پلٹ کے صدا دی کہ ہم بھی آئے
مل جائے لو اسد کو تو کیا صید بچ کے جائے — یوں جا پڑے چراغ کو جیسے ہوا بجھائے
جو سد رہ ہوئے تھے وہ گھبرا کے رہ گئے
ٹکڑے زمیں پہ لاشوں کے تھرا کے رہ گئے

مارا اسے جو فوج میں گھس کر بصد وقار — چاروں طرف سے گھر گئے عباس نامدار
نیزے جھکائے ہوئے سد رہ سوار — حلقہ کئے ہوئے تھی پیادوں کی بھی قطار
غل تھا نہ اب نکلنے کی تازی کو راہ دو
منہ جس طرف پھرائے نہ غازی کو راہ دو

نرغے میں اتفاق سے خود آ گیا ہے شیر — تدبیر کچھ نہ چلتی یہ تقدیر کا تھا پھیر
فوجیں بھی گھیرتیں تو نہ گھرتا کبھی دلیر — ہو گا نہ سرکشوں کی زبردستیوں سے زیر
سب ایک ہو کے صفدر و غازی کو مار لو
ہاں اے جوانو شیر حجازی کو مار لو

یہ شور سن کے لوٹ پڑی سب سپاہ کیں — ہر سو سے نیزے تانے ہوئے آ گئے لعیں
دوڑے فرس سواروں کے ہلنے لگی زمیں — گرز و تبر علم ہوئے تلواریں کھنچ گئیں
خیمہ کی راہ رکنے سے برہم دلیر تھا
نیزوں میں تھا جری کہ نیستاں میں شیر تھا

حملہ ہوا ادھر سے اگر رخ کیا ادھر — پلٹے ادھر تو پا گئے موقع عدو ادھر
زخموں پہ زخم کھانے لگا یوں وہ شیر نر — سقے کے خون کا ہوا چھڑکاؤ خاک پر
پہلو کے پار نیزوں کی انیاں نکل گئیں
چلّے سے تیر پاس سے تلواریں چل گئیں

مارا پلٹ کے ہاتھ ہوا پشت سے جو وار   غل تھا کہ چوٹ کھا کے گیا شیر نے شکار
وہ کشمکش وہ نرغہ فوج ستم شعار   پاتا نہیں نکلنے کی اب راہ راہوار
جنبش ہوئی تو برچھیاں پہلو میں گڑ گئیں
پھیرا تھا رخ کہ سیکڑوں تلواریں پڑ گئیں

ہر سو سے گھر گیا ہے جگر بند بوتراب   کس کس کا سامنا کرے کس کس کو دے جواب
چھپ چھپ کے وار کرتے ہیں وہ خانماں خراب   تر خون میں ہے جسم شفق میں ہے آفتاب
کھا کر زکائیں زخم ہر اک پھٹتا جاتا ہے
بڑھتا ہے ضعف کیونکہ لہو گھٹتا جاتا ہے

ناگاہ دست راست پہ تیغ ستم چلی   جھونکا چلا خزاں کا گری ٹوٹ کر کلی
ہمت یہ کس کی ہوگی بجز دلبر علی   تلوار بائیں ہاتھ میں اس پر جگر نے لی
دست بریدہ گرتے دیا فرش خاک پر
روکا علم کو مشک بھی لی دوش پاک پر

پھرتی سے وار کرنے لگا پھر وہ ذی حشم   ثابت نہ تھا کہ ہاتھ یہ کس کا ہوا قلم
اس ہاتھ پر بھی چل گئی جب تیغ بے ستم   مشکیزے کو بچانے لگے آپ ہو کے خم
یہ حوصلہ یہ ولولہ کس صف شکن میں تھا
زانو میں نیزہ مشک کا تسمہ دہن میں تھا

بے خوف سامنے سے بھی ہونے لگے جو وار   تکتا تھا شیر دست بریدہ کو بار بار
ناگاہ سر پہ آکے پڑا گرز گاؤسار   سنبھلے نہ تھے کہ تیر ہوا مشک سے بھی پار
پانی بہا تو یاد کیا تشنہ
گرتے ہوئے فرس سے پکارے امام کو

دوڑے حسین سنتے ہی عباس کی صدا   تھرا رہا تھا جسم لرزتے تھے دست و پا
رکھتے کہیں تھے پاؤں تو پڑتا کہیں پہ تھا   تھامے ہوئے تھے باپ کو ہمشکل مصطفا
کہتے تھے راہ مہر و محبت کی چھوڑ دی
عباس بھائی تم نے کمر میری توڑ دی

ہاں مومنو شہادت عباس نوجواں ذاکر زبان حال سے کرتا ہے اب بیاں
پہونچے قریب لاش جو شاہنشہ زماں دیکھا کہ جلتی ریت پہ اک شیر ہے تپاں
کن سختیوں سے جسم سے رخصت ہے جان کی
آنکھوں کے آگے موت ہے کڑیل جوان کی

لاشیں ہیں گرد بیچ میں ہے خاک پر وہ سور ایک ایک عضو تیغ و تبر سے ہے چور چور
زخموں سے خوں بہتا ہے ہے پیاس کا وفور نزدیک آکے بیٹھ گئے خاک پر حضور
اندوہ و درد و یاس کا ساماں نظر پڑا
بالائے چشم تیر کا پیکاں نظر پڑا

اکبر پکارے پیٹ کے سینہ لصد بکا بابا بدن سے ہاتھ بھی عمو کے ہیں جدا
ناگاہ پہونچی گوش حرم میں جو یہ صدا آہستہ سے کراہ کے عباس نے کہا
بیٹا نصیب تشنہ لبوں کے الٹ گئے
جن سے سہرا اٹھا مشک کو وہ ہاتھ کٹ گئے

ہے جائے شکر آگئے سلطان خاص و عام تعظیم کو بھی اٹھ نہیں سکتا ہے یہ غلام
جلدی بٹھادو مجھ کو تم اے میرے لالہ فام ہے جسم چور چور نہیں طاقت کلام
پیکاں نکالو آنکھ سے مجھ خیر خواہ کی
محروم رہ نہ جاؤں زیارت سے شاہ کی

بیتاب ہو کے کہنے لگے شاہ خوشخصال اس وقت میں بھی تم کو ہے تعظیم کا خیال
کیا کرب روح پر ہے کچھ اس کا نہیں ملال صدقہ تری وفا کے حسین اے علی کے لال
اب بھی سہارا پاس ہے کچھ اپنا غم نہیں
یا تیں یہ دل کو نیزہ و خنجر سے کم نہیں

کھینچا یہ کہہ کے آنکھ سے ناوک جو ایک بار منہ بند زخم کھل گیا چھوٹی لہو کی دھار
پونچھا جو خوں تو بولے یہ عباس نامدار صد شکر کی زیارت آقائے ذی وقار
قرآں کا رتبہ رکھتی ہے صورت امام کی
یہ آخری نکل گئی حسرت غلام کی

اکبر سے پھر کہا کہ اٹھاؤ تو مشک آب   خیمہ میں منتظر ہے سکینہ جگر کباب
پانی جو کچھ بچا ہو تو اے میرے ماہتاب   لے جاؤ سوئے خیمہ اہل حرم شتاب
تسکین ہو ان کو پیاس سے جو بلبلاتے ہیں
کہنا کہ پانی آگیا عمو بھی آتے ہیں

اکبر اٹھا کے مشک سکینہ جو پاس لائے   تیروں کے جابجا کئی سوراخ اس میں پائے
عباس بھر کے آہ یہ بولے کہ ہائے ہائے   تقدیر کے نوشتہ کو کیونکر کوئی مٹائے
چھوتے ہی مشک آنکھوں کے ساغر چھلک پڑے
پانی کے بدلے خون کے قطرے ٹپک پڑے

تڑپے اک آہ کھینچ کے عباس نوجواں   تھرایا جسم روح گئی جانب جناں
بس ہائے بھائی کہہ کے ہوئے غش شہ زماں   آنکھوں سے ٹپکے اشک وہ دل سے اٹھا دھواں
حیدر جناں سے آئے تن چاک چاک پر
اکبر پچھاڑ کھا کے گرے فرش خاک پر

خیمہ کے در سے دیکھ رہے تھے حرم یہ حال   پردے سے نکلے پڑتے تھے اطفال خورد سال
تھا بیبیوں میں شور کہ ہے ہے علی کے لال   جاری تھے اشک آنکھوں سے بکھرے ہوئے تھے بال
یوں پیٹتے تھے سب کہ زمیں تھرتھراتی تھی
آواز گریہ خیمہ سے دریا تک آتی تھی!

چلا رہی تھی ڈیوڑھی سے بنت شہ عرب   ہے ہے چچا شہید ہوئے ہو گیا غضب
دریا سے پہونچے چشمہ کوثر پہ تشنہ لب   کیا جانتی تھی پھر کے نہ آپ آئیگا اب
عمو کمی نہ ہوگی مرے اضطراب میں
جب تک دکھا نہ جائیے گا شکل خواب میں

حضرت یہ چاہتے تھے ترائی سے لاش اٹھائیں   مشتاق ہیں جو دید کے دیدار انہیں دکھائیں
لیکن جدا جو عضو ہیں کیونکر انہیں ملائیں   یہ بھی ہے دل کو شاق کہ جنگل میں چھوڑ جائیں
جان آرزو فدا ہو شہ تشنہ کام پر
تکیہ کیا مشیت رب انام پر

علامہ شرف

مرثیہ

گردوں ہے سفینہ مرے دریائے سخن کا　　سیاح ہوں مدت سے میں صحرائے سخن کا
پروانہ ہے دل شمع تجلائے سخن کا　　مشتاق ہوں پھر دید سراپائے سخن کا
اس بدر سے حسن رخ مہتاب خجل ہے
اس بحر کا موجہ مری بیتابیٔ دل ہے

اس قہر کا دریا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا　　پاس اس کے کوئی بہر تماشا نہیں جاتا
گمراہ کوئی بھول کے رستہ نہیں جاتا　　ڈوبا کوئی بالفرض تو ابھرا نہیں جاتا
مطلب نہ کوئی کوشش و تدبیر سے نکلا
نکلا کوئی مر کھپ کے تو تقدیر سے نکلا

رکھتے ہیں قدم ڈرتے ہوئے اس میں شناور　　ہیبت ہے کہ دل کانپتے ہیں خوف سے تھر تھر
اٹھتی ہے کبھی موج کبھی پڑتی ہے چادر　　نومشق جو ہیں دیکھ کے ہو جاتے ہیں مضطر
لاتا نہیں خاطر میں سما اور سمک کو
ایک ایک حباب آنکھ دکھاتا ہے فلک کو

رہتا ہے یہ آب ان میں کہ جو ظرف ہیں عالی　　ہر رجس سے ہیں پاک کثافت سے ہیں خالی
حال اس کی لطافت کا زمانہ پہ ہے حالی　　لے لے کے حریص آتے ہیں کیوں جام سفالی
اس آب کی حرمت یہ ہے ارباب نظر میں
رکھتے ہیں اسے نشہ صفت کاسۂ سر میں

درعقدہ یہ اندیشۂ بد سے نہیں ہوتا　　کچھ نفع کبھی رشک و حسد سے نہیں ہوتا
جو امر کہ خالق کی مدد سے نہیں ہوتا　　کچھ اس کا ثمر کوشش و کد سے نہیں ہوتا
بے فضل خدا کیا ہوا محنت سے کسی کی
سہل اس سے میں آیا نہ ریاضت سے کسی کی

بس بحرِ طبیعت نہیں بہتر یہ روانی — اونچا سر اعدا سے ہوا جاتا ہے پانی
حق اپنا ہے شیریں سخنی رطب لسانی — ہے نظم کہ سلک گہر بحر معانی
یہ نظم ہے یا دستۂ گل باندھے ہیں میں نے
اس بحر میں مضمونوں کے پل باندھے ہیں میں نے

مرقوم ہے عاشورہ محرم کا یہ احوال — جب ہو گیا گلزار حسن دشت میں پامال
لاشے کو اٹھانے کو چلا فاطمہ کا لال — ہمراہ ہوئے اکبر و عباس خوش اقبال
بے جاں جسد قاسم جرار کو پایا
ٹکڑے سم اسپاں سے تن زار کو پایا

حضرت نے بھی خون جگر آنکھوں سے بہایا — لے جا کے اسے گنج شہیداں میں لٹایا
کچھ کہنے کا موقع جو علمدار نے پایا — جلدی سے سر اپنا قدم شہ پہ جھکایا
کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجئے مجھ کو
ہم شکل پیمبر پہ فدا کیجئے مجھ کو

کچھ کہنے نہ پائے تھے ابھی بھائی سے سرور — اور سامنے خاموش کھڑے تھے علی اکبر
سوچا کہیں دے دیں نہ اجازت شہ صفدر — بس گر پڑے یہ بھی شہ والا کے قدم پر
رو کر کہا بسمل ہے جگر شوق وغا سے
میداں کی اجازت مجھے پہلے ہو چچا سے

رشک گل تر ایک ہے اور رشک قمر ایک — یہ پارۂ دل ایک تو ہے لخت جگر ایک
دونوں پہ ہے شبیر کی شفقت کی نظر ایک — اک بھائی برابر کا، برابر کا پسر ایک
دونوں جگر و جان ولی ابن ولی ہیں
تصویر نبی وہ ہیں یہ تصویر علی ہیں

اصرار سے بھائی کے نہ تھا شہ کو جو چارا — فرمایا نہیں دل کو مرے ضبط کا یارا
یہ داغ وہ ہیں کر سکے جو قلب گوارا — ہے شاق بہت ہجر جوان کا کہ تمہارا
صدمہ یہ دل زار و حزیں سہہ نہیں سکتا
یہ نازک ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا ۱۳۳۴ھ

میر محمد مہدی

منقبت

پھر جلوہ نما چہرۂ سلمائے سخن ہے   پھر نور فشاں عارض لیلائے سخن ہے
پھر سایہ فگن زلف چلیپائے سخن ہے   پھر حسن بیاں انجمن آرائے سخن ہے
پر تو نظر آتا ہے عروسان سخن کا
الفاظ کا پردہ ہے کہ گھونگھٹ ہے دلہن کا

خوبان مضامیں کا وہ حسن اور وہ نزاکت   ہے بار گراں جسم پہ الفاظ کا خلعت
ایطا سے تنفر ہے تو تعقید سے نفرت   مرغوب اگر ہے تو فقط اپنی بلاغت
ترکیب و اضافت تو جواہر ہے سخن کا
اعراب ہیں حرفوں کے کہ زیور ہے دلہن کا

تشدید ہے یا تاج سر شاہد مضموں   مد ہیں کسی محبوب کے یا ابروئے موزوں
دل کو ہو سکوں جزم کی تشبیہ وہ نکھوں   یہ چاند وہ ہیں جن پہ فدا ہے مہ گردوں
الفاظ ہیں یا پھول ہیں گلزار سخن کے
نقطے ہیں کہ افشاں ہے یہ چہرے پہ دلہن کے

اس طرح سے مضمون ہے الفاظ میں پنہاں   جس طرح سے نور آنکھوں میں اور جسم میں ہے جاں
عشاق کے یا دل میں نہاں الفت خوباں   یا پھول میں بو رگ میں لہو قلب میں ارماں
معشوق کی خوشبوئے دہن ہوتی ہو جیسے
شرم آنکھ میں گھونگھٹ میں دلہن ہوتی ہو جیسے

معراج سخن نعت رسول دوسرا ہے   سرتاج سخن منقبت شیر خدا ہے
مصباح سخن وصف بتول عذرا ہے   مفتاح سخن آل محمد کی ثنا ہے
مداح ہے اب دو جہاں آل نبی کا
قرآن قصیدہ ہے رسول عربی کا

واللیل کا سورہ ہے کہ گیسوئے محمدؐ والشمس ہے یا آئینہ روئے محمدؐ
بسم اللہ قرآں ہے کہ ابروئے محمدؐ خوشبو ہے جہاں سے وہ خوشبوئے محمدؐ
سینہ ہے کہ گنجینہ ہے یہ فتح و ظفر کا
پیشانیٔ انور ہے کہ سورہ ہے قمر کا

پیدا ہوئے یہ کون و مکاں آپ کے باعث پھونکی گئی مخلوق میں جاں آپ کے باعث
ہر شے کو ملی تاب و تواں آپ کے باعث قائم ہوئی دنیا میں اماں آپ کے باعث
مخلوق اگر سید لولاک نہ ہوتے
پیدا یہ کبھی گنبد افلاک نہ ہوتے

نام آپ کا ہے طرۂ دستار نبوت کام آپ کا گمراہوں کو کرنا ہے ہدایت
ذات آپ کی ہے باعث پیدائش خلقت خلق آپ کا ایسا ہے کہ نازل ہوئی آیت
انجم سپہر و مہر علم عرش قسیم ہیں
خورشید و قمر آپ کے وہ نقش قدم ہیں

یہ شاہ ولایت ہیں وہ سلطان رسالت ختم ان پہ نبوت یہاں آغاز امامت
حق نے انہیں بخشا ہے اگر تاج شفاعت حیدر کو عنایت ہوئی دیہیم کرامت
واں عرش پہ معراج سعادت ہے نبی کی
یاں خانۂ کعبہ میں ولادت ہے علی کی

داماد نبی حق کا ولی شیر غضنفر سردار امم، میر عجم، فاتح خیبر
قتال عرب، سیف خدا، قاتل عنتر بازوئے نبی، دست خدا حیدر صفدر
رتبے ہیں بڑے بادشہ ارض و سما کے
استاد ہیں جبریل کے شاگرد خدا کے

مشہور جہاں فاطمہ زہرا کی ہے عزت خالق نے عطا کی ہے جسے چادر عصمت
خاتون جناں بنت نبی مہبار عفت سردار جناں، زوجہ سلطان ولایت
جبریل امیں مدح و ثنا کرتے تھے ان کی
تعظیم رسول دوسرا کرتے تھے ان کی

فرزند ہر اک ان کا ہے اللہ کا پیارا — جن کے لئے خالق نے دو عالم کو سنوارا
بخشش کا گنہ گاروں کی ہر ایک سہارا — اک زیور کرسی ہے تو اک عرش کا تارا
زہرا کے جگر بند ہیں بیٹے ہیں علی کے
اللہ کے پیارے ہیں نواسے ہیں نبی کے

اک قبلۂ دیں ہے تو اک کعبۂ ایماں — اک صحبت حق ہے تو اک اللہ کی برہان
اک لولوئے تر ہے تو اک گوہر غلطاں — اک سورۂ یٰسین ہے تو اک سورۂ رحمان
اک جوشنِ بازو ہے رسول دوسرا کا
تعویذ ہے اک گردن محبوب خدا کا

سنہ ١٣٣٧ھ

سیماب اکبرآبادی

رباعیات

توحید کی اک برق جہندہ ہیں حسین
الحاد کے برباد کنندہ ہیں حسین
ہے ظالم و مظلوم کے انجام کا فرق
مردہ ہے یزید اور زندہ ہیں حسین

یاد ان کی سبب حیات کا بنتی ہے
اس یاد سے قوموں کی فضا بنتی ہے
ہر سال مناتے ہیں جہاں یوم حسین
دنیا ہر سال کربلا بنتی ہے

سلام

اک دور سلامی دنیا کا صدیوں میں ایسا آتا ہے
جب کوئی پیمبر اٹھتا ہے یا کوئی شہادت پاتا ہے

جب نوحہ کعبہ والوں کا رو رو کر کوئی سناتا ہے
سینہ میں روح لرزتی ہے جینے سے دل گھبراتا ہے

تسلیم و رضا کی منزل میں ہر گام پہ لاکھوں خطرے ہیں
دریا سے آگ ابلتی ہے بادل شعلے برساتا ہے

ہے زندگی جاوید کہاں یہ زندگی اس کو ملتی ہے
جنگل کی تپتی ریت پر جو اپنا خون بہاتا ہے

مردان وفا خوش ہو ہو کر تلوار کا پانی پیتے ہیں
اور زخم وہ نعمت ہے جس کو غازی ہنس ہنس کر کھاتا ہے

اکبر برچھی کھا کر بولے ہم صورت گل افسردہ ہیں
اصغر نے کہا سسکی لے کر تو غنچہ بھی مرجھاتا ہے

اے قہر خدا اس دنیا پر گرتی نہیں کیوں بجلی تیری
گھر سے دور اک پورا کنبہ جنگل میں لوٹا جاتا ہے

انسان ترے پتھر دل ہیں کیوں درد نہیں انسانوں کا
دکھ دیتا ہے مظلوموں کو معصوموں کو ترساتا ہے

اے نہر فرات اے نہر فرات افسوس کر اپنی قسمت پر
کوثر کا ساقی آج ترے ساحل سے پیاسا جاتا ہے

سجاد اسیر جور ہوئے افسوس کسی نے یہ نہ کہا
یہ پاؤں ستون کعبہ ہیں زنجیر کسے پہناتا ہے

نزدیک قیامت آپہنچی کیا صبح شہادت آپہنچی
اے صبح کے تارے کچھ تو بتا کیوں پھیکا پڑتا جاتا ہے

یہ شام کے میداں میں یارب کیا آج تباہی آئی ہے ہے ظہر کا وقت ابھی باقی اور سورج ڈوبا جاتا ہے

سیماب نظر آتی ہے مجھے ہر چیز اداس اور آزردہ
فطرت غمگین ہو جاتی ہے جب ماہ محرم آتا ہے

۱۹۳۵ء

تنہا ہیں سلامی آل عبا دینے کو دلاسہ کوئی نہیں
محشر میں انہیں کے سب ہوں گے مقتل میں انکا کوئی نہیں

احساس امامت کا کیا پاس وطنیت بھی تو نہیں
فرزند کعبہ تنہا ہے اور کعبہ والا کوئی نہیں

وہ سر رسول بطحا تھے وہ راز علی المرتضے تھے
دیکھا تو ہزاروں لوگوں نے لیکن انہیں سمجھا کوئی نہیں

کیوں حق والے درماندہ ہیں یارب اس دہر باطل میں
ان تیرے پرستاروں کے لئے کیا دوسری دنیا کوئی نہیں

راضی برضا جو ہیں ان کی محرومی کیا امیدی کیا
تسلیم و رضا کے مسلک میں پابند تمنا کوئی نہیں،

اے راہرو صحرائے وفا چلنے کی نہ کر ہمت مٹ جا
اس کے طے کرنے کا رستہ لٹنے کے علاوہ کوئی نہیں،

جو حق کے لئے کنبہ بھر کو کٹوا کر خود بھی قتل ہوا
ایسے تو حرم کے سے تا حد کلیسا کوئی نہیں،

ہے خلوتی سخن وا قرب شبیر کی رگ رگ سے واصل
پردے خنجر نے توڑ دیئے باقی اب پردا کوئی نہیں

میداں سے خیمہ تک لاشیں اور کوئی نہیں رونے والا
آنکھوں سے دامن تک آنسو اور پونچھنے والا کوئی نہیں

اے صبر و رضا کی منزل میں کانٹوں پہ سفر کرنے والے
چھالوں کی چھاگل لیتا چل رستہ میں دریا کوئی نہیں

سیماب جہاں پانی نہ ملا سبط ساقی کوثر کو
ہے خاک ہی خاک اس خطہ میں جاری اب دریا کوئی نہیں

نسیم امروہوی

مرثیہ

مسند نشینِ بزمِ طہارت ہیں فاطمہ   نفسِ نفیس جسمِ رسالت ہیں فاطمہ
راس الرئیس تاجِ شفاعت ہیں فاطمہ   اصلِ اصولِ نخلِ امامت ہیں فاطمہ
شوہر خلیلِ عصر تو بیٹے ذبیح ہیں
مریم کا ایک آپ کے گیارہ مسیح ہیں

حیدر کی جانماز ردائے بتولؑ ہے   قولِ نبی ہے فرض ولائے بتولؑ ہے
ام الکتاب محوِ ثنائے بتولؑ ہے   قرآن کے شروع میں بائے بتولؑ ہے
حیدر سمیت فاطمہ راس کتاب ہیں
بے ہیں بتولؑ نقطہ بابو تراب ہیں

حورِ بہشت حاجبِ دربارِ فاطمہؑ!   روح القدس ملازمِ سرکارِ فاطمہؑ
عین اللہ پردہ اسرارِ فاطمہؑ   عصمت کا نور غازۂ رخسارِ فاطمہؑ
ظاہر جو خد و خال سے حسنِ رسول ہے
یہ آیہ حجاب کی شانِ نزول ہے

مریم بھی ان سے کم ہیں مسیحا سے پوچھ لو   خود ہاجرہ کنیز ہیں سارا سے پوچھ لو
اپنوں کا کیا ہے تذکرہ اعدا سے پوچھ لو   جاؤ مباہلہ میں نصارا سے پوچھ لو
زہراؑ سی عورتیں ہیں نہ حیدر سے مرد ہیں
ختم الرسل کے بعد یہ زوجین فرد ہیں

بی بی یہ طہارت و عصمت کا خاتمہ   شوہر یہ ہے شجاعت و ہمت کا خاتمہ
بابا وہ ہے کہ جس پہ نبوت کا خاتمہ   پوتا وہ ہے جس پہ امامت کا خاتمہ
زہراؑ نہ ہوں تو دین کا قصہ تمام ہے
نام خدا نہیں ہے محمدؐ کا نام ہے

ساغر لبوں پہ آ کے ندا دے علیؑ علیؑ محفل میں اپنا رنگ جما دے علیؑ علیؑ
شیشہ بھی جھک کے صاف صدا دے علیؑ علیؑ قل قل کے بدلے کھل کے سنا دے علیؑ علیؑ

ایمان کا رنگ ڈھنگ شریعت کا طور ہو
قرآن بھی شریک ہو جس میں وہ دور ہو

پوچھو کتاب پاکؐ سے توقیر میکدہ کی حضرت خلیلؑ نے تعمیر میکدہ
دست خدا سے پھر ہوئی تطہیر میکدہ ساقی علیؑ ہیں شاہ رسل میر میکدہ

چودہ طبق میں بس یہی میخانہ ایک ہے
چودہ پلانے والے ہیں پیمانہ ایک ہے

ساقی یہ شب خوشی کی ہے دن سرور کا محفل بھی آج نور کی دولھا بھی نور کا
جام سرور بزم میں ہے چشم حور کا شربت کی جا ہے دور شراب طہور کا

آب بقا میں شہد لا گھول کر پلا
عقدہ کشا کے عقد میں جی کھول کر پلا

زہرہ جبیں سے خسرو خاور کا عقد ہے دُر نجف سے عرش کے گوہر کا عقد ہے
قرآن سے مشیت داور کا عقد ہے نفس نبیؐ سے جان پیمبر کا عقد ہے

بنت شہ رسلؐ کو شہ اولیا ملا
احمدؐ کو نور عین کو عین خدا ملا

سرتاج اولیا کا سیادت سے عقد ہے محبوب مغفرت کا شفاعت سے عقد ہے
مقصود کن کا حق کی امانت سے عقد ہے ایمان کل کا جزو رسالت سے عقد ہے

یکساں فضیلتیں ہیں علیؑ و بتولؑ کی
لڑکا خدا کے گھر کا تو لڑکی رسولؐ کی

غلمان و حور کا در حیدر پہ ہے ہجوم گویا در بہشت ہے باب در علوم
شادی رچی ہے کون و مکاں میں علی العموم گیتی میں جشن چرخ پہ غل آسماں پہ دھوم

تا عرش کردگار علیؑ کی رسائی ہے
اس بندۂ خدا کی وہاں بھی خدائی ہے

اب ذکرِ عقدِ جان و دلِ مصطفےٰ سنو　　مدحِ بتولؑ منقبتِ مرتضےٰ سنو
گھر کا خدا رسول کے یہ ماجرا سنو　　نسبت کہاں سے آئی ہے یہ بھی ذرا سنو
ہے حکم ربِ پیمبرِ عالی نژاد کو
بیٹی تم اپنی دے دو میرے خانہ زاد کو

یاں حکم رب ہے خوش ہیں رسولِ فلک مقام　　واں ہے علیؑ کے بیاہ کی اعلیٰ میں دھوم دھام
معمور ضو سے خانۂ معمور ہے تمام　　حق نے کیا ہے جشنِ عروسی کا اہتمام
ہے عقد جانشینِ پیمبر بتولؑ سے
قربت بڑھی خدا سے قرابت رسولؐ سے

آراستہ نکاح کی ہے بزم بے مثال　　ممبر پہ خطبہ پڑھتا ہے راحیل خوش مقال
داد و وجد کرتے ہیں لہجے کا ہر یہ خال　　بحرین کا ہے صورتِ سعدین اتصال
شاہد وہ ہے وجودِ بشر جس کے ہاتھ ہے
قاضی وہ ہے قضا و قدر جس کے ہاتھ ہے

شادی کا بارگاہ بنا داستانِ غیب　　حور و ملک ہیں بزم نشیں مکانِ غیب
سہرا بنے ہوئے ہیں گلِ بوستانِ غیب　　محوِ ادائے صیغہ ہیں گویا لسانِ غیب
شادی سے اہلِ بزم کا دل شاد ہو گیا
حق کا ولی رسولؐ کا داماد ہو گیا

ساقی وہ پھول دے جو نہ زاہد پہ بار ہو　　سرخی سے جس کی باغِ سخن لالہ زار ہو
مصرعہ مرا بہشت کے پھولوں کا ہار ہو　　باغی بھی دیکھ لے تو نہ آنکھوں میں خار ہو
وہ مے پلا دے جو ازلی میکدے کی ہے
بد ذوق بھی پیئے تو کہے ہاں مزے کی ہے

عرفاں کے نوا سے جو چھکتی ہے وہ شراب　　مومن کے جامِ دل میں چھلکتی ہے وہ شراب
تطہیر جس سے صاف ٹپکتی ہے وہ شراب　　جو غیر کے گلے میں اٹکتی ہے وہ شراب
جو دینِ پاک سے ہے معطر وہ شے پلا
جو بے بسی میں شیخ نے پی تھی وہ مے پلا

یہ جانِ مصطفےٰ صفت بوتراب ہیں بیٹے شریک نورِ رسالت مآب ہیں
ماں مطلعِ شرف ہے پسر آفتاب ہیں ام الکتاب یہ ہیں وہ گویا کتاب ہیں
زہراؑ نے اپنی گود میں کیا لال پائے ہیں
منزل میں بولتے ہوئے قرآن آئے ہیں

کیوں کر بیاں ہو بنتِ شہِ انبیا کا اوج خدمت کو جس کے در پہ ملک آئے فوج فوج
وہ قلزمِ شرف کہ طہارت ہی جس کی موج ہمنامِ حق شریکِ نبوت ہے جس کا زوج
کامل ہیں جس کے چاند شہِ بدر کی طرح
ہوتا حجاب میں ہے شبِ قدر کی طرح

صورت سے آشکارا ہے سیرت رسولؐ کی باتیں رسولؐ کی تو فصاحت رسولؐ کی
میراث میں ملی ہے کرامت رسولؐ کی تطہیرِ فاطمہؑ ہے طہارت رسولؐ کی
وارث نبی کے علم کی تنہا بتولؑ تھیں
پردہ نشیں نہ ہوتیں تو یہ بھی رسولؐ تھیں

صدیقہ و ذکیہ ہے فخرِ آسیہ مرضیہ و رضیہ و زہراؑ و راضیہ
ہے مصحفِ حجاب و حیا نفسِ آسیہ آیا ہے جس کا سورۂ مریم سا حاشیہ
حیدرؑ میں یہ صفت نہ رسولِ حجاز میں
تسبیحِ فاطمہؑ کی ہے شامل نماز میں

چمکا وجودِ فاطمہؑ سے پنجتن کا نور نفسِ نبیؐ کا نور رسولِ زمن کا نور
قائم ہے تا قیام حسینؑ و حسنؑ کا نور وجہِ بقا بنا ہے علیؑ کی دلہن کا نور
جلوے سے دین کے جو زمیں رشکِ طور ہے
یہ فاطمہؑ کے نور کا سارا ظہور ہے

زہراؑ کے دم سے گلشنِ ایماں مہک گیا امیدِ مغفرت کا شگوفہ چٹک گیا
عصمت کی ضو سے نور کا دریا چھلک گیا احمدؐ کے گھر علیؑ کا ستارہ چمک گیا
ذاتی شرف بتولؑ کے رشتے سے بڑھ گئے
عین خدا نبی کی نگاہوں پہ چڑھ گئے

سب بیبیاں ہیں خدمت زہراؑ میں موجود — بی بی کے گرد پھر کے ہوئیں آسیا مرید
عیسیٰ کی ماں کو بھی ہے مسیحائی کی امید — قربان ہو رہی ہیں ہے ہاجرہ کو عید
زوجہ خلیلؑ کی طبق زر لیے ہوئے
سارا ریاض خلد کا عنبر لیے ہوئے

شادی کے اہتمام میں ساری خدائی ہے — مہندی پئے عروس شفق لے کے آئی ہے
خورشید کے طبق میں سحر غازہ لائی ہے — والنجم نے ستاروں کی افشاں لگائی ہے
سرمہ حیا ہے چشم حقیقت شناس کا
خلق نبیؐ ہے عطر نبیؐ کے لباس کا

ہے دین کی زیب زیور خاتون دو جہاں — جھومر ہے سر پہ رحمت خلاق وانس جاں
روشن جبیں پہ چاند کی جا سجدہ کا نشاں — کانوں میں وعظ و پند پیمبر کی بالیاں
ہیں گوشوارے عصمت و عفت کی شان کے
یہ ہیں جواہرات رسالت کی کان کے

ہے واجبات دین کا گلوبند پر ضیا — گردن کا طوق مرضی اللہ و مصطفےٰ
تسبیح سچے موتیوں کی سلک بے بہا — ہر جس کے دانہ دانہ پہ داوائے کل فدا
مالا ہے معرفت کا در شاہوار کا
ناد علیؑ کا نقش ہے تعویہار کا

ناخن کا آئینہ ہے انگوٹھے میں آرسی — چھلوں کی جا ہیں انگلیوں میں جوہر نبی
انگشتری ہے مہر سلیمان نبی سبھی — کندہ نگیں در نجف پر ہے یا علیؑ
گھر کی بھی زیب و زین ہے زیور کے ساتھ میں
ہے دامن علیؑ کا علی بند ہاتھ میں

جوشن ہے جوشنیں کا گنگن ہے زہد کا — پازیب فخر پیروی حکم کبریا
عصمت ردا نبی ہے طہارت ہی کفش پا — ملبوس پاک جامۂ تن زیب ھل اتیٰ
تاج کرم ہے بنت رسولؐ زمن کے سر
امت کی مغفرت کا ہے سہرا دلہن کے سر

مسند نشین بزم کرامت دولہن بنی — مشاطۂ عروس عبادت دولہن بنی
وجہ کمال حسن رسالت دولہن بنی — قرآن پکارا رحل امامت دولہن بنی
ایسی سجی کتخدائی نہ ہوگی خدائی میں
خالق نے گیارہ لال دیے رونمائی میں

یہ فاقہ کش بہشت کی جاگیر پائے گی — تحفہ میں حق سے آیۂ تطہیر پائے گی
زحمت کرے گی ناز وہ توقیر پائے گی — یعنی خدا سے شبّر و شبیّر پائے گی
دل ہے غنی کہ مادر آل رسولؐ ہے
حق کی امانتوں کا خزانہ بتولؑ ہے

وہ شادی عروسی مخدومۂ انام — وہ بند و بست عقد امام فلک مقام
جھک جھک کے دیکھنا وہ فلک کا یہ دھوم دھام — کروبیوں کی بھیڑ فرشتوں کا اژدہام
سہرا لیے بہشت سے رضوان آیا ہے
صورت کے اشتیاق میں قرآن آیا ہے

جوڑا شہانہ سجنے لگے شاہ ذوالفقار — عزت عبا جلال قبا پیرہن وقار
بالائے سر عمامہ اسرار کردگار — نعلین وہ کہ دوش نبی دیکھے بار بار
سہرا کلاہ جود پہ حاجت روائی کا
کنگنا بندھا کلائی میں مشکل کشائی کا

حق مانگنے لگے جو ملائک تھے محو دید — روح الامیں پکارے ہیں شاگرد ہوں شدید
میکال بولے حق سے ہے قربت مجھے مزید — رضوان نے دست بستہ کہا میں بھی ہوں مرید
رخ کی بلائیں لینے کا موقع جو پا گئیں
حوریں ادب سے نیگ جھگڑنے کو آ گئیں

لو دھوم سے چلی اسداللہ کی برات — شمعیں پکارتی تھیں یہ شب ہے شب برات
سچے بہانیوں کی جہنم سے ہے برات — ناکام حاسدوں کے لیے سورۂ برات
اہل نفاق رشک سے بے موت مر گئے
چڑھنے لگی برات تو چہرے اتر گئے

نوشاہ کی رکاب میں حاضر ہیں جاں نثار | غلمان و حور جن و ملک باندھے ہیں قطار
شادی کے گیت گاتی ہیں حوریں جو بار بار | مشکل کشا کی حمد و ثنا کا بندھا ہے تار
داؤد کی زباں پہ ہیں نغمے زبور کے
ہیں انبیاء جلوس میں پیچھے حضور کے

والفجر چاندنی کا ہے آنچل لئے ہوئے | والتین ڈالی دینے کو ہے پھل لئے ہوئے
واللیل بہر چشم ہے کاجل لئے ہوئے | والطور آگے آگے ہے مشعل لئے ہوئے
والفتح کا حضور کے بازو پہ ہاتھ ہے
والشمس پیچھے پیچھے ہے والنجم ساتھ ہے

ہے گونج طبل کلمۂ طیب کی تا سما | طاشے خدا کی حمد کے بجتے ہیں جا بجا
گویا شہادتین کا ہے جھانجھ برملا | تکبیر جبرئیل ہے شہنائی کی صدا
نعروں سے گونجتی ہے فضا دو جہاں کی
نقارے ہیں درود کے نوبت اذان کی

برپا ہے جشن مرتضوی تا بہ لامکاں | حوروں میں رت جگا ہے سجائی گئی جناں
زہرہ نے اپنے رقص سے باندھا ہے وہ سماں | خود جھومتا ہے وجد میں طاؤس آسماں
بزم طرب میں عالم بالا شریک ہے
وہ بھی شریک حال ہے جو لاشریک ہے

گھر تک گئی نبی کے جو ان باجوں کی صدا | پردے سے دیکھنے لگیں ازواج مصطفےٰ
فرحت سے جھومنے لگے اصحاب باصفا | خوش آمدید کہنے لگی رحمت خدا
قرآن ساتھ ساتھ نغمہ سرائی کو
خود پیشوائے خلق بڑھا پیشوائی کو

پہونچے نبی کے گھر جو امام فلک جناب | نور ازل کی مسند زریں بچھی شتاب
تھی چاندنی جو روئے نبی کی بہ آب و تاب | بیٹھے جھکائے سر کو دو زانو ابو تراب
سامان عقد حضرت مشکل کشا ہوا
قدسی وکیل شاہد عادل خدا ہوا!

محفل ہوئی شروع جو حمد و ثنا کے ساتھ
آئے ملک بھی نعرہ صلِ علیٰ کے ساتھ
باندھا علیؑ نے مہر جو تھوڑا حیا کے ساتھ
گویا عطا کا جوڑا ملا اہلِ اتقا کے ساتھ
حق کی رضا سے مرضیٔ خیر الانام سے
تسبیح پاک کا ہوا رشتہ امام سے

قرآن زبان حق سے پکارا بصد ادب
ایمان کا سلسلہ یہ رشتہ بحکم رب
دولھا دولہن خدا و نبی کے ہیں منتخب
رکھتے ہیں دونوں اشرف اعلیٰ حسب و نسب
ان کے یہ کفو ہیں یہ ان کی نظیر ہیں
یہ سیدہؑ ہیں اور یہ جناب امیرؑ ہیں

وہ بزم باغِ خلد یہ مومن جناں کے پھول
دولھا علیؑ خدا کا ولی اور دُلہن بتولؑ
وہ خطبہ نکاح وہ ایجاب وہ قبول
غل پڑ گیا یہ عقد مبارک ہو یا رسولؐ
محبوب کی خوشی سے خدا شاد ہو گیا
گھر آج اہلِ بیت کا آباد ہو گیا

دل سے دعائیں دینے لگے صاحبِ ولا
پھولیں پھلیں جہاں میں زہراؑ و مرتضےٰ
اشعار تہنیت کا ہوا شور جا بجا
کی مقتضائے حال نے حضرت سے التجا
ہر لطف بوستانِ جناں کی شمیم کا
سُن لیجئے حضور یہ سہرا نسیمؔ کا

اسلام کے وقار کا سہرا علیؑ کے سر
احمدؐ کے افتخار کا سہرا علیؑ کے سر
قدرت کے اختیار کا سہرا علیؑ کے سر
توحید کردگار کا سہرا علیؑ کے سر
سہرا ہے فرقِ پاک پہ عہدِ الست کا
سہرا علیؑ کے سر ہے بتوں کی شکست کا

تنویر ذوالجلال کا سہرا علیؑ کے سر
معبود کے جمال کا سہرا علیؑ کے سر
کفار کے زوال کا سہرا علیؑ کے سر
ایمان کے کمال کا سہرا علیؑ کے سر
پایا ہوا نبیؐ سے خدا کا چنا ہوا
نعمت کے خاتمہ کا ہے سہرا بندھا ہوا

تنزیل قل کفا کا ہے سہرا علیؑ کے سر   لاسیف ولا فتیٰ کا ہے سہرا علیؑ کے سر
معراج ہل اتیٰ کا ہے سہرا علیؑ کے سر   تطہیر و انما کا ہے سہرا علیؑ کے سر
مل کر خدا رسول نے دولھا بنایا ہے
قرآن کا سہرا آل کی کشتی میں آیا ہے

سہرا علیؑ کے سر ہے خدا کے کلام کا   سہرا علیؑ کے سر ہے قیود و قیام کا
سہرا علیؑ کے سر ہے محمدؐ کے نام کا   سہرا علیؑ کے سر ہے درود و سلام کا
سب کی گرہ کشائی کا سہرا علیؑ کے سر
المختصر خدائی کا سہرا علیؑ کے سر

ایک اک کلی پہ سہرے کی تھے محو انس جاں   جو باندھا اور بازی آتش نے اک سماں
تارے تھے پھول آگ کے چرخ تھا آسماں   چھٹنے لگیں حسود کے منہ پر ہوائیاں
باطن میں بوتراب سے جس کو غبار تھا
اس اہل نار کا دل سوزاں انار تھا!

لو عقد کے تمام منازل ہوئے تمام   عوارت میں ہے آرسی مصحف کا اہتمام
لایا ہے عرش لوح کا آئینہ لا کلام   عصمت ادھر ہے بیچ میں قرآن ادھر امام
آنکھیں رسولؐ کی ہیں علیؑ کی نگاہ میں
عین خدا ہے بنت نبیؐ کی نگاہ میں

سب رسمیں حد شرع میں جب ہو چکیں ادا   ہر صاحب ولا نے سلامی میں دل دیا
ہجرت نے دی جو مسند سلطان انبیاء   قرآں نے بڑھ کے پیش کیا تاج انما
قدرت قلم کو سونپ کے محفوظ ہو گئی
دامن میں آ کے لوح بھی محفوظ ہو گئی

جو کچھ تھا جس کے پاس علیؑ پر کیا نثار   اسلام نے کتاب شجاعت نے ذوالفقار
مسند رسولؐ نے جو عطا کی بصد وقار   بس دے دیا خدا نے خدائی کا اختیار
مختار کائنات ید اللہ ہو گئے
نوشاہ کیا بنے کہ شہنشاہ ہو گئے

غلمان و حور قدسی و ابدال انبیاء　　خدمت نے سب نے پیش کیا تحفہ ولا
آدم کو جو لائے نذر کو صفوت بصد صفا　　کشتی میں شکر کے بڑھے نوح ناخدا
بولے خلیل اب میری خلت نثار ہو
خلت کا ذکر کیا ہے امامت نثار ہو

غل ہر طرف ہے تحفۂ ادنیٰ قبول ہو　　ایوب صبر لایا ہے مولا قبول ہو
خالق کے شیر ہیبت موسیٰ قبول ہو　　یوسف کا حسن زہد مسیحا قبول ہو
سب انبیاء کے وصف ید اللہ پا گئے
جلوے سمٹ کے مرکز اصلی پہ آ گئے

نواب و داع بنت نبی کی دھوم دھام　　تھوڑا ہے مہر کہتے ہیں آپس میں تلخ کام
سرخم کیا علی نے جو سن سن کے یہ کلام　　شرم و حیا سے اور بھی دولہا بنا امام
ناگاہ آیا حکم خدائے عزیز کا
دونوں جہاں ہیں مہر ہماری کنیز کا

بنت نبی کا مہر ہے آب و نمک تمام　　اب ان سے جو کہ بغض رکھے وہ نمک حرام
انصاف اپنے دل میں یہ فرمائیں خاص و عام　　مادر کا مہر نہر ہے بیٹا ہے تشنہ کام
کہتا ہے رحم کھاؤ پیمبر کے واسطے
اک جام آب دو علی اصغر کے واسطے

دیکھو جہیز دختر سردار انبیاء　　کل ایک مس کا جام ہے اور ایک بوریا
دو چادریں ہیں تار نظر سے جنھیں سیا　　ایک مشک ایک کاسۂ چوبی اک آسیا
سب ہیں وہ رنگ ڈھنگ جو حق کو پسند ہیں
زیور میں صرف چاندی کے دو بازو بند ہیں

کیوں یارو اس جہیز کا انجام کیا ہوا　　سب کربلا میں نذر سپاہ جفا ہوا
مشکیزہ پر حسین کا بازو فدا ہوا　　تیروں سے مثل سینۂ شہ نہا چھنا ہوا
شبیر کربلا میں جو زینب سے چھٹ گئے
چادر بھی بازو بند بھی مقتل میں لٹ گئے

ناقہ طلب کیا شہ گردوں رکاب نے　　دی بڑھ کے ترقو کی صدا شیخ و شاب نے
رو کی قناعت عشتم رسالتؐ مآب نے　　تھرا کے منہ کو پھیر لیا آفتاب نے
ستر ہزار حوریں تھیں حلقہ کئے ہوئے
امت کا پردہ پوش تھا پردہ کئے ہوئے

نعرہ یہ تھا نقیب جلالت کا بار بار　　خاتون دو جہاں کی سواری ہے ہوشیار
زہرا قریب ناقہ پہونچیں بصد وقار　　بازو پکڑ کے شاہ رسل نے کیا سوار
رخصت ہوئی برات شہنشاہ دیں چلے
پیچھے درود پڑھتے ہوئے مومنیں چلے

دیکھو شکوہ بنت سلیمان دو جہاں　　محبوب رب عقب میں سواری کے تھے رواں
ناقہ بڑھا رہے تھے عصا سے بعز و شاں　　سلمانؓ سا نبی کا صحابی تھا ساربان
یا فاطمہؑ غلام کا دل تھر تھر آگیا
اس وقت ساربان حرم یاد آگیا

سب مرد تھے سواریٔ بنت نبیؐ سے دور　　ہمراہ تھیں زنان مدینہ بصد سرور
آگے رسول پاک کی ازواج ذلیشعور　　پیچھے برہنہ تیغیں لئے ہاشمی غیور
ناقہ پہ زوجۂ اسد ذوالجلال تھی
دیکھے ادھر پرند کوئی کیا مجال تھی

گردوں کے دور میں یہ سواری تھی یادگار　　واحسرتا کہ بھول چرخ کج مدار
رونے کی جا ہے دختر زہراؑ کا حال زار　　سر ننگے بے کجاوہ کے ناقہ پہ تھی سوار
واں فاطمہؑ کے ساتھ رسول قدیر تھے
یاں عابدؑ مریض تھے وہ بھی اسیر تھے

واں دم بدم نقیب کے لب پہ تھی یہ صدا　　منہ ڈھانپ لو کہ ناقہ پہ ہے بنت مصطفیٰؐ
یاں تھی قدم قدم پہ منادی کے یہ ندا　　یہ سر حسینؑ کا ہے یہ زینب ہے بے ردا
دیکھو رسن میں بنت شہ دستگیر ہے
عباس سے دلیر کی بھاوج اسیر ہے

پردے میں واں تھی بنتِ شہنشاہِ مشرقین یاں بے نقاب فاطمہ زہراؑ کی نور عین
واں تھیں مخدرات رجز خواں بہ زیب و زین یاں پڑھ رہا تھا کہف کا سورہ سرِ حسینؑ
کہتی تھی روحِ فاطمہؑ یارب دوہائی ہے
سر ننگے میری لاڈلی بلوے میں آئی ہے

حوریں وہاں تھیں ساتھ بصد شوکت و جلال یاں فاطمہؑ کی روح پریشاں کئے تھے بال
پر مارنے کی واں نہ پرندے کو تھی مجال یاں تازیانے مارتا تھا شمرِ بدخصال
عباسؑ تھے مدد کو نہ شاہِ جلیل تھے
خوں بہہ رہا تھا جسم پر شانوں پہ نیل تھے

زینبؑ تو صبر کرتی دکھ سہہ کے بار بار فضّہ پکارتی تھی یہ رو رو کے زار زار
یا مرتضیٰ علی ولی شیر کردگار للّٰہ رحم کھاؤ خوزادی پہ ہیں نثار
عشق آ نہ جائے بیٹی کو اب دیکھ بھال لو
بنتِ رسول اپنی امانت سنبھال لو

بس اے نسیم روحِ پیمبر ہے بے قرار سر پیٹتی ہیں فاطمہؑ حیدر ہیں اشکبار
زہراؑ کے دونوں لال بھی روتے ہیں زار زار لے تیرا مرثیہ ہوا مقبول کردگار
خالق کے پیارے سننے کو تشریف لائے ہیں
بزمِ عزا میں پنجتن پاک آئے ہیں

○

نجم آفندی

سلام

لاکھ ظلم روزگار دیکھتا چلا گیا
صاحب صد اختیار دیکھتا چلا گیا

گھر کا گھر بگڑ گیا قوم کے بناؤ میں
لٹ گئی بہار دیکھتا چلا گیا

دیکھتے ہی دیکھتے سب چمن اجڑ گیا
فاطمہ کا گلعذار دیکھتا چلا گیا

اس کے اختیار میں موت بھی تھی زیست بھی
موت کو بروئے کار دیکھتا چلا گیا

اس کے عزم خیبر میں کچھ کمی نہ آسکی
وہ حرم کا حال زار دیکھتا چلا گیا

بے خودی کی صورتیں وہ اداس مورتیں
جان دو جہاں نثار دیکھتا چلا گیا

اپنے خوں میں لوٹ کر اپنی شان دلبری
کا یادگار دیکھتا چلا گیا

سینہ پر لگی سناں ہائے اکبر جواں
خون ہو گئی بہار دیکھتا چلا گیا

تیر سے بجھائی جب حرملہ نے تشنگی
منہ پدر کا شیر خوار دیکھتا چلا گیا

موت میں حیات میں فیض کائنات میں
اضطراب روزگار دیکھتا چلا گیا

چاہتا اگر حسین مٹ گئے تھے مشرقین
دین حق کا تاجدار دیکھتا چلا گیا

آئیں جب امام عصر سے یہ کہے کوئی
نجم زار انتظار دیکھتا چلا گیا

کیا سخت واردات تھی خنجر گلے پہ تھا
ہونٹوں پہ حق کی بات تھی خنجر گلے پہ تھا

پھیلا رہا تھا نور صداقت جہان میں
تنظیم شش جہات تھی خنجر گلے پہ تھا

دولھا بھی ایک لمحہ کا مہماں تھا شام تک
سوئی ہوئی برات تھی خنجر گلے پہ تھا

اک آن میں فضائے دو عالم بدل گئی
اک سانس کی حیات تھی خنجر گلے پہ تھا

اندھیر ہو رہا تھا جہان خراب میں — کیا جانے دن تھا رات تھی خنجر گلے پہ تھا
سجدہ میں سر لبوں پہ دعائیں نظر میں شکر — دل میں خدا کی ذات تھی خنجر گلے پہ تھا
اصغر کا داغ رخصت آخر نماز عصر — تکمیل واقعات تھی خنجر گلے پہ تھا
روح حسین بارگاہ بے نیاز میں ، — ممنون التفات تھی خنجر گلے پہ تھا
یوں کوئی نہر پر نہ ہوا ذبح تشنہ لب — دو گام پر فرات تھی خنجر گلے پہ تھا
دیکھا ہو بھائی کو جو تڑپتے تو کیا عجب — زینب پس قنات تھی خنجر گلے پہ تھا
کس وقت ورثہ دار نبی کو کیا شہید — جب ساعت صلوٰۃ تھی خنجر گلے پہ تھا
سویا علی کا لال دو عالم کو جیت کر — مٹھی میں کائنات تھی خنجر گلے پہ تھا
کیا جان دے کے نجم گیا جان مرتضےٰ
جب موت میں حیات تھی خنجر گلے پہ تھا

ماتم

ہر عالم نو میں کرم عام رہے گا — ہر دکھ میں دوائے دل ناکام رہے گا
دنیائے دگر کے لئے پیغام رہے گا — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

مانا کہ زمانہ کا رہے گا نہ یہ عالم — ترتیب تمدن کی یہ ہو جائے گی برہم
پھر اور کسی رنگ میں ہوگا ترا ماتم — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

ذروں کی زباں پر ہے تری تشنہ دہانی — تاروں کی ہے دیکھی ہوئی اکبر کی جوانی
بھولے گی نہ فطرت علی اصغر کی کہانی — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

سو بار بدل جائیں زمانے کی فضائیں — یورپ میں چلیں گی یونہی پچھم میں ہوائیں
دہرائیں گی لوٹتے ہوئے خیموں کی صدائیں — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

آنکھوں سے اگر خون کی ندی نہ بہے گی — دل روئیں گے یوں روح دغا کرب سہیگی
تو عین محبت ہے محبت تو رہے گی — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

دیکھے جو زبانوں کی خموشی کا قرینہ — تاریخ کے اوراق کا پھٹ جائیگا سینہ
سو طرح رلائے گا محرم کا مہینہ — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

انسان کریں گے جو ترے حق میں تکلم — ماتم کی صدا دے گا پرندوں کا ترنم
آہوں سے بدل جائے گا غنچوں کا تبسم — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

پانی کی جگہ ابر سے برسیں گے شرارے — تڑپیں گے مہ و مہر و فلک درد کے مارے
پرسا ترا دیں گے ترے نانا کو ستارے — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

منہ غم سے نکل آئے گا دریا کا ذرا سا — پانی یہ کہے گا کوئی مارا گیا پیاسا
ساحل پہ پکارے گا محمد کا نواسا — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

اٹھ جائے گی ماتم کی اگر رسم زمیں سے — ہوگی نہ کمی غم کی حقیقت میں کہیں سے
چھوٹے گا نہ خوں مادر گیتی کی جبیں سے — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

اغلب ہے کہ تربت میں تڑپ جائیں گی مادر — کرار کے مدفن میں بدل جائیں گے تیور
پھر قبر سے شاید نکل آئیں گے پیمبر — دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

اے نجم الٹ جائے گا یہ پردۂ غیبت
نکلے گا ادھر تیغ بکف مرکز حجت
کرتی ہوئی ماتم ادھر آئے گی قیامت
دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

ماتم

اے صاحب دل واقف اسرار زمانہ
اے حکمت و تدبیر و سیاست میں یگانہ
تاریخ کا سب ہے تری نظروں میں خزانہ
سن ہم سے یہ اعجاز حسینی کا ترانہ
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر رہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر رہی ہے

وہ درد ہے دل جس کو بھلا ہی نہیں سکتا
وقت اس کی حدوں کو کہیں پا ہی نہیں سکتا
ہاتھ اس کو زمانے کا مٹا ہی نہیں سکتا
پانی یہ کبھی آگ بجھا ہی نہیں سکتا
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر رہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر رہی ہے

اے دوست زمانہ کی ہر اک چیز ہے فانی
تا حشر رہے گی مگر اس غم کی جوانی
سو رنگ سے آفاق میں ہے مرثیہ خوانی
ہر درد میں اس درد کی ہے یاد دہانی
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر رہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر رہی ہے

یہ غم دل انساں میں ہے فطرت کی امانت
اس غم نے سکھائی ہے صداقت کی حمایت
اس غم کے سہارے سے ابھرتی ہے شجاعت
بیکس کی یہ تلوار ہے مظلوم کی طاقت
سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر رہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر رہی ہے

کچھ خون ہے پھیلے تو دو عالم کو ڈبو دے   کچھ خاک ہے الفاس کی ہیروں کو جو دھو دے
جذبات محبت کو شجاعت میں سمو دے   انسان نظر ڈال کے بو سونگھ کے رو دے

سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر دہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر دہی ہے

صدیوں سے ہے دنیا میں یونہی معرکہ آرا   کوئی تو حقیقت ہے جو ہے دل کو گوارا
رکتا نہیں اس درد کے طوفان کا دھارا   فرات کا ہے اس کی اشاعت میں اشارا

سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر دہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر دہی ہے

مرتا ہے جو فرزند کسی کا کوئی خوش خو   یاد آتا ہے ماں باپ کو ہر چند وہ گلرو
دو چار برس بعد نکلتے نہیں آنسو   شبیر کا غم ہے کہ بدلتا نہیں پہلو

سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر دہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر دہی ہے

لو ہم سے محبت کے خزانوں کی مثالیں   ایثار و صداقت کے نشانوں کی مثالیں
حق بات پہ لٹتی ہوئی جانوں کی مثالیں   بچوں کی ضعیفوں کی جوانوں کی مثالیں

سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر دہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر دہی ہے

وہ دشت بلا وہ ستم تشنہ دہانی   وہ خشک گلے اور وہ تلوار کا پانی
مٹتی ہوئی ایک ایک پیمبر کی نشانی   دیکھیں تو بھلا دے کوئی اکبر کی جوانی

سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر دہی ہے
تیرہ سو بعد بھی تاثیر دہی ہے

جنگل میں بہا خون بہتر[۲] کے گلے کا   ساحل پہ علمدار دلاور کے گلے کا
سجدہ میں مگر سبط پیمبر کے گلے کا   تیر آج بھی دلدوز ہے اصغر کے گلے کا

سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر دہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر دہی ہے

پیاسے تھے مگر آئے تھے گھوڑوں کو ڈپٹ کر بچے بھی رہے ان میں جوانوں سے نہ گھٹ کر
آئی جو اجل سر پہ تو دیکھا نہ پلٹ کر جاتے ہیں یہ منظر کہیں تاریخ سے ہٹ کر

سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر وہی
ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی
ہے

پانی پہ نظر پڑتے ہی یاد آتے ہیں پیاسے بچوں کی وہ تکلیف جوانوں کے دلاسے
بیگانہ کوئی لاکھ ہو مجلس کی فضا سے وہ آپ دہل جاتے ہیں ماتم کی صدا سے

سب غم ہیں دو روزہ غم شبیر وہی
ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی
ہے

کوکب شادانی

مرثیہ

تمام حمد ہے خلاقِ مہرباں کے لئے — اسی کا نام ہے تعویذ حفظ جاں کے لئے
اسی نے کام کی تقسیم کی جہاں کے لئے — ضیا نظر کے لئے نطق ہے زباں کے لئے
چمک دمک ہے مہ و آفتاب کا حصہ
چٹک کلی کا مہک ہے گلاب کا حصہ

خدا نے یوں تو دو عالم کو زندگی بخشی — گلوں کو رنگ ستاروں کو روشنی بخشی
مگر جہاں جسے بخشی سپردگی بخشی — کسی کو خوئے بغاوت نہ سرکشی بخشی
نظام دہر یہی ہے کہ ماہ ماہ رہے
اور آفتاب فقط زندگی کی راہ رہے

بشر جو چاہے تو عالم میں انتخاب بنے — یہ اپنی ذات میں دریا بنے سراب بنے
بنے گناہ کہ سرتا بپا ثواب بنے — اٹھے تو جانِ حقیقت گرے تو خواب بنے
یہ اختیار خدا نے اسی کو بخشا ہے
یہ امتیاز فقط آدمی کو بخشا ہے

ہر اک لکیر مگر کہکشاں نہیں بنتی — جہاں میں گرد کہیں کارواں نہیں بنتی
خزاں بہار زمیں آسماں نہیں بنتی — تڑپ نہ ہو تو جبیں آستاں نہیں بنتی
یہاں بنائے ترقی دنا شناسی ہے
عروج نفس کا باعث خدا شناسی ہے

اگر رسول کا ہر کام تھا خدا کے لئے — تو دین حق کی حمایت تھی مرتضےٰ کے لئے
حسن کی جان بھی ہر چند تھی دعا کے لئے — ابھی کسی کی ضرورت تھی کربلا کے لئے
اس امتحان کی خاطر حسین کو بھیجا
خدا نے جن کے شہ مشرقین کو بھیجا

کمان صدق سے اڑتا ہوا خدنگ آیا
جہانِ کذب کو گویا پیام جنگ آیا
وفا کے واسطے کر نئی امنگ آیا
پھر اک نیا رخ انسانیت پہ رنگ آیا
جہان شوق نے لی مسکرا کے انگڑائی
خزاں کی فصل گئی ہر طرف بہار آئی

زمانہ کشمکش و پیچ و تاب سے چونکا
خیال آب و خیال سراب سے چونکا
سکوت شوق نئے انقلاب سے چونکا
ہر ایک دیدۂ پر خواب، خواب سے چونکا
بہار نو تھی کہ مشرقین کی آمد
پیام صبح تھی گویا حسین کی آمد

کوئی رسول نہ تھا آخری رسول کے بعد
نہ اب کتاب تھی قرآں کے نزول کے بعد
نہ انبساط رسول اور اس رسول کے بعد
خیال رد کسے آتا بھلا قبول کے بعد
نہ تھا فتور بظاہر کسی کی نیت میں
مگر یزید کی فطرت تھی ذہن قدرت میں

ادھر یزید کی آمد تھی نام کی صورت
ادھر ولادت شبیر کام کی صورت
ادھر خوشی میں فقط جشن عام کی صورت
ادھر تھی ابن کے خیام کی صورت
وہاں نظر میں تھی دنیا ہوس کے رشتے تھے
یہاں نگاہ میں تقدیر کے نوشتے تھے

نظر نظر میں وہاں تھی جہول کی فطرت
نفس نفس میں یہاں تھی رسول کی فطرت
وہاں دماغ میں اک بے اصول کی فطرت
یہاں علی کی حسن کی بتول کی فطرت
ادھر یزید کی فطرت میں صرف شاہی تھی
ادھر حسین کی فطرت میں دیں پناہی تھی

وہاں غرض سحر و شام عیش و مستی سے
نفس نفس پہ یہاں کام حق پرستی سے
وہاں تھی کوئی جو نسبت تو جہل و پستی سے
یہاں تھا صرف تعلق عروج ہستی سے
وہاں نظر میں گل و لالہ و بہار کی بات
یہاں فقط نگہ حق میں اعتبار کی بات

وہاں ہے طینت فاسد طبیعت غضبی   یہاں مزاج میں یکسر حلاوت غیبی
ادھر یزید ہے اور پشت ناقۂ عربی   ادھر حسین کو حاصل عروج دوش نبی

ادھر ہے دست تعیش میں زر نگار بہار
ادھر ہے ہاتھ میں گیسوئے مشک بار بہار

جو اس طرف دل بدخو و شیوۂ پندار   تو اس طرف دل معصوم و جذبۂ ایثار
جو اس طرف زر و دولت نفس نفس کی پکار   تو اس طرف نگہ بے نیاز و فقر شعار

ادھر فقط طلب ننگ و نام ہے ہر وقت
ادھر رضائے الٰہی سے کام ہے ہر وقت

ادھر ہے ناز اگر عیش آفرینی پر،   ادھر ہے فخر فقط بوریا نشینی پر،
ادھر ہے جوشش زمانہ کی خوشہ چینی پر،   تو اکتفا ہے ادھر صرف حق گزینی پر،

غرض یزید وہاں ہے تو ہیں حسین یہاں
ہر ایک بات میں ہے بُعد مشرقین یہاں

حسین عہد پہ قائم یزید عہد شکن   یزید صید زمانہ حسین صید افگن
حسین جانِ تحمل، یزید روحِ فتن   حسین روح دو عالم یزید ننگ زمن

یزید حرص کا بندہ حسین بندۂ حق
یزید محفل ظلمت، حسین بزم شفق

حسین کانِ طہارت یزید کانِ فجور   یزید قعر مذلت حسین منزل طور
حسین چشم محبت یزید چشم غرور   یزید بزم جہالت حسین بزم شعور

یزید برہمی و نکبت و پریشانی
حسین جلوہ گہ ارتفاعِ انسانی

یہ بات حق ہے نہیں کوئی اشتباہ یہاں   مماثلت کا گماں بھی ہے اک گناہ یہاں
محال ہے نہیں شکل فقط شباہ یہاں   کہ دور دور نہیں وجہ رسم و راہ یہاں

ادھر گناہ ادھر انتباہ نصب العین
ادھر یزید یزید، اس طرف حسین حسین

یہاں کہو پئے بیعت مطالبہ کیسا
یہاں تباؤ یہ حجت مطالبہ کیسا
یہاں برائے خلافت مطالبہ کیسا
یہاں بہ ضمن نیابت مطالبہ کیسا
حسین کو ہو کہو کس طرح قبول یزید
بھلا خلیفۂ حق نائب رسول یزید!

یکایک اسوۂ مہر و وفا نے کروٹ لی
نگاہ و قلب سکوں آشنا نے کروٹ لی
خیال ابن شہ حل اتیٰ کے کروٹ لی
کہ جیسے نیند میں شیر خدا نے کروٹ لی
بنام عہد پذیرائی بلا جاگے
دل حسین میں ارمان کربلا جاگے

نظر کے سامنے آئی رسول کی عزت
نظام عقل و جہان اصول کی عزت
وہیں نگاہ سے گزری بتول کی عزت
قبول حسن کی حسن قبول کی عزت
علی کی یاد نے گرما دیا دل وجاں کو
حسن کی یاد نے تڑپا دیا دل وجاں کو

نظر پڑی علی اکبر کے روئے انور پر
تو جیسے تیر لگا آکے قلب اطہر پر
جما خیال ذرا پھر جو عمر اصغر پر
ہوا لہو کا گماں اشک دیدۂ تر پر
کہا یہ دل میں یہ لخت جگر یہ نور العین
خود اپنے ہاتھ سے نہلائے خوں میں ان کو حسین

چلے جو ساتھ کہیں خواہر و برادر بھی
حرم بھی ساتھ ہوئے خورد سال دختر بھی
اگر حسین کو سہنے پڑے یہ خنجر بھی
خدا کی راہ میں کام آگئے جو اصغر بھی
خدا ہی جانے کہ اس کا مآل کیا ہوگا
بہار باغ رسالت کا حال کیا ہوگا

یہی خیال تھا دل میں کہ آگئے عباسؑ
اور آکے دیدہ و دل میں سما گئے عباسؑ
تصورات کی دنیا پہ چھا گئے عباسؑ
خموش دیکھ کے کچھ روز پا گئے عباسؑ
کہا خلش ہے مرے دل میں ایک عالی جاہ
جو حکم ہو تو کرے عرض بندۂ درگاہ

بغور بات سنی، سن کے مسکرائے حسینؑ — کہا تمہیں ہو فقط راز آشنائے حسینؑ
تمہیں ہو واقف احساس جاں گزائے حسینؑ — میں جانتا ہوں کہ تم لوگ ہو فدائے حسینؑ
مگر بتاؤ کہ قربان کس طرح کر دوں
یہ راہ سخت ہے آسان کس طرح کر دوں

گلہ ہے جس سے وہ میری زباں ہے بھائی — جو تیر چھوڑ چکی یہ کماں ہے بھائی
سر نزاع فقط میری جان ہے بھائی — یہ امتحان مرا امتحان ہے بھائی
بلا ہے مجھے پھر رسول کا آغوش
کھلا ہوا ہے ابھی تک بتول کا آغوش

انہیں کی گود میں پل کر جواں ہوا ہوں میں — انہیں کی گود میں آگاہ جاں ہوا ہوں میں
انہیں کی گود میں رفعت نشاں ہوا ہوں میں — انہیں کی گود میں حق کی زباں ہوا ہوں میں
زبان حق سے یہی تھی رسول کو امید
سبق سبق سے یہی تھی بتول کو امید

علی کا نعرۂ حق سعیٔ رائیگاں تو نہ تھا — یقین راہِ صداقت کوئی گماں تو نہ تھا
رخِ حقیقت حقین داستاں تو نہ تھا — حسن کا واقعۂ غم، غم زیاں تو نہ تھا
ہوئے وہ حق پہ فدا اب ہماری باری ہے
عمل کی راہ ہمیشہ سے اختیاری ہے

تمہارے جوہر ہمت کو جانتا ہوں میں — تمہاری شان شبی ملت کو جانتا ہوں میں
تمہارے جوش محبت کو جانتا ہوں میں — تمہارے عزم رفاقت کو جانتا ہوں میں
مگر نشانِ عمل کس طرح بناؤں تمہیں
رفیق راہ اجل کس طرح بناؤں تمہیں،

ہو چاند تم بنی ہاشم کے بے گماں عباس — تمہارے دم سے بہاریں ہیں گلستاں عباس
خدائے پاک رہے تم پہ مہرباں عباس — ہمارے بعد تمہیں ہوں گے حق نشاں عباس
چلے گی بو وفا کی ستناوری تم سے
بڑھے گی اور بھی شان دلاوری تم سے

یہ سن کے شاہ کے قدموں پہ جھک گئے عباسؑ — بغیر آہ کے قدموں پہ جھک گئے عباس
ضیائے ماہ کے قدموں پہ جھک گئے عباسؑ — نشانِ راہ کے قدموں پہ جھک گئے عباس
جھکے تو پائے مبارک پہ اشک بہنے لگے
جو داستان غم و اشتیاق کہنے لگے

یہ حال دیکھ کے شہ سے بھی کچھ کہا نہ گیا — کمال رنج میں اشکوں سے بھی بہا نہ گیا
غم کشاکش عباسؑ جب سہا نہ گیا — تو اٹھ کے بھائی کو لپٹا لیا رہا نہ گیا
دل حسین اب اس بارِ غم پہ راضی تھا
خیال پند و نصیحت خیال ماضی تھا

جو ٹھہرے دل تو پیام و خبر کی بات چلی — ادھر کی بات چلی کچھ ادھر کی بات چلی
سفر کی بات چلی رہ گزر کی بات چلی — ہٹی سفر سے تو اہل سفر کی بات چلی
یہی کہ اکبرؑ و عباسؑ ساتھ جائیں گے
کمالِ گرمیٔ احساس ساتھ جائیں گے

سنا تو حضرت زینب یہ بولیں سرور سے — مجھے سمجھتے ہیں کم صفدر اور اکبر سے
مقیم گھر میں ، دیا دور ہو کوئی گھر سے — بلا جب آئے تو ٹلتی نہیں کبھی سر سے
جو اپنے ساتھ کہیں لے کے جائیے گا مجھے
کسی مقام پہ پیچھے نہ پائیے گا مجھے

یہ آئینہ ہیں تو ہوں نقش منجلی میں بھی — یہ جس کے پھول اسی باغ کی کلی میں بھی
فضائے غیرت و احساس میں پلی میں بھی — بہن حسین کی ہوئی ، دختر علی میں بھی
اگر چلے یہ کہیں خنجروں کی دھاروں پر
حضور میں بھی دکھا دوں گی چل کے خاروں پر

اگرچہ فخر نہیں کوئی ، مجھ کو مان نہیں — ڈرے بلا سے یہ بنتِ علی کی شان نہیں
حضور آپ سے بڑھ کر تو میری جان نہیں — دل کنیز میں بس اور کوئی دھیان نہیں
ہر اک خیال ہر اک دھیان ہے دماغ سے دور
یہی غم ہے رہے پروانہ کیوں چراغ سے دور

یہ سن کے شاہ کی آنکھوں میں آگئے آنسو   کہا رُلائیے ہم کو نہ خواہر خوش خو
ملا ہمیں نہ کوئی بڑھ کے آپ سے دل جو   یہاں بھی ما و شما ہے نہ ذہن میں من و تو
خیال ہے جو حرم بھی ہمارے ساتھ رہے
نہیں محال کہ میداں عدو کے ہاتھ رہے

اگرچہ راہ تو کچھ پرخطر نہیں زینب   خیالِ جنگ بھی پیشِ نظر نہیں زینب
حصولِ جاہ بھی وجہِ سفر نہیں زینب   حرم کا ساتھ مناسب مگر نہیں زینب
عدوئے جاں کوئی فتنہ اٹھا تو سکتا ہے
لڑائی کا بھی کبھی وقت آ تو سکتا ہے

لڑائی کا جو سنا نام ابن شبّر نے   تو جیسے چھیڑ دیا دل کو نوک نشتر نے
ابھارا عون و محمد کو حبِّ سرور نے   اور آنکھیں کھول دیں انگڑائی لے کے اصغر نے
پھوپھی سے اپنی سکینہ لپٹ کے رونے لگیں
کمالِ رنج میں منہ آنسوؤں سے دھونے لگیں

کسی کو عالمِ مہر و وفا نے یاد کیا   کسی کو فطرتِ صبر و رضا نے یاد کیا
کسی کو چشمۂ آبِ بقا نے یاد کیا   کسی کو تشنگیِ کربلا نے یاد کیا
کسی کو یاد کیا شوقِ دستگیری نے
کسی کو یاد کیا کلفتِ اسیری نے

یہ حال دیکھ کے کہتی ہیں زینبِ رنجور   کسے بتائیے اب منع کیجیے گا حضور
ہر ایک قلب ہے جوشِ جہاد سے معمور   نظر نظر سے جھلکتا ہے زندگی کا شعور
جو ہات چھوڑ بھی دیں قاسمِ دلاور کی!
امنگ دیکھیے اس شیر خوار اصغر کی!

یہ میرے لال ہیں، تیور تو دیکھیے ان کے   فدائے حق ہیں مقدر تو دیکھیے ان کے
ذرا ذرا سے یہ فخر تو دیکھیے ان کے   کبھی لڑائی میں جوہر تو دیکھیے ان کے
ہزار ناز کے پالے ہزار کمسن ہیں
دلیل فرض شناسی مگر یہی دن ہیں

یہ حق شناس ہیں معصوم کیوں رہیں آخر　　اسیرِ یاس یہ معصوم کیوں رہیں آخر
ادائے فرض سے محروم کیوں رہیں آخر　　جدا ہی خادم و مخدوم کیوں رہیں آخر،
جو سب کے ساتھ انہیں رخصتِ سفر مل جائے
تو چشمِ شوق کو اندازۂ نظر مل جائے

سنی یہ بات تو مسدود ہو گئے شبیر　　خیالِ غم سے بہت دور ہو گئے شبیر،
ہر ایک سمت سے محصور ہو گئے شبیر　　بہن کے سامنے مجبور ہو گئے شبیر
خیال تھا مگر انکار لب پہ لا نہ سکے
شفیق بھائی تھے زینب کا دل دکھا نہ سکے

مگر نصیب کی حد تک خیال کیا پہنچے　　بہ عزمِ کوفہ جو نکلے تو کربلا پہنچے
جہاں حسین بہ اندازۂ وفا پہنچے　　ستم شعار بھی سائے کی طرح جا پہنچے
جہاں کو حرص کی بستی کہیں تو بہتر ہے
فریب خانۂ ہستی کہیں تو بہتر ہے

یہ کچھ فسانہ نہیں بات بات شاہد ہے　　آمدِ شام ہو دن ہو کہ رات شاہد ہے
فلک گواہ ہے موجِ فرات شاہد ہے　　نگاہِ دہر دل کائنات شاہد ہے
خلافِ ظلم کسی کی زبان ہل نہ سکی
کہ شیر خوار کو پانی کی بوند نہ سکی،

رہی حدیث نہ قرآں ان کو یاد رہا　　نہ وہ رسول کا فرمان ان کو یاد رہا
نہ وہ کرم نہ وہ احسان ان کو یاد رہا　　حصولِ جاہ کا ایقان ان کو یاد رہا
ہوس نے جاہ کی نادان کر دیا سب کو
حصولِ جاہ پہ قربان کر دیا سب کو

یہی ہے ستم و جور کے رواج کا دن　　قیامتوں کے شباب آفتوں کے راج کا دن
غضب ہے آج کا دن اک بلا ہے آج کا دن　　کبھی نہ آئے گا تا حشر اس مزاج کا دن
اسی دن آہ قیامت نہ آئی حیرت ہے
پھر اس کے بعد سحر مسکرائی حیرت ہے

اب ایسی شام نگاہ فلک نہ دیکھے گی　　یہ اژدھام نگاہِ فلک نہ دیکھے گی
یہ انتقام نگاہ فلک نہ دیکھے گی　　وہ قتلِ عام نگاہ فلک نہ دیکھے گی
ذرا سی عمر میں یوں تیر کون کھائے گا
پھر اتنی لاشیں ضعیفی میں کون اٹھائے گا

درونِ خیمہ برادر کی لاش رکھی ہے　　وہ بے مثال دلاور کی لاش رکھی ہے
اور اس کے پاس ہی اکبر کی لاش رکھی ہے　　وہ دیکھئے علی اصغر کی لاش رکھی ہے
نہ سوچتے ہیں نہ کچھ غور کر رہے ہیں حسین
خدا کے نام کا بس دور کر رہے ہیں حسین

بہن کی آنکھ سے دریائے اشک ہے جاری　　کہ خود حسین بھی اب کر رہے ہیں تیاری
سنی نہ ہوگی زمانے میں ایسی ناچاری　　کہ اک دلیر کی زنجیرِ پا ہے بیماری
انہیں تو اور زیادہ ستم اٹھانا ہے
مرض کے ساتھ اسیری کا غم اٹھانا ہے

رہا نہ ضبط کا یارا تو زینبِ دلگیر　　یہ بولیں شاہ سے اے ذی وقار عرش سریر
مری خطا ہے، یہ سب کچھ ہے بس مری تقصیر　　کوئی نہیں ہے فقط میں ہوں لائقِ تعزیر
مرے ہی دل پہ رہے گا یہ داغ زہراؑ کا
نہ ساتھ آتی، اجڑتا نہ باغ زہراؑ کا

کہا یہ شاہ نے اتنا بھی کوئی روتا ہے　　ذرا سی بات پہ یوں جان کوئی کھوتا ہے
میں بے خبر ہوں نہ میرا ضمیر سوتا ہے　　خود اپنی راہ میں کانٹے بھی کوئی بوتا ہے
خدا گواہ کہ تم بے قصور ہو زینب
شریکِ راہ برادر ضرور ہو زینب

یہ راہ مرکزِ کون و مکاں جسے کہیئے　　وہ راہ ہے کہ رہِ امتحاں جسے کہیئے
یہ موت زندگیٔ جاوداں جسے کہیئے　　وہ موت ہے کہ فقط جانِ جاں جسے کہیئے
وہی کرو جو تقاضہ ہے آدمیت کا
ملے گا جیتے جی رتبہ تمہیں شہادت کا

کسی کے پاس تمہارا سا ہو تو لے ایمان خدا کی راہ میں بیٹوں کو کر دیا قربان
جو راہ سخت تھی تم کو وہ ہو گئی آسان یہی وفا کی، یہی آبرو کی ہے پہچان
تمہارے صبر کو سارا جہان دیکھے گا
زمانہ آلِ محمدؐ کی شان دیکھے گا

تمہیں نے جانِ برادر کو بھی اجازت دی دلاوروں کے دلاور کو بھی اجازت دی
تمہیں نے قاسم و اکبر کو بھی اجازت دی جو سوچیے تو اس اصغر کو بھی اجازت دی
یہ مشکلیں ہوں کہ آسانیاں تمہاری ہیں
مری نہیں ہیں یہ قربانیاں تمہاری ہیں!

یہ خوش نصیب جو راہِ خدا میں کام آئے اسی کے واسطے دنیا میں لا کلام آئے
یہ شاد کام آ گئے اور شاد کام آئے انہیں کے نام شہادت کے پہلے جام آئے
وہ آخری ہے جواب جام ہم کو پینا ہے
مگر تمہیں پئے تکمیل کار جینا ہے

وہ کام کارِ خلافت سے کم نہیں زینب وہ بار بارِ امانت سے کم نہیں زینب
ستم پہ ضبط قیامت سے کم نہیں زینب وہ زندگی بھی شہادت سے کم نہیں زینب
یہ جام صرف تمہارا ہے تم پیو، ہمشیر
ہزار تلخ ہو جینا مگر جیو، ہمشیر

ہماری لاش کو اٹھوا سکو تو اٹھوانا کبھی لحد پہ اگر آسکو تو آ جانا
ہمیں بلائیں سکینہ تو ان کو بہلانا تمہی رقیہ و کلثوم کو بھی سمجھانا!
ہمیں کمال ندامت ہے پیاری صغرا سے
یہاں کا حال نہ کہنا ہماری صغرا سے

ہماری یاد یقیں ہے، تمہیں ستائے گی جہاں بھی جاؤ گی زینب یہ ساتھ جائے گی
غلط نہیں کہ تمہیں عمر بھر رلائے گی مگر یہ صبر کی ساعت کبھی نہ آئے گی
ہزار بھوک سے بے تاب لاکھ پیاسی ہو
علیؑ کی بیٹی محمدؐ کی تم نواسی ہو

یہ کہہ کے شہ نے کہا اب ہمیں اجازت دو ضیائے دیدۂ یثرب ہمیں اجازت دو!
کلیجہ تھام لو زینب، ہمیں اجازت دو ذرا خموشی سے تم سب ہمیں اجازت دو
کہیں پھر آنکھ نہ کھُل جائے دیکھو عابدؑ کی
قیامت آئے گی بیمار نے اگر ضد کی

یہاں یہ حال، ادھر سر خوشی و مستی تھی کہ جیسے سبطِ پیمبر کی جان سستی تھی
نہ قدر دیں تھی کسی کو نہ قدر ہستی تھی غرض کہ لوگ تھے، دل میں غرض پرستی تھی
اچھل رہے تھے وہ دو دن کی زندگی کے لئے
خیال راہ بقا ہے کسی کسی کے لئے!

نہ یہ خیال کیا سبطِ مرتضیٰ ہیں حسینؑ نہ یہ خیال کیا جانِ مصطفیٰ ہیں حسینؑ
نہ یہ خیال کیا بندۂ خدا ہیں حسینؑ نہ یہ خیال کیا کہ بے خطا ہیں حسینؑ
چلے جو تیغ گلے پر تو سر تھا سجدے میں
فرشتے دیکھ رہے تھے بشر تھا سجدے میں

●

نجابت علی خاں

فرزند شجاع الدولہ

مرثیہ

سلام اس پر جو دُکھ میں مبتلا ہے لہو میں غرق سر سے تا بپا ہے
نہ کوئی یار ہے نے آشنا ہے گلا کٹوانے کو تنہا کھڑا ہے
ہزاروں نیزے ہیں اور ایک تن ہے ہزاروں تیغیں ہیں اور اک بدن ہے
ہزاروں تیر اک تشنہ دہن ہے مسافر کو قضا کا سامنا ہے
نماز ظہر کا جب وقت آیا وضو کرنے کو پانی بھی نہ پایا
تیمم کرکے وہ زہرا کا جایا نمازِ ظہر رَن میں پڑھ رہا ہے
پڑے رَن میں لاشے یاوروں کے گلے کاٹے گئے ہیں دلبروں کے
یہ فرماتا ہے آگے خود سروں کے کہ مجھ پر کیوں یہ سب جور و جفا ہے
علیؑ مرتضیٰؑ کا میں پسر ہوں جنابِ فاطمہؑ کا میں قمر ہوں
حسنؑ کا بھائی، آرامِ جگر ہوں مرا نانا محمد مصطفیٰؐ ہے
جسے سبطِ نبی کہہ کر پکارو غضب ہے رَن میں اس کو تیر مارو
کرو انصاف اپنے دل میں یارو مرا سر کاٹنا تم کو روا ہے؟
زمانہ میں بڑی عزت ہے میری خدا کے نور سے خلقت ہے میری
سو تم سب میں یہ کچھ حالت ہے میری کہ مجھ پر زمرۂ اہلِ جفا ہے
بہت سے آیے قرآنِ مبیں کے ہماری شان میں نازل ہوئے تھے
عداوت کرکے دھو ڈالے وہ تم نے کہوں کیا کیا جو سینہ میں لکھا ہے
سلح خانہ پہ اپنے تم ہو مغرور تمہاری فوج سے جنگل ہے معمور
ہمیں صبر و شکیبائی ہے منظور غریبوں کو خدا کا آسرا ہے
میں تم سب کے پیمبر کا ہوں پیارا بھرا تم نے لہو میں مجھ کو سارا
مرے ماتھے پہ تم نے تیر مارا یہ کیسے تم مسلماں ہو یہ کیا ہے

کئی دن سے اٹھاتا ہوں میں صدمات
کبھی تم نے نہ اتنی بھی کبھی بات
کمال ایذا سہی ہے میں نے دن رات
حسینؑ ابن علیؓ کا حال کیا ہے

لڑائی کو کرو موقوف یارو
اکیلا مجھ مسافر کو نہ جانو
لہو زخموں کا مجھ کو پوچھنے دو
ہر اک جا حاضر و ناظر خدا ہے

ہمیں جو چاہو وہ صدمے دکھاؤ
ذرا تو بے کسوں پہ رحم کھاؤ
مگر اک جام پانی کا پلاؤ !
نہایت خشک بن پانی گلا ہے

مرے اکبر کو مارا تم نے یارو
مرے سب گھر کو مارا تم نے یارو
مرے اصغر کو مارا تم نے یارو
بس اب اک قتل میرا رہ گیا ہے

ہجومِ حشر میں جب جاؤ گے تم
کہے رکھتا ہوں میں پچھتاؤ گے تم
نبی کو شکل کیا دکھلاؤ گے تم
ستانا بے گناہوں کا بُرا ہے

میں اب یاں سے نہ جاؤں گا لعینو
نئی بستی بساؤں گا لعینو،
گلا اپنا کٹاؤں گا لعینو !
بس اب میں ہوں یہ دشتِ کربلا ہے

کہا کیا کیا شہِ ہر دو سرا نے
کیا وہ کام شمرِ بے حیا نے
مگر مانا نہ کچھ اہلِ جفا نے
کہ ماتم جس کا اب تک جا بجا ہے

کوئی ہے نالہ و فریاد کرتا
کوئی اس درد کا مارا ہے مرتا
کوئی اس رنج میں ہے آہیں بھرتا
تمام ارض و سما میں تہلکا ہے

جو خوش کرتا ہے محبوبِ خدا کو
بہت سار و شہیدِ کربلا کو
کیا اعجاز کیا روزِ جزا کو
کہ تیرا نامۂ عصیاں بڑا ہے

•

غالبؔ

سلام

سلام اسے کہ اگر بادشا کہیں اُس کو
تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اُس کو

نا بادشاہ نہ سلطاں یہ کیا ستائش ہے
کہو کہ خامس آلِ عبا کہیں اُس کو

خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی
کہو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اُس کو

خدا کا بندہ خداوندگار بندوں کا
اگر کہیں نہ خداوند کیا کہیں اُس کو

فروغ جوہرِ ایماں حسین ابن علی
کہ شمع انجمن کبریا کہیں اُس کو

کفیلِ بخششِ امت ہے بن نہیں پڑتی
اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اُس کو

مسیح جس سے کرے اخذِ فیضِ جاں بخشی
ستم ہے کشتۂ تیغِ جفا کہیں اُس کو

وہ جس کے ماتمیوں پر ہے سلسبیل سبیل
شہیدِ تشنہ لبِ کربلا کہیں اس کو

عدو کے سمعِ رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
کہ جن و انس و ملک سب بجا کہیں اُس کو

بہت ہے پایۂ گردِ رہِ حسین بلند
بقدرِ فہم ہے گر کیمیا کہیں اُس کو

نظارہ سوز ہے یاں تک ہر ایک ذرۂ خاک
کہ لوگ جوہرِ تیغِ قضا کہیں اُس کو

ہمارے درد کی یارب کہیں دوا نہ ملے
اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اُس کو

ہمارا منہ ہے کہ دیں اُس کے صبر کی داد
مگر نبی و علی مرحبا کہیں اُس کو

زمامِ ناقہ کف اس کے میں ہے کہ اہلِ یقیں
پس از حسین علی پیشوا کہیں اُس کو

وہ ریگ تفتۂ وادی پہ گام فرسا ہے
کہ طالبانِ خدا رہنما کہیں اُس کو

امامِ وقت کی یہ قدر ہے کہ اہلِ عناد
پیادہ لے چلیں اور ناسزا کہیں اُس کو

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں
علی سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اُس کو

یزید کو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
برا نہ مانیے گر ہم برا کہیں اُس کو

علی کے بعد حسن اور حسن کے بعد حسین
کرے جو ان سے برائی بھلا کہیں اُس کو

نبی کا ہو نہ جسے اعتقاد کافر ہے | رکھے امام سے جو تبعض کیا کہیں اس کو

بھرا ہے غالب دل خستہ کے کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اس کو

مرثیہ

ہاں اے نفس باد سحر شعلہ فشاں ہو | اے دجلۂ خوں چشم ملائک سے رواں ہو
اے زمزمۂ قم لب عیسیٰ پہ فغاں ہو | اے ماتمیانِ شہ مظلوم کہاں ہو

بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

تاب سخن و طاقت غوغا نہیں ہم کو | ماتم میں شہ دیں کے ہیں سودا نہیں ہم کو
گھر پھونکتے ہیں اپنے محابا نہیں ہم کو | گر چرخ بھی جل جائے تو پروا نہیں ہم کو

یہ خرگہِ نہ پایہ جو مدت سے بپا ہے
کیا خیمۂ شبیر سے رتبہ میں سوا ہے

کچھ اور ہی عالم ہے دل و چشم و زباں کا | کچھ اور ہی نقشہ نظر آتا ہے جہاں کا
کیا فلک اور مہر جہاں تاب کہاں کا | ہوگا دل بے تاب کسی سوختہ جاں کا

اب صاعقہ و مہر میں کچھ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں اس رو سے کہو برق نہیں ہے

پیارے صاحب رشید

سلام

روکتا کون اہل کیں ایک بھی یاور نہ تھا
لوٹنے جب آئے تھے ظالم کوئی در پر نہ تھا

کربلا تک لے گئیں بچیس پھر کے جب پہونچیں وطن
ماں کے ساتھ اکبر نہ تھا اور گود میں اصغر نہ تھا

بعد قتل شاہ دیں ہر اک کا دل تھا لہو
جس کے نیچے خوں نہ ہو ایسا کوئی پتھر نہ تھا

جنگلوں میں روز و شب پھر پھر کے کہتے تھے حرم
یوں ہوئے بے گھر کبھی جیسے ہمارا گھر نہ تھا

کٹ گیا سر شہ کا ڈوبی کشتیٔ آل رسول
ناخدا بے چارہ تھا بیمار اور لنگر نہ تھا

کس سے پوچھوں طشت میں رکھا گیا کیوں زیر تخت
زانوئے زہرا پہ جو رہتا تھا یہ وہ سر نہ تھا

پوچھ کر رضواں سے کیوں جناں میں اے رشید
واہ وا کیا میں غلام حضرت قنبر نہ تھا۔

مرثیہ

عباس نے جب رن کی رضا شاہ سے چاہی
جنت کی سند فاطمہ کے ماہ سے چاہی
کونین کی دولت شہ ذی شاہ سے چاہی
مشکل میں مدد جان ید اللہ سے چاہی
چاہا کہ نثار پسر شیر خدا ہوں
پہلے علی اکبر سے شہ دیں پہ فدا ہوں

میان سے تلوار چلے جانب دریا   لشکر کو وہاں شمر ستمگر نے پکارا
پانی کے تردد میں ہے شبیر کا سقہ   جم جائیں صفیں رد کے رہو نہر کا رستہ
اس وقت پھر منہ نہ لڑائی سے خبردار
شہ آتا ہے دریا کی ترائی سے خبردار

یہ سنتے ہی اس وقت قریب آگیا لشکر   خشکی میں جو سب لب دریا گیا لشکر
پھر گھاٹ پہ بادل کی طرح چھا گیا لشکر   پھر آئے جو یہ سامنے تھرا گیا لشکر
بڑھ کے صف اول پہ کیا وار یکایک
سب فوج پہ چلنے لگی تلوار یکایک

شوکت وہ علم دار کی وہ شان علم کی   تلوار کی بجلی کبھی ٹھہری کبھی چم کی
آواز بھی آتی نہیں گھوڑے کے قدم کی   پامال ہوئی جاتی ہے سب فوج ستم کی
ہے سرخ زمیں خون جو اعدا کا بہا ہے
وہ شیر کے نعرے ہیں کہ رن گونج رہا ہے

آپ اور طرف آئے جو گھوڑے کو پلٹ کے   ایک بار صفیں رہ گئیں وہ چار الٹ کے
تیغیں جو سنبھالیں ستم ایجادوں نے ہٹ کے   غصہ میں ولاور نے کیا وار الٹ کے
واں عقدہ جاں کردہ ہر ایک شقی کا
پھل تیغ کا ترشے ہوا ناخن ہو علی کا

بھر بھر کے لہو میں ہوں تیغ دو سر آتش   کرتی نہیں دریا کو حضرت مگر آتش
ہو شاہوں کا خون کہ ہے شعلہ ور آتش   اور بیچ میں پانی ادھر آتش ادھر آتش
غصہ کی حرارت ہے جو یہ حال ہوا ہے
ہے گرمی رفتار کہ منھ لال ہوا ہے

جس دم وہ گری لاشوں سے رن پاٹ کے اٹھی   فوجوں پہ چھکیاں تو حزیں گھاٹ کے اٹھی
منھ اور کھلا جب وہ لہو چاٹ کے اٹھی   سر کیا ہیں زمیں کا بھی طبق کاٹ کے اٹھی
غصہ ہے یہ سرخی ہے لہو کی خون عدو کی
جوہر نظر آتا ہے ہر اک بوند لہو کی

ہے ہر گو عباس سا اسوار سنبھالے
دوڑے جو صبا سامنے پڑیں پاؤں میں چھالے
نرغے میں جہاں پہلوؤں سے مل گئے بھالے
رہوار نے گویا پر پرواز نکالے
سب شاہوں سے بھر کے طرارہ نکل آیا
شب ختم ہوئی صبح کا تارہ نکل آیا

اب میان سے تیغوں کو نکلنے نہیں دیتے
عاجز ہے کماں تیر کو چلنے نہیں دیتے
پہلو بھی پیادوں کو بدلنے نہیں دیتے
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلنے نہیں دیتے
لاکھوں کو دمِ تیغ زنی ٹوک رہے ہیں
بڑھتا ہے جو غصہ تو اسے روک رہے ہیں

۱۳۵۲ ہجری

مہاراجہ علی محمد خاں والیٔ محمود آباد

سلام

حشر کے دن خاطرِ مدّاحِ سرور دیکھنا
میری جانب خود بڑھے گا حوضِ کوثر دیکھنا

قدر اپنی خلد میں اے دیدۂ تر دیکھنا
کان میں حوروں کے ان اشکوں کے گوہر دیکھنا

شور ہے سجدے میں سر دیتے ہیں سرور دیکھنا
صبر کہتے ہیں اسے اللہ اکبر دیکھنا

کس قدر اعزاز ہم رندوں کا کعبے نے کیا
مولدِ ساقی بنا اللہ کا گھر دیکھنا

دیدنی ہیں پہلوئے حسن طلب مجھ رند کے
روئے ساقی دیکھنا یا سوئے ساغر دیکھنا

بھانجوں کو دیکھ کر بھائی سے بولے شاہِ دیں
چشمِ بد دُور آج بچوں کے تیور دیکھنا

ہو چکا ہے روزِ اوّل سے محبّ کا نام درج
خلد میں حیدرؑ کے مدّاحوں کا دفتر دیکھنا

میر عثمان علیخاں سابق والیٔ حیدرآباد

سلام

یہ کرنا عرض اے بادِ صبا سبطِ پیمبر سے
کہ غم میں آپ کے دریا رواں ہے دیدۂ تر سے

کہو اشک و فغاں سے ذکر ہوتا ہے شہیدوں کا
گرجنا ہو جیسے گرجے برسنا ہو جیسے بد سے

خدا کی شان یک قطرہ نہ پہونچا حلق تک شہ کے
مگر ہے تیغ کا پانی کہ اونچا ہو گیا سر سے

جو دل کے سخت ہیں وہ بھی غمِ سرور میں گریاں ہیں
عجب تاثیر ہے پانی نکل آتا ہے پتھر سے

مے حبِ علی میں رات دن ہم مست رہتے ہیں
نہ خُم سے ہے غرض ہم کو نہ شیشے سے نہ ساغر سے

قیامت ہو گی برپا اور میدانِ قیامت میں
اٹھیں گے ہم جو آنسو پونچھتے دامانِ محشر سے

وہ ہیں اشکِ عزا اپنے بدولت جن کی اے عثمانؔ
چکھایا ساقیٔ کوثر نے ہم کو جامِ کوثر سے

جوش ملیح آبادی

مرثیہ

ہمراز، یہ فسانۂ آہ و فغاں نہ پوچھ
دو دن کی زندگی کا غم این و آں نہ پوچھ
کیا کیا حیاتِ ارض کی ہیں تلخیاں نہ پوچھ
کس درجہ ہول ناک ہے یہ داستاں نہ پوچھ
تفصیل سے کہوں، تو فلک کانپنے لگے
دوزخ بھی فرطِ شرم سے منہ ڈھانپنے لگے

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بدم
دشتِ ثبات و عزم ہے دستِ بلا دغم
صبرِ مسیح و جرأتِ سقراط کی قسم
اس راہ میں ہے صرف اک انساں کا قدم
جس کی رگوں میں آتشِ بدر و حنین ہے
جس سورما کا اسمِ گرامی حسینؑ ہے

جو صاحبِ مزاجِ نبوت تھا، وہ حسینؑ
جو وارثِ ضمیرِ رسالت تھا، وہ حسینؑ
جو خلوتیٔ شاہدِ قدرت تھا، وہ حسینؑ
جس کا وجود فخرِ مشیت تھا، وہ حسینؑ
سانچے میں ڈھالنے کے لئے کائنات کو
جو تولتا تھا نوکِ مژہ پر حیات کو

جو اک نشانِ تشنہ دہانی تھا، وہ حسینؑ
گیتی پہ عرش کی جو نشانی تھا، وہ حسینؑ
جو خلد کا امیرِ جوانی تھا، وہ حسینؑ
جو اِک سنِ جدید کا بانی تھا، وہ حسینؑ
جس کا لہو تلاطمِ پنہاں لئے ہوئے
ہر بوند میں تھا نوح کا طوفاں لئے ہوئے

جو کاروانِ عزم کا رہبر تھا، وہ حسینؑ
خود اپنے خوں کا جو شناور تھا، وہ حسینؑ
اک دینِ تازہ کا جو پیمبر تھا، وہ حسینؑ
جو کربلا کا داورِ محشر تھا، وہ حسینؑ
جس کی نظر پہ شیوۂ حق کا مدار تھا
جو روحِ انقلاب کا پروردگار تھا

ہاں، اب بھی جو منارۂ عظمت ہے، وہ حسینؑ — اب بھی جو محوِ درسِ محبت ہے، وہ حسینؑ
جس کی نگاہ، مرگِ عداوت ہے، وہ حسینؑ — آدم کی جو دلیلِ شرافت ہے، وہ حسینؑ
واحد جو اک نمونہ ہے ذبحِ عظیم کا
اللہ رے انتخاب، خدائے حکیم کا

ہاں وہ حسینؑ، جس کا ابد آشنا ثبات — کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درونِ پردہ صد رنگِ کائنات — اک کارسازِ ذہن ہے اک ذی شعورِ ذات
سجدوں سے کھینچتا ہے جو مسجود کی طرف
تنہا جو اک اشارہ ہے معبود کی طرف

جس کا وجود، عدل و مساوات کی مراد — جو کردگارِ امن تھا، پیغمبرِ جہاد!
تحویلِ زندگی میں پئے رفعِ ہر فساد — قدرت کی اک امانتِ دریں ہے جس کی یاد
سوزاں ہے قلبِ خاک جو خونِ مبین ہے
اک لَو نکل رہی ہے ابھی تک زمین سے

عزت پہ جس نے سر کو فدا کر کے دم لیا — صدق و منافقت کو جدا کر کے دم لیا
حق کو ابد کا تاج عطا کر کے دم لیا — جس نے یزیدیت کو فنا کر کے دم لیا
فتنوں کو جس پہ ناز تھا وہ دل بجھا دیا
جس نے چراغِ دولتِ باطل بجھا دیا

عالم میں ہو چکا ہے مسلسل یہ تجربا — قوت ہی زندگی کی رہی ہے گرہ کشا
سرِ ضعف کا ہمیشہ رہا ہے جھکا ہوا — ناطاقتی کی موت ہے طاقت کا سامنا
طاقت سی شے مگر خجل و بدنصیب تھی
ناطاقتیِ حسینؑ کی کتنی عجیب تھی

طاقت سی شے کو خاک میں جس نے ملا دیا — تختہ الٹ کے قصرِ حکومت کو ڈھا دیا
جس نے ہوا پہ رعبِ امارت اڑا دیا — ٹھوکر سے جس نے افسرِ شاہی گرا دیا
اس طرح جس سے ظلم سیہ فام ہو گیا
لفظِ یزید، داخلِ دشنام ہو گیا

پانی سے تین روز ہوئے جس کے لب نہ تر — تیغ و تبر کو سونپ دیا جس نے گھر کا گھر
جو مر گیا ضمیر کی عزت کے نام پر — ذلت کے آستاں پہ جھکا یا مگر نہ سر
لی جس نے سانس رشتۂ شاہی کو توڑ کر
جس نے کلائی موت کی رکھ دی مروڑ کر

یہ صبحِ انقلاب کی جو آج کل ہے ضَو — یہ جو مچل رہی ہے صبا پھٹ رہی ہے پَو
یہ جو چراغِ ظلم کی تھرا رہی ہے لَو — در پردہ یہ حسینؑ کے انفاس کی ہے رو
حق کے چھڑے ہوئے ہیں جو یہ ساز دوستو
یہ بھی اسی جری کی ہے آواز دوستو!

پھر حق ہے، آفتاب لبِ بام اے حسینؑ — پھر بزمِ آب و گل میں ہے کہرام اے حسینؑ
پھر زندگی ہے سست و سبک گام اے حسینؑ — پھر حُرّیت ہے موردِ الزام اے حسینؑ
ذوقِ فساد و ولولۂ شر لئے ہوئے
پھر عصرِ نو کے شمر ہیں خنجر لئے ہوئے

ہاں خاتمِ حیاتِ ابد کا نگیں ہے تو — گردونِ گیر و دار کا مہرِ مبیں ہے تو
اک زندہ حدِّ فاصلِ دنیا و دیں ہے تو — کونین کا تخیلِ عہد آفریں ہے تو
پھر دشتِ جنگ کو ہے ترا انتظار اُٹھ
اُٹھ، روزگارِ تازہ کے پروردگار اُٹھ

اے حاملانِ آتشِ سوزاں بڑھے چلو — اے پیروانِ شاہِ شہیداں بڑھے چلو
اے فاتحانِ صرصر و طوفاں بڑھے چلو — اے صاحبانِ ہمتِ یزداں بڑھے چلو
تلوار شمرِ عصر کے سینے میں بھونک دو
ہاں جھونک دو، یزید کو دوزخ میں جھونک دو

خبیر لکھنوی
تلمیذ دبیر

مرثیہ

(ساقی نامہ)

مہمان ہیں جو صاحب معراج ساقیا — جنت میں لٹ رہی شراب آج ساقیا
اپنے فقیروں کا جو ہے سرتاج ساقیا — تیری گلی میں بیٹھے ہیں محتاج ساقیا
ہے یوں تو لطفِ عام ترا خاص و عام پر
ہم تجھ سے بھیک مانگتے ہیں تیرے نام پر

روضے کے در پہ بیٹھا ہوں میخانہ جان کر — میں دل کے بوسے لیتا ہوں پیمانہ جان کر
قرآن پڑھتا ہوں ترا افسانہ جان کر — ہنس کر نہ مجھ کو ٹالنا دیوانہ جان کر
بھر دے شرابِ عشق مرے دل کے چھالوں میں
بہلول میرے ساتھ کے نشے پینے والوں میں

حق حق کہوں میں دل سے مگر نیر دم بھروں — سجدہ خدا کا ہو تری چوکھٹ پہ سر دھروں
گھبراؤں کیوں جو نادِ علیؑ دل پہ دم کروں — مر کر ملے حیات تو مرنے سے کیوں ڈروں
دیکھے تو کوئی میری محبت کی منزلت
ہے میری موت میں بھی شہادت کی منزلت

کب مضطرب ہوں بادۂ کوثر کے واسطے — سودا ہے تیرے در کا مرے سر کے واسطے
دیتا ہوں میں خدا و پیمبرؐ کے واسطے — کچھ تو بقدرِ ظرف اس احقر کے واسطے
کہتا ہوں کب کہ بوذر و سلمانؑ بنا مجھے
اے دیں پناہ سچا مسلماں بنا مجھے

وحدت کا ایک جام عدالت کا ایک جام — ہے جس پہ مہرِ حق وہ نبوت کا ایک جام
ایماں کے میکدے سے امامت کا ایک جام — آخر میں حسب وعدہ قیامت کا ایک جام
مرتا رہوں رسولؐ پر آلِ رسولؐ پر
جیتا رہوں میں دین کے پانچوں اصول پر

وہ بادہ جس کی موجوں میں صوم و صلوٰۃ ہے — حج جس کا دور قطروں میں خمس و زکوٰۃ ہے
رنگِ جہاد جس میں نوید حیات ہے — پابند امر و نہی کی جو کائنات ہے
نشے سے جس کے کیفِ ولایت نصیب ہو
او رمنکران دین سے برآت نصیب ہو

مضبوط نخلِ دیں کی جڑیں سب بنی رہیں — ایماں کے نہال کی شاخیں گھنی رہیں
باطل کے کھٹکے کچھ نہ دم جاں کنی رہیں — تیرے فقیر حق کے ہمیشہ دھنی رہیں
گل باغ مدعا سے بوقتِ اجل ملے
اس نخل کو رضائے الٰہی کا پھل ملے

جتنے نبی تھے قبل رسولؐ فلک مقام — لکھے ہوئے ہوں جام نبوت پہ سب کے نام
ہوں ساغر امامت بر حق سے شاد کام — کہنے کو ایک جام حقیقت میں بارہ جام
اسلام کا یہ دور رہے روزِ نشر تک
قائم رہے گا ساقی اسلام حشر تک

مشرب فقیر مست کا رندانہ بن گیا — سجادہ پردہ درمے خانہ بن گیا
سُبحہ کا رشتہ بھی خطِ پیمانہ بن گیا — قطرہ شرابِ عشق کا ہر دانہ بن گیا
دھن ہے جو دل کو طاعتِ ربِّ انام کی
تسبیح پڑھ رہا ہوں میں ساقی کے نام کی

جمشید ایک جام پہ نازاں تھا ساقیا — کہتے ہیں دیکھتا تھا وہ دنیا کا ماجرا
تیری شرابِ عشق میں ہے طرفہ یہ مزا — ساغر میں آتے ہیں نظر اسرارِ کبریا
الجھیں ہیں زلفِ حور سے موجیں سرور کی
جنت میں دیکھتا ہوں سواری حضورؐ کی

سید آل رضا

مرثیہ

خوشا نصیب دیارِ حسینؑ دیکھ لیا   خدا کا شکر، مزارِ حسینؑ دیکھ لیا
مقامِ سجدہ، وقارِ حسینؑ دیکھ لیا   جو سُن رہے تھے نثارِ حسینؑ دیکھ لیا
شعاعِ ابنِ شہِ بوتراب کیا کہنا
زمیں پہ سر بہ فلک آفتاب کیا کہنا

وہ آفتاب جو آئے بقدرِ ہوشِ نظر   وہ آفتاب سکھا دے جو دیکھنے کا ہنر
وہ آفتاب جو ہے دیں پناہ و دیں پرور   وہ آفتاب جو رحمت گناہ گاروں پر
نظر فروز شعاعوں کا طور کیا کہیے،
بس ایک نور برستا ہے اور کیا کہیے

وہ نور جس کی ضیا لا الٰہ الا اللہ   وہ بزم جس کی فضا لا الٰہ الا اللہ
وہ فیض جس کی عطا لا الٰہ الا اللہ   وہ درد جس کا مزا لا الٰہ الا اللہ
وہ اہلِ درد کے پہلو رہِ رضا سے ملے
خود اپنے خوں میں تڑپتے ہوئے خدا سے ملے

وصال، صلِّ علیٰ • لا الٰہ الا اللہ   کمال جس کی صدا، لا الٰہ الا اللہ
جمال، جس کی ادا، لا الٰہ الا اللہ   جلال، جس سے سوا، لا الٰہ الا اللہ
نظر کو اذن بہ کیف و فورِ جلوہ گری
ادب، ادب کی نقابت حضورِ جلوہ گری

کروں خدا کے لئے میں کہاں کہاں سجدے   صدائیں آتی ہیں ہر سمت سے یہاں سجدے
ہیں امتیاز سے بالا یہاں وہاں سجدے   درِ قبول ہے، ہو جائیں اب جہاں سجدے
یہیں سے دل میں عبادت گزار راہیں ہیں
یہیں کی خاک کی خوشبو میں سجدہ گاہیں ہیں

بنی ہوئی ہے مصلّے فضائے قبر امام بلند دائم و بہم خدا رسول کا نام
سماں وہ جیسے شبِ قتل شاہدیں کے خیام وہی قعود و قیام اور وہی درود و سلام
یہ التزام اقیموا الصلوٰۃ راز نہیں
شہیدِ حق کی زیارت بھی بے نماز نہیں

وہ رو بہ قبلہ نمازی کی شان سے ایوان زبان حال منارہ کہ ہو چکی ہے اذان
ضریح تک جو اسی دُھن میں آ گیا انسان دکھائی دے گا تشہد کی شکل میں ایمان
سرِ مزار شہیداں عبادتیں زندہ
درِ حسین سلامت شہادتیں زندہ

نماز قبلہ میں اک ربطِ حق نما بھی ہے رجوعِ قلب بھی ہے مرضیٔ خدا بھی ہے
زمانے بھر میں اسی پر عمل رہا بھی ہے مگر یہاں تو اسی رُخ میں مرثیا بھی ہے
وقار قبلہ پر سب کچھ نثار فرمایا
اسی طرف سے شہیدوں کا قافلہ آیا

حسینؑ نازِ مشیت، حسینؑ امامِ نیاز حسینؑ ایسی حقیقت جو اصل میں اعجاز
حسینؑ اپنے ہی جد کی یہ مستقل آواز بزارِ کرب و بلا ہو مگر نماز نماز
جناں کی سمت نہ وقتِ نماز بڑھ کے چلے
نماز رہ گئی ایسی نماز پڑھ کے چلے

رجوع جس میں کہ دل سوئے حق لپکتا تھا خشوع جس کو بصیرتِ خلوص تکتا تھا
خضوع جس میں نظامِ نفس کو سکتا تھا رکوع جس میں کہ تازہ لہو ٹپکتا تھا
پھر اپنے خون سے محکم بنائے دیں رکھ دی
زمیں کو ہو گئی معراج یوں جبیں رکھ دی

میرزا یگانہ لکھنوی

قطعات

دل ہے اپنی جگہ خدا اپنا
ہم غریبوں کا آسرا کیا ہے
ڈوب کر پار اُتر گیا اسلام
آپ کیا جانیں کربلا کیا ہے

بقدرِ حوصلہ ملتی ہے دادِ عشق و ہوس
مزاجِ عشق میں کیا اعتدال ہوتا ہے
بھڑکتی جاتی ہے شوقِ فنا میں شمع کی لَو
نسیمِ صبح سے اور اشتعال ہوتا ہے

آغوش میں اب ان کو کیا کھینچتی ہے دنیا
بیگانگی نے جن کو اپنا بنا لیا ہے
منزل کی فکر کیوں ہو، جب تُو ہو اور مَیں ہوں
پیچھے نہ پھر کے دیکھوں کعبہ بھی ہو تو کیا ہے

رئیس امروہوی

سلام

نازاں ہیں رنگ و بو پہ بہت نو دمیدہ پھول
اے قلب داغ داغ! دکھا چیدہ چیدہ پھول

کب ہیں بقدرِ شوق یہ دیدہ شنیدہ پھول
یارب مجھے نصیب ہوں نا آفریدہ پھول

یہ موسمِ بہار ہے یا موسمِ عزا
غنچے ہیں سینہ چاک گریباں دریدہ پھول

خود چن لئے مشیت پروردگار نے
اے کربلا کی خاک تیرے برگزیدہ پھول

ہیں آج بھی بہارِ گلستانِ عاشقی!
گلزارِ فاطمہؑ کے جراحت رسیدہ پھول

تو اصغرِ شہیدہ کا ایک استعارہ ہے
پھول اپنے رنگ و بو پہ گلِ نو رسیدہ پھول

یہ کس "قتیلِ گریہ" پہ شبنم ہے اشک ریز
کس تشنہ لب کی یاد میں ہیں آبدیدہ پھول

گلچیں جو نوچتا ہے گلوں کو تو کیا گلہ؟
بہتر ہے فصلِ گل میں رہیں برگزیدہ پھول

گلزارِ حق کا دعویٰ غارت گری یزید؟
آشنا نہ اپنے ظلم پہ او شوخ دیدہ پھول

جب سے ہوا ریاضِ حسینؑ خزاں پسند
گلشن میں پڑھ رہے ہیں خزاں کا قصیدہ پھول

گلدستہ مزارِ شہیداں کے عشق میں
شاخوں سے کیا عجب ہے اگر ہوں کشیدہ پھول

کس باغِ بے خزاں کا لیا نام اے صبا؟
شاخیں ہیں سرنگوں تو ادب سے خمیدہ پھول

پھولوں پہ اعتبار غلط ہے کہ آخرش
بوئے رمیدہ پھول ہیں، رنگِ پریدہ پھول

شبنم کی آنکھ سے کوئی دیکھے تو صبح دم
کیا ہیں؟ سوائے قطرۂ اشکِ چکیدہ پھول

اللہ رے میرے ذہنِ شگفتہ کی تازگی
کھلتے ہیں اے رئیسؔ! بہ رنگِ جدیدہ پھول

رئیس امروہوی

مرثیہ

یہ جہاں کتنا پُر اسرار جہاں ہے یارب کہ ہر ایک راز عیاں سر نہاں ہے یارب
محرمِ راز جو دل ہے وہ کہاں ہے یارب حرف آخر نہ یقیں ہے نہ گماں ہے یارب
ان مسائل کا الجھنا نہ سلجھنا کافی !
اب یہ آیا ہے سمجھ میں کہ سمجھ ناکافی

زندگی کیا ہے؟ جو امکان سے باہر وہ عمل نہ کسی حل کا نتیجہ، نہ کسی چیز کا حل
وقت کے بحر رواں میں نہ ابد ہے نہ ازل نظم خلقت ہے بظاہر متشاعر کی غزل
کیا ہے مفہوم غزل گو؟ یہ کہاں ہے روشن
بندشیں چست، معانی میں بڑی الجھن ہے

کوئی کہتا ہے کہ ہے عشق سے تکمیل حیات کوئی کہتا ہے کہ ہے عقل سے انساں کی نجات
عیش و مستی میں گذرتے ہر کسی کے لمحات کوئی کہتا ہے کہ غم سے ہے دل و جاں کی نجات
پھنس کے کانٹوں میں گل تر پہ ہے غالب کوئی
پھول سے ہے خلش خار کا طالب کوئی

چشم عارف میں اگر علم ہے مقصود بشر جہل و مستی کے ثنا خواں ہیں کچھ ارباب نظر
فہم و دانش ہے کہیں مشغلہ زیست بشر زیست ہوتی ہے کہیں نشۂ غفلت میں بسر
اوجِ انساں کی یہ پہچان نہ پہچان ہے وہ
کوئی ہے انجان ہے اس سے بھی کہ انجان ہے وہ

بعض نظروں میں یہ حیرت کدۂ کون وفساد　　کچھ نہیں مادّی قوت کا فقط ایک مواد
بعض کہتے ہیں فقط کن ہے متاعِ ایجاد　　بعض کہتے ہیں ہے روح یہ تن کی بنیاد
کچھ کا دعوے کہ معاد اور ابد کچھ بھی نہیں
بعض کہتے ہیں کہ جز ذاتِ صمد کچھ بھی نہیں

بعض کو ناز جو مہر پنجہ ادراک پہ ہے　　بعض کو فخر فقط دامنِ صد چاک پہ ہے
بعض کی منزلِ مقصود گرِ افلاک پہ ہے　　بعض کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے اسی خاک پہ ہے
بعض سر مستیٔ باطن کو فسوں کہتے ہیں
بعض آگاہی ظاہر کو جنوں کہتے ہیں

خود شناسوں میں ہیں ایسے بھی کئی حق نشناس　　جن کے افکار و عقائد کی نہیں کوئی اساس
کچھ مصر ہیں کہ ہر اک شے کا ہیں معیار حواس　　بعض کہتے ہیں کہ سب کچھ ہے فقط وہم و قیاس
مشکلِ ظاہر کی جو ہے حاصلِ فطرت ہے وہی
جو نظر آتی ہے، ہر شے کی حقیقت ہے وہی

مکتبِ علم و خبر کا ہے اک ایسا بھی نظام　　جو سمجھتا ہے حقائق کو سراسر اوہام
کچھ کا دعویٰ کہ ہر اک دعویٔ تحقیق ہے خام　　کچھ کا پیغام کہ باطل ہے یہاں ہر پیغام
کفر و اسلام میں پوشیدہ سبق کچھ بھی نہیں
بعض کہتے ہیں یہاں باطل و حق کچھ بھی نہیں

بعض قائل کہ زمانہ ہے خدائے دوراں　　بعض کہتے ہیں کہ ہرگز نہ زماں ہے نہ مکاں
ذکر بعضوں کی مجالس میں یہ چھڑتا ہے جہاں　　کوئی معبود نہیں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہاں
کچھ مشیت کو فقط ذہنِ رسا کہتے ہیں!
بعض انسان خود اپنے کو خدا کہتے ہیں

لاکھ ہو شیوۂ تحقیق و نظر سنجیدہ　　نظمِ ہستی ہے حقیقت میں بہت پیچیدہ
جلوۂ دوست نہ جانے کہاں ہو خوابیدہ　　دل بھی محروم تجلّی ہے مثالِ دیدہ
دل میں ہے ذوقِ عمل اجرِ عمل غائب ہے
طور حاضر ہے مگر نورِ ازل غائب ہے

پھر بھی اک بات کی کرتے ہیں شواہد تائید ——— جرأتِ عشق ہے الباب حقیقت کی کلید
ظن و اوہام کے ہر چند اندھیرے ہوں شدید ——— جھلملاتی ہے کہیں دور بس اک شمعِ امید
لاکھ آئے نہ مری قید و گماں میں کوئی
دل یہ کہتا ہے کہ ہے خلوتِ جاں میں کوئی

جو یہ کہتے ہیں کہ معیارِ حقیقت ہیں حواس ——— جن کا دعویٰ کہ فقط عقل ہے عرفاں کی اساس
جو مصر ہیں کہ حقائق ہیں ہمہ وہم و قیاس ——— آئیں وہ پاس ادب سے خضرِ عشق کے پاس
راہ عرفانِ حقیقت کی دکھا سکتا ہے
خضرِ عشق ہی بس پار لگا سکتا ہے

خضرِ عشق ہے کیا؟ دل کہ جسے غم سے ہو پیار ——— خضرِ عشق ہے کیا؟ دل کہ رہے زار و نزار
خضرِ عشق ہے کیا؟ ہول کے ستم سے ہو فگار ——— خضرِ عشق ہے کیا؟ دل کہ ہو وارفتۂ یار
یہی دل عشق کو جذبات سے بھر دیتا ہے
یہی دل قلب مشیت کی خبر دیتا ہے

یہی دل، ماحصل کون و مکاں ہے یہی دل ——— یہی دل مہر محبت کا جہاں ہے یہی دل
یہی دل سرِ عیاں رازِ نہاں ہے یہی دل ——— یہی دل شاہد خلوت گہہ جاں ہے یہی دل
خود کشادِ گرِ عشق ہے انجمن اس کی
نغمۂ بربط اسرار ہے دھڑکن اس کی

ظن و اوہام کہ عکاس، منظر ہو کہ دماغ ——— اب رہی عقل تو آوارۂ آثار و سراغ
ذہن انساں کو نہیں اپنی وضاحت سے فراغ ——— دل ہے البتہ شبستان معارف کا چراغ
اس سے انوارِ حقیقت کا پتہ چلتا ہے
کعبۂ جاں میں جو ننھا سا دیا جلتا ہے

اُف یہ دل جس کی تگ و تاز کے پہلو ہیں عجیب ——— کبھی سلطان دو عالم! کبھی درویش غریب
کبھی تحقیق سے دور اور کبھی حق سے قریب ——— آپ بخشندہ حب، آپ محب، آپ حبیب
فکرِ مخلوق بھی ہے خالق افکار بھی ہے
خود پُر اسرار بھی ہے محرم اسرار بھی ہے

ذہن انساں کا ہیں موضوع انوکھے مضموں   خرد و بے خردی شک و یقین عقل و جنون
جہل و دانش خبر و واہمہ اعجاز و فسوں   غرض آدم کی جبلت ہے کبھی کیا کبھی کیوں

وہم و شک عارفِ کامل کیلئے کچھ بھی نہیں
یہ کبھی کیا کبھی کیوں ؟ دل کے لئے کچھ بھی نہیں

اے خوشا دل کہ ازل سے ہو جراحت خوردہ   جوشش اشک سے ایک قربا اور یا بردہ
اے خوشا دل اذیت بھی رہے آزردہ   دل افسردہ ؟ عجب شئے ہے دل افسردہ؟

کیا کہیں دل کو جو انعام ملا ہے غم سے
دل سے انساں کی جلا، دل کی جلا ہے غم سے

غم سبھی دنیا میں بہت سے غمِ جاں غمِ جاں   کوئی غمِ دیں کے لئے کوئی بہائے دوراں
فکر کے روپ بہت فکر جنیں، فکر جہاں   درد کے رنگ کئی درد بشر، درد جہاں

درد دل ایک ہی ہے درد جگر ایک ہی ہے
غم ہزاروں، غمِ جاوید مگر ایک ہی ہے

غم سے کتنے ہی مثالاً اثر انداز ہوں ہم   محو ہو جاتا ہے کچھ دن میں ہر اک نقش الم
غم دوراں کی قسم فطرت انساں کی قسم   غمِ جاوید ہے اک زندہ جاوید کا غم

غم ہے جاوید اسی سے بہ قسم کہتے ہیں
ہائے غم اس کا جسے کشتہ غم کہتے ہیں

غم کو بخشی نئی صورت نئی سیرت جس نے   کی عطا آنکھ کو اشکوں کی بصیرت جس نے
ڈھالدی درد کے قالب میں حسرت جس نے   عظمتِ غم کو عطا کی آبدیت جس نے

دل مردہ کو دیا حکم بہر طور تڑپ
روح انساں کو سکھایا کہ تڑپ اور تڑپ

زخم سینہ میں کہاں رنگ بہار اس کے بغیر   داغ حسرت میں نہیں کوئی نکھار اس کے بغیر
بیقراری میں کہاں روح قرار اس کے بغیر   عالم ورنہ فقط رنج و خمار اس کے بغیر

ہے وہ غمخوار تو شائستہ اظہار ہے غم
اس سے نسبت نہیں غم کو تو بہت خوار ہے غم

غمِ شبیرؑ نے ہر عہد کو بخشا وہ شعور   جس کے آگے کبھی چلتا نہیں باطل کا غرور
چشمِ بینا سے نہیں ہے یہ حقیقت مستور   خود ہے تاریخ کو اس غم کی اشاعت منظور
جب کبھی رنگِ ستم و جور نکھر جاتا ہے
ایسے عالم میں یہ غم اور نکھر جاتا ہے

جب کبھی میدان میں نکلا کوئی فرزندِ زیاد   جب کبھی ماحول سے ابھرا کوئی بانیِ فساد
جب کبھی اک حد سے بڑھی عہدِ ستم کی میعاد   جب کبھی حق کوش جوانوں نے جہاد
جب کبھی انساں نے حقیقت کا علم لہرایا
بڑھ کے تاریخ نے یہ پرچمِ غم لہرایا

عدل کو جور نے لوٹا سرِ میداں جب بھی   ظلم و انصاف ہوئے دست و گریباں جب بھی
نوعِ آدم میں بڑھی جرأتِ عصیاں جب بھی   اپنے مرکز سے ہٹی فطرتِ انساں جب بھی
ہر ستم و جور کے سیلاب کو ٹوکا اس نے
بڑھ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکا اس نے

کربلا! تیرے شہیدوں کا یہ غم جانِ حیات   جس سے ہے روحِ نمو جس سے ارادوں کو ثبات
اپنے اشکوں میں جو پوشیدہ ہیں طوفاں کے نکات   وہ تری مرحمتِ خاص ہیں اے ارضِ فرات
نام لیوا ترے ڈرتے ہیں کہیں خطروں سے
ہم نے دریاؤں کو جیتا ہے انہی قطروں سے

روحِ بیداریٔ اسلام زور سے چیخ   کس نے کھینچا ورقِ کفر پہ خطِ تنسیخ
بول اے گردشِ ایام، پکار اے تاریخ   کس نے ہر عہد میں کی ظلم کی زجر و توبیخ
کچھ نہیں صرف ہمیں دادِ وفا ہی دینا
کربلا! اپنی شہادت کی گواہی دینا

ہم کو اصغرؑ نے بتایا کہ شہادت کیا ہے   ہم کو اکبرؑ نے سکھایا کہ حمیت کیا ہے
ہم نے قاسمؑ سے لیا درس کہ غیرت کیا ہے   ہم نے عباسؑ سے سیکھا کہ شجاعت کیا ہے
ضبط کے درد رسیدوں سے سبق ہم نے لئے
زندہ رہنے کے شہیدوں سے سبق ہم نے لئے

ہم نے فضہ سے یہ سیکھا کہ ولا کیا شے ہے ہم نے بانو سے یہ سمجھا کہ رضا کیا شے ہے
ہم کو زینب نے بتایا کہ وفا کیا شے ہے ہم کو عابد نے سکھایا کہ دعا کیا شے ہے
جتنے رستے ہیں اسی منزل مقصد سے ملے
عزم کے درس ہمیں عونؑ و محمدؑ سے ملے

منزلِ صبر و رضا، اسوہ پاک شبیرؑ مقصدِ شوق و ولا، اسوہ پاک شبیرؑ
مسلکِ رنج و بلا، اسوہ پاک شبیرؑ مذہب مہر و وفا، اسوہ پاک شبیرؑ
تو نہ اے مذہب بے روح ہمیں جان اپنا
بس فقط اسوۂ شبیرؑ ہے ایمان اپنا

کون شبیرؑ؟ وہ اسرار مشیت کا امین کون شبیرؑ؟ وہ کاشانۂ وحدت کا مکیں
کون شبیرؑ؟ وہ سرتا بہ قدم دین مبیں جس کے اک ہاتھ میں دنیا ہو تو اک ہاتھ میں دیں
کفر و اسلام کا معیار محبت جس کی
حق و باطل کی ترازو ہے شہادت جس کی

جس کا خون غازۂ سلمائے عمل ہے وہ حسینؑ جس کا دل مخزن اسرار ازل ہے وہ حسینؑ
جو ہر اک مسئلہ عشق کا حل ہے وہ حسینؑ جس کا دم فدیہ خلّت کا بدل ہے وہ حسینؑ
چل بسا جو رہ ہستی میں مگر زندہ ہے
دل سے نکلے ہوئے لفظوں کا اثر زندہ ہے

وہی شبیرؑ وہی تشنۂ دریائے فرات خون سے جس کے ہے سیرابی گلزار حیات
جس کی ہمت ہے ازل اور ابد جس کا ثبات جلوہ آرائے صفات اور سپر آئینۂ ذات
کب فقط زیست کو اک روح نئی بخشی ہے
موت کو بھی تو حیات ابدی بخشی ہے

موت ٹل جاتی ہے یوں ذکر اٹل ہے اس کا دل بدل دیتا ہے کیا کوئی بدل ہے اس کا؟
آنکھ جھک جاتی ہے وہ نور ازل ہے اس کا روح چونک اٹھتی ہے وہ ذوق عمل ہے اس کا
اس سے توحید کی عظمت ہے وحید ایسا ہے
ناز ہے جس پہ شہادت کو شہید ایسا ہے

کر سکی بال نہ بیکا سپہِ جور اس کا — جس قدر ظلم ہوئے عشق بڑھا اور اس کا
ذکر ہوتا ہے بہر حال بہر طور اس کا — وہ ہر اک دور کا مالک ہے ہر اک دور اس کا
سب جسے عہدِ حیاتِ ابدی کہتے ہیں
ہم اسے عصرِ حسینؑ ابنِ علیؑ کہتے ہیں

نوعِ انساں کو ہوا جب بھی حقیقت کا شعور — نسلِ آدم کو ہوا جب بھی غلامی سے نفور
حد سے جس دن بھی بڑھا باطل کا غرور — جب بھی فطرت کو ہوا کوئی تغیّر منظور
پیروی کام دلِ ابنِ ولی کی آئی
ذہن میں یاد حسینؑ ابنِ علیؑ کی آئی

یاد رکھتا ہے بھلا کون؟ کسے یاد ہے آج — کس جہاں میں تھا دمشق اور کہاں ہے بغداد
مگر اے کرب و بلا، آج بھی تو ہے آباد — کہ تری گنجِ شہیداں پہ رکھی ہے بنیاد
یاد تیری ہے کسی اور کا عشق آج کہاں
کربلا آج بھی زندہ ہے دمشق آج کہاں

جو یہ کہتے ہیں معیارِ حقیقت ہے خرد — تا درِ عقل فقط جن کی رسائی کی ہے حد
اور جن کی نظروں میں بجز وہم نہیں ذات — جو مصر ہیں کہ نہیں عشق کا کوئی مقصد
کاش وہ محرمِ اسرار و معارف ہوتے
کربلا! وہ ترے اسرار واقف ہوتے

شہید یار جنگ

سلام

درِ شبیرؑ پر بہرِ لحد دو گز زمیں مانگی
رسالت تو نہیں چاہی خدائی تو نہیں مانگی

رہِ سرور میں جو چلتے رہیں ایسے قدم چاہیے
ترے سجدے میں جو جھکتی رہے ایسی جبیں مانگی

وہیں سے ساتھ لے جانے کا جنّت میں لیا وعدہ
نشانی کے لئے زوجہ نے بس اک آستیں مانگی

کیا پانی طلب سرور نے یہ باور نہیں آتا
اماں مانگی کبھی شبیرؑ نے ہرگز نہیں مانگی

مرے نانا کی امت کو الٰہی بخش دینا تو
دعا شبیرؑ نے یہ ایک وقت واپسیں مانگی

تبرک گھر کا جو لوٹا گیا تھا وہ تو مانگا تھا
کوئی شئے اور زینب نے ستم گر سے نہیں مانگی

خبر ہے ایک سچی ہے کہ جھوٹی ہے خدا جانے
لحد کو پائینتی بھائی کے خواہر نے زمیں مانگی

دمِ آخر لبِ شبیرؑ ہلتے تھے تو کیا مطلب
دعا مانگی خدا سے شاہ نے اور بالیقیں مانگی

دیا شبیرؑ نے اور تھی طلب پیغمبرِ حق سے
وہ کیا شئے تھی جو راہب نے کہیں پائی کہیں مانگی

اگر میں آسماں بھی مانگتا تو لے کے کیا کرتا
زمیں مانگی لحد کو اور سرور کے قریں مانگی

کہا عباسؑ سے سرور نے اب کوئی نہیں میرا
اجازت تم نے بھی مرنے کی مجھ سے منہ جبیں مانگی

یہ جھلا کر کہا زینبؑ نے اپنے دونوں بچوں سے
علم مانگا گیا مرنے کی رخصت کیوں نہیں مانگی

کفن کے واسطے زہراؑ کی چادر مانگتا کیونکر
غمِ شبیرؑ کے اشکوں کی خاطر آستیں مانگی

چلا ہوں کربلا کو پھر شہید اللہ کی رحمت
یہ وہ جنت ہے خالق سے یہیں پائی یہیں مانگی

رضا علی خاں والیٔ رامپور

نوحہ

کربل بن میں بانو دکھیا کھڑی پچھاڑیں کھاوت ہے
رین اندھیری بالے اصغرؑ ماتا تہاری بلاوت ہے

دیس چھوڑ پردیس بسایا سہاگ چندر کو گہن لگایا
اب تم بن مجھ کو کھ اُجڑی کو برہا اگن جلاوت ہے
سیناپتی نے سینا کھوئی جیون کھیتی بن میں بوئی
کوؤ نہیں رکھوالا زینبؑ اُجڑا کھیت رکھاوت ہے
بانکے اکبرؑ قاسمؑ بیرن توڑ گئے سب رکشا بندھن
جا کے کارن آج سکینہؑ کا نن رکت بہاوت ہے

رجا نبیؐ کی دیویں دہائی، گھور گھٹا اب دکھ کی چھائی
سیس کھلا بانو زینبؑ کا عابدؑ کوڑے کھاوت ہے

میر شجاعت علی شجیع

مناجات

اے پیمبر کے دل و جاں المدد   تاجدارِ بزمِ امکاں المدد
رہنمائے دین و ایماں المدد   شاہ شاہانِ شیرِ یزداں المدد
المدد اے شاہِ مرداں المدد

آپ ہی تنہا ہیں مولودِ حرم   آپ کے دوشِ نبی پر تھے قدم
آپ کے بندے ہیں سب اہلِ حرم   آپ کو اپنی جلالت کی قسم
المدد اے شاہِ مرداں المدد

دل کو اب سمجھا بجھا سکتا نہیں   بار اس غم کا اٹھا سکتا نہیں
منہ زمانے کو دکھا سکتا نہیں   در سے خالی ہاتھ جا سکتا نہیں
المدد اے شاہ مرداں المدد

سارا عالم بن گیا دشمن مرا   بار ہے میرے لئے مسکن مرا
کربلا ہو وادیٔ ایمن مرا   اب وہی گھر ہو وہی مدفن مرا
المدد اے شاہِ مرداں المدد

آپ کا بندہ شجیع زار ہے   ایک ادنیٰ خادمِ سرکار ہے
یہ فدائی حاضرِ دربار ہے   اب توجہ آپ کی درکار ہے
المدد اے شاہِ مرداں المدد

•

حفیظ جالندھری

مرثیہ

لباس ہے پھٹا ہوا، غبار میں اٹا ہوا
تمام جسم نازنیں، چھدا ہوا کٹا ہوا
یہ کون ذی وقار ہے ، بلا کا شہسوار ہے
یہ بالیقیں حسین ہے
نبی کا نور عین ہے

یہ جس کی ایک ضرب سے، کمال فن حرب سے
کئی شقی گرے ہوئے، تڑپ رہے ہیں کرب سے
غضب ہے تیغۂ دوسر ، کہ ایک ایک وار پر
اٹھی صدائے الاماں ، زبان شرق و غرب سے
یہ بالیقیں حسین ہے
نبی کا نور عین ہے

یہ کون حق پرست ہے مئے رضا سے مست ہے
کہ جس کے سامنے کوئی بلند ہے نہ پست ہے
ادھر ہزار گھات ہے ، مگر عجیب بات ہے
کہ ایک سے ہزار کا ، حوصلہ شکست ہے
یہ بالیقیں حسین ہے
نبی کا نور عین ہے

عبا بھی تار تار ہے تو جسم بھی فگار ہے
زمیں بھی ہے تپی ہوئی فلک بھی شعلہ بار ہے
مگر یہ مردِ تیغ زن ، یہ صف شکن فلک فگن
کمال صبر و تندہی سے ، محوِ کارزار ہے
یہ بالیقیں حسین ہے
نبی کا نورِ عین ہے

دلاوری میں فرد ہے بڑا ہی شیر مرد ہے
کہ جس کے دبدبے سے دشمنوں کا رنگ زرد ہے
حبیب مصطفےٰ ہے یہ ، مجاہدِ خدا ہے یہ
جبھی تو اس کے سامنے ، یہ فوج گرد گرد ہے
یہ بالیقیں حسین ہے
نبی کا نورِ عین ہے

ادھر سپاہِ شام ہے ہزار انتظام ہے
ادھر ہیں دشمنانِ دیں ادھر فقط امام ہے
عجیب شان ہے ، غضب کی آن بان ہے
کہ جس طرف اٹھی ہے تیغ ، بس خدا کا نام ہے
یہ بالیقیں حسین ہے
نبی کا نورِ عین ہے

پیر دنیبی محی الدین خلوت

سلام

زمیں پہ عرش پہ ذکر امام ہوتا ہے
رواں ابن علی پر سلام ہوتا ہے

دیا جو درس حیات اس نے آجتک بھی وہ
قبول خاطر ہر خاص و عام ہوتا ہے

جو مرگ و زیست کو سمجھے ہیں اک متاع حقیر
انہیں کا زندۂ جاوید نام ہوتا ہے

کنار دشت بہ ایں تشنگی و تنہائی
ہے ظلم قتل وہ عالی مقام ہوتا ہے

غضب ہے ایک شقی ازل کے ہاتھوں سے
تباہ باغ رسول انام ہوتا ہے

ستارے اشک فشاں ہیں ملک ہیں وقف الم
عزا کا چار طرف اہتمام ہوتا ہے

نثار کرتے ہیں جاں مثل سید شہدا ار
وہ جن کو پینا شہادت کا جام ہوتا ہے

گل مراد سے بھر جائے دامن خلوت
در حضور پہ حاضر غلام ہوتا ہے

اثر صہبائی

سلام

پوشیدہ شہادت میں حیات ابدی ہے / یہ سرخیٔ پیغام حسین ابن علی ہے
مردانِ خدا سر سے کفن باندھے ہوئے ہیں / ہر گام پہ یلغارِ صفِ اہرمنی ہے
سو آتشِ نمرود ہو سو خنجرِ فرعون / آوازِ صداقت نہ دبے گی نہ دبی ہے
ہر دور کے بوجہل اسے لاکھ بجھائیں / قندیلِ محمد نہ بجھے گی نہ بجھی ہے
کٹتی رہی مردانِ حق آگاہ کی گردن / لیکن درِ باطل پہ جھکے گی نہ جھکی ہے
اے چشمِ فلک تو بھی بہا خون کے آنسو / نیزہ کی انی پر سرِ فرزندِ علی ہے
ہے فاطمہ کا لال محمد کا نواسہ / میداں میں جو بے گور و کفن لاش پڑی ہے
جاں دے کے ہی ملتی ہے یہاں منزلِ محبوب / آغاز ہی سے رسمِ رہِ عشق یہی ہے
کیا رتبۂ عالی ہے امام الشہداء کا / کونین کی گردن پئے تعظیم جھکی ہے

تسکین بھی تڑپ بھی ہے غمِ آلِ نبی میں
سینے میں اگر آگ ہے آنکھوں میں نمی ہے

سید احمد حسین امجدؔ

رباعیات

دیکھو علی و فاطمہ کے ماہ کا رنگ
دیکھو شہ لولاک کے نوشاہ کا رنگ
ڈوبے ہوئے ہیں خونِ شہادت میں حسین
ہے جامۂ عبدیت میں اللہ کا رنگ

مشکل ہے بہت صاحبِ ایماں ہونا
کچھ کھیل نہیں ہے حق پہ قربان ہونا
ہاں مثلِ حسین سر قلم ہوتا ہے
امجدؔ آساں نہیں مسلماں ہونا

حزیں لدھیانوی

سلام

اے حسین ابن علی اے نازش ارباب عشق
تیرے خوں سے ہے درخشاں گوہر نایاب عشق

آستاں تیرا ہے بیشک آسمان عاشقاں
اے امام عاشقاں تجھ سے ہے شان عاشقاں

کس قدر تجھ کو خوشی ہے موت کے پیغام سے
دل ترا ڈرتا نہیں شمشیر خوں آشام سے

تشنگی سے لب ترا خود موج زمزم ہو گیا
عزم تیرا قتل گہہ میں اور محکم ہو گیا

تیرے قبضہ میں وہ شمشیر قضا تصویر ہے
جس کی ہیبت سے جہانِ کفر لرزہ گیر ہے

خلد در داماں ہے تجھ سے جلوہ گاہ حریت
ہے جبیں تیری چراغ شاہراہ حریت

عشق والے تجھ سے لیتے ہیں صداقت کا سبق
روح کو بھی تجھ سے ملتا ہے شجاعت کا سبق

در ہجوم نیزہ و تیغ و سناں تنہا ستی
در جہان عشق اے فخر جہاں یکتا ستی

پروفیسر یوسف جمال انصاری

سلام

ہم صورتِ حباب ہیں بحرِ حیات میں
ٹوٹے تو یوں کہ ڈوب گئے اپنی ذات میں

اے رہ نورد کون ہے تو اور کہاں ہے تو!
کیا ڈھونڈتا ہے رہ گذرِ ممکنات میں

انسانیت کو کربلا سے مفر نہیں
بے خواب راہبر بھی ہے رہزن بھی گھات میں

مہکا ہوا ہے عشق سے دامانِ زندگی
خونِ حسین اب بھی رواں ہے فرات میں

اپنی خودی کی تیغ سے خود ہو گئے ہلاک
ہم وہ شہیدِ علم ہیں سعیِ نجات میں

وہ رنگِ گل سے نکہتِ گل کو الگ کریں
الجھے ہیں جو تعینِ مرگ و حیات میں

ہر سانس موجِ خوں ہیں سفینہ ہے عشق کا
دل ہے مرا کہ چنگ ہے طوفاں کے ہاتھ میں

صبا اکبرآبادی

سلام

حسین، نزہت باغ پیمبر عربی
حسین، نازش ناقہ، وقار تشنہ لبی

حسین مرکز ایثار و مخزن تسلیم
حسین شمع حقیقت، چراغ بزم نبی

حسین لخت دل مرتضیٰ و جان بتول
جہاں میں کس کو میسر ہے یہ علو نسبی

حسین سینۂ اکبر سے کھینچ لی برچھی
حسین سینہ میں اس وقت کیسے آہ دبی

ستم کا تیر کبھی دیکھا گلوئے اصغر میں
وہ مسکرانے کا انداز روح تشنہ لبی

جوان بھائی کے شانے کٹے ہوئے دیکھے
یہ صبر ابن یداللہ، یہ رضا طلبی

یہی نو شان ہے سبط رسول ہونے کی
دعائے بخشش امت جواب بے ادبی

نہیں ہے کوئی ذریعہ صبا حسین تو ہیں
بڑا سبب ہے زمانہ میں اپنی بے سببی

KASHMIR UNIVERSITY
Library
Acc 363521
Date 15-12-97

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN